THE HINDUSTANI ACADEMY

हिन्दुस्तानी एकेडेमी, पुस्तकालय

इलाहाबाद

वर्ग संख्या.....

पुस्तक संख्या.....

क्रम संख्या.....

Date of Receipt

مضامینِ شرر

یعنی

مولانا مولوی محمد عبد الحلیم صاحب شرر لکھنوی

مدظلہ العالی

کے تمام شاعرانہ و عاشقانہ، محققانہ و فلسفیانہ، تاریخی و جغرافی، علمی و ادبی مضامین، دنیا کے مشہور اکابر اور نامور خاتونوں کے سوانح عمری اور کل متفرق تحریریں جن کی فاضل و محقق موصوف نے از سر نو نظر ثانی فرمائی ہے

جنھیں

سید مبارک علی شاہ گیلانی مولوی فاضل نے منگ لاہور چھپوایا

فہرست مضامین شرر

جلد سوم

سیر نسواں حصہ دوم

نمبر	مضمون	صفحہ
۱	دانیل	۱
۲	زبیدہ خاتون	۴
۳	ماریہ رولان فلپتوں	۱۴
۴	عفراء بنت مُہاصِر	۲۴
۵	ماء السماء	۳۳
۶	ام جعفر بنت عبد اللہ بن عرفطہ	۳۵
۷	عاتکہ بنت معاویہ بن ابی سفیان	۴۰
۸	ایڈلین (نامور مغنیہ یورپ)	۴۵
۹	دکن کی کافر ماجرا مہ جبیں پرتقال نمبر ۱	۴۷
۱۰	" " " نمبر ۲	۵۴
۱۱	دیدون (ملکۂ سور)	۶۰
۱۲	ارشد امیہ (یونان کی ایک بہادر خاتون	۶۲
۱۳	مرجبین رُوم تقریطیہ	۶۴
۱۴	نیتوں لانکلون	۶۷
۱۵	ہائی پے شیا	۷۰
۱۶	عُلیہ بنت مہدی	۷۴
۱۷	خرقاء	۹۰
۱۸	عائشہ بنت طلحہ نمبر ۱	۹۱
۱۹	" " " نمبر ۲	۹۷
۲۰	" " " نمبر ۳	۱۰۱
۲۱	" " " نمبر ۴	۱۰۳
۲۲	ریّا بنت الفطریق السلمی	۱۰۹
۲۳	دارمیہ حجونیہ	۱۱۶
۲۴	جنفیاف	۱۱۷
۲۵	فریدہ	۱۲۳
۲۶	ظریفہ بنت صفوان	۱۳۰
۲۷	اُم حکیم بنت قارظ	۱۳۶
۲۸	پوپ جان نمبر ۱	۱۳۹
۲۹	" " نمبر ۲	۱۴۸
	" " نمبر ۳	۱۵۶

نیز دیگر ناموں مصنفین کی مقبول تصنیفات کے مطالعہ کا اگر آپ کو شوق ہے تو مندرجہ ذیل پتہ پر دو پیسہ کا پوسٹ کارڈ لکھ کر فہرست کتب طلب فرمائیں

پتہ۔ ایس عبدالرشید اینڈ برادرس تاجران کتب ... لاہور

فہرست مطبوعات ایس عبدالرشید اینڈ برادرز

(تاجران کتب اندرون لوہاری دروازہ لاہور)

تصنیفات خان احمد حسین خان

صاحب چیف ایڈیٹر شباب اردو لاہور

سیرۃ احمدی — [illegible] حالات [illegible] کی [illegible] قیمت [illegible] روپیہ (عہ)

[illegible] ۱۲ر
[illegible] ۱۲ر
[illegible] ۱۲ر
[illegible] ۱۲ر
[illegible] ۹ر [illegible] قیمت صرف (عہ)
[illegible] ۱۲ر

مولانا محمد عبدالحلیم صاحب شرر لکھنوی

وہ مضامین جو وجہ پسند و دلکش اور بے نظیر ہیں

مضامین شرر یعنی عاشقانہ و شاعرانہ حصہ اول (عہ)
حصہ دوم قیمت (عہ) حصہ سوم قیمت ... (عہ)
تاریخی و جغرافی مضامین حصہ اول قیمت (عہ)
حصہ دوم قیمت (عہ) حصہ سوم قیمت (عہ) +
[illegible] مشہور اکابر کے حالات قیمت (عہ)
[illegible] کے سوانح عمری قیمت حصہ اول
ایک روپیہ دس آنے (عہ) حصہ دوم قیمت (عہ)
جلد دلگداز ۱۸۸۷ء قیمت صرف (عہ)
جلد دلگداز ۱۸۸۹ء قیمت صرف ... (عہ)

تصنیفات مہاشہ سدرشن صاحب

[illegible]	عہ	[illegible]	عہ
[illegible]	عہ	[illegible]	عہ
[illegible]	عہ	[illegible]	عہ

۷۸۶

اِنَّ مِنَ الْبَیَانِ لَسِحْرًا

ناموخاتونوں کے

سوانح عمری

جن کی فاضل و محقق مصنف نے از سرِ نو نظر ثانی فرمائی ہے

جنہیں

سید مبارک علی شاہ گیلانی مولوی فاضل مہرنگ لاہور

نے

مرکنٹائل پریس لاہور میں چھپوایا

ملنے کا پتہ: ایس عبدالرشید اینڈ برادر تاجران کتب لوہاری دروازہ لاہور

بار اول ۱۰۰۰ قیمت

مرکنٹائل پریس لاہور میں باہتمام لالہ دیوان چند پرو پرائٹر چھپے

فہرست مضامین نثر

جلد سوم

سیر نسواں۔ حصہ دوم

نمبر	مضمون	صفحہ
۱	راحیل	۱
۲	زبیدہ خاتون	۴
۳	ماریہ رولان فلپوں	۱۴
۴	عفراء بنت مُہاصِر	۲۴
۵	ماء السماء	۳۳
۶	ام جعفر بنت عبد اللہ بن عرفطہ	۳۵
۷	عاتکہ بنت معاویہ بن ابی سفیان	۴۰
۸	ایڈلین (نامور مصنفہ یورپ)	۴۵
۹	دکن کی کافر ماجرا مہ جبیں پرتھال نمبر ۱	۴۷
۱۰	" " " نمبر ۲	۵۴
۱۱	دیدون (ملکۂ سور)	۶۰
۱۲	ارشد امیہ (یونان کی ایک بہادر خاتون)	۶۲
۱۳	مہ جبین رُوم تقریظیہ	۶۴
۱۴	تینوں لانکلون	۶۷
۱۵	ہائی پے شیا	۷۰
۱۶	عُلیہ بنت مہدی	۷۴
۱۷	خرقاء	۹۰
۱۸	عائشہ بنت طلحہ نمبر ۱	۹۱
۱۹	" " " نمبر ۲	۹۷
۲۰	" " " نمبر ۳	۱۰۱
۲۱	" " " نمبر ۴	۱۰۳
۲۲	ریّا بنت الفطریق السلمی	۱۰۹
۲۳	دارمیہ حجونیہ	۱۱۶
۲۴	جنفیاف	۱۱۷
۲۵	فریدہ	۱۲۳
۲۶	ظریفہ بنت صفوان	۱۳۰
۲۷	اُم حکیم بنت قارظ	۱۳۶
۲۸	پوپ جان نمبر ۱	۱۳۹
۲۹	" " نمبر ۲	۱۴۸
	" " نمبر ۳	۱۵۶

نیز دیگر نامور مصنفین کی مقبول تصنیفات کے مطالعہ کا اگر آپ کو شوق ہے تو مندرجہ ذیل پتہ پر دو پیسہ کا پوسٹ کارڈ لکھ کر فہرست کتب طلب فرمائیں

پتہ۔ ایس عبد الرشید اینڈ برادرس تاجران کتب لوہاری دروازہ۔ لاہور

فہرست مطبوعات ایس عبدالرشید اینڈ برادرز

(تاجران کتب نزد ٹکسالی دروازہ لاہور)

تصنیفات خان احمد حسین خان

صاحب چیف ایڈیٹر شباب اردو لاہور

سیرۃ احمدی حضور سرور عالم کے حالات میں یہ کتاب علامہ شبلی کی سیرت کے بعد لائی گئی ہے۔ نہایت قیمتی اعلیٰ درجے نسخہ دوم قیمت روپے ... (عہ)

حسرت قیمت	عہ	آبیتی آزاد قیمت	۱۲/
شمع سحر	۱۲/	گلبدن	۱۲/
سرزمین حرف	۱۲/	مکافات عمل	۱۲/
پرتو بالا	۱۲/	ہیس وجمیلہ	۱۲/
[illegible]	۹/	[illegible] قیمت صرف	عہ

دو عورتیں ایک کرتے دھاپا قیمت ۱۲/

[illegible] قیمت	عہ	سوز قیمت	عہ
[illegible]	۱۲/	آہ	عہ
[illegible]	۹/	آئینہ روزگار	عہ
[illegible]	۱۲/	درد	عہ
کوہ شملہ	۸/	سادھو کی کرامت	۸/

مولانا محمد عبدالحلیم صاحب شرر لکھنوی کے

دو مضامین نہایت دلکش اور بے نظیر ہیں

مضامین تاریخی ماشقانہ و شاعرانہ حصہ اول عہ حصہ دوم قیمت (عہ) حصہ سوم قیمت .... (عہ)

تاریخی و جغرافی مضامین حصہ اول قیمت (عہ) حصہ دوم قیمت (عہ) حصہ سوم قیمت (عہ)

سیر مہاب مشہور اکابر کے حالات قیمت (عہ)

ناسور خاتونوں کے سوانح عمری قیمت حصہ اول ایک روپیہ دس آنے (عہ) حصہ دوم قیمت (عہ)

جلد دگدار ۱۸۸۷ء قیمت صرف . (عہ)

جلد دگدار ۱۸۸۹ء قیمت صرف . (عہ)

تصنیفات مہاشہ سدرشن صاحب

صبح وطن قیمت	عہ	پنجگان تیسری حصہ اول	عہ
بے گناہ مجرم	عہ	" " حصہ دوم	عہ
سوسائٹی کی محبت	عہ	من کی موج ..	۱۲/
[illegible]	عہ	سدا بہار کے پھول	۱۲/

نہایت عجیب و غریب مشرقی نادر و نایاب کتابیں

تاریخ اسلامی مصنفہ نڈوں فاضل آباد جہاں تاریخ کا بنیادی پتھر تیسرا حصہ اول ۸/ حصہ دوم ۹/ حصہ سوم ۱۰/ بیمار (عہ)

سیرۃ النعمان مصنفہ علامہ شبلی مرحوم جیسی یہ کتاب علامہ مرحوم نے اعلیٰ درجہ کی تصنیف فرمائی ہے۔ اور کروڑوں سنی مذہب مسلمانوں کو اسلام عظمت اور ان کے نامور آئمہ و شاگردوں کے حالات اور مسائل سے آگاہ کیا ہے۔ ویسی ہی ہوئی کیونکہ مختلف مطابع نے چھاپ کر ایسی ردی کر دی تھی کہ دیکھ کر دماغ پریشان ہوتا تھا۔ ہم نے اس کی نہایت عرقریزی سے صحت کی اور اس پر سانیہ کی تقریب کیے۔ اور دو قسم کے کاغذ پر چھپوائی۔ قسم اول (عہ) قسم دوم (عہ) اب آپ اس کو ضرور منگوائیں اور ملاحظہ فرمائیں۔ ہمیں اپنی محنت اور خرچ کی داد بھی اسی طرح مل سکتی ہے۔

بیاض آزاد مشاہیر شعرا کے چند کے کلام کا انتخاب (جواب مسلم آزاد دیوان کا کیا ہوا) نہایت خوشخط شعر تر چھے لکھے ہوئے جلی قلم معلوم ہوتا ہے کہ شنگرف سے لکھی ہوئی کتاب سامنے رکھی ہے۔ مولانا کا خوبی شامل ہے۔ قیمت سے صرف ایک روپیہ ... (عہ)

[illegible]	عہ	[illegible]	۱۲/
میخانہ مہدی	۶/	تصویر حیرت	۱۲/
حسینہ	۶/	یوسف پاشا	عہ

سمن کا چاند [illegible] الخیاری دہلوی اس کتاب کی مقبولیت اس سے ظاہر ہو سکتی ہے کہ پہلی بار چھپتے ہی اتنی جلد ختم ہوئی۔ کہ چند ماہ کے اندر اندر دوسری طبع طبع کرانے کی وقت اٹھانی پڑی اب پھر دو دن سی جلد یہاں جلد طلب فرمائیے (عہ)

آفتاب [illegible] یہ کتاب بھی [illegible] مصور قلم علامہ راشد [illegible] قیمت صرف (عہ)

ملنے کا پتہ: ایس عبدالرشید اینڈ برادرز تاجران کتب لوہاری دروازہ لاہور

مضامین شرر جلد سوم

سیر نسواں حصہ دوم

راخیل

اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ قسمت بہت سے لوگوں کو اکثر ادنیٰ سے اعلیٰ اور کچھ سے کچھ بنا دیتی ہے۔ مگر قدرت کی یہ انقلاب پسندی جس قدر حسین و پری تمثال نازنینوں کے اوپر چھا جاتی ہے شاید اوروں کے کام نہ آتی ہوگی۔ اسی کا ایک دلفریب نمونہ گذشتہ صدی کی ایک یہودن راخیل تھی جسکے حالات ہم دلگداز میں درج کرتے ہیں۔

راخیل ایک بہت ہی ذلیل و فلاکت زدہ گھرانے کی لڑکی تھی۔ باپ ایک بساط فروش بساطی تھا جو تھوڑا سا مال لے کے جرمنی اور سوئٹزرلینڈ میں شہروں شہروں مارا مارا پھرتا۔ اور اسی پیشے سے اپنا پیٹ پالتا۔ اسکے اسی خاک چھاننے کے زمانے میں ۱۸۲۰ء تھا کہ سوئٹزرلینڈ کے شہر مٹ میں راخیل پیدا ہوئی۔ دو چار سال بعد اس کا باپ دارہ گردی سے عاجز آکے شہریوں میں منیم ہو گیا۔ مگر یہاں بسر نہ ہو سکی تو ۱۸۳۰ء ہی میں آکے دارالسلطنت فرانس شہر پیرس میں سکونت اختیار کی۔

یہاں باپ تو شاید پاؤں توڑ کے گھر میں بیٹھ گیا مگر بڑی بیٹی سارہ نے بسر اوقات کے لیے یہ پیشہ اختیار کیا کہ پیرس کے قہوہ خانوں میں جاتی۔ اور جو لوگ

وہان آکے بیٹھتے اور کھاتے پیتے اُنکے سامنے ایک پُرانا چکارہ بجا بجا کے گاتی اور انعام کی امیدوار ہوتی - ان موقعون پر چھوٹی بہن راخیل جو ابھی ننھی بچی تھی بڑی بہن کے ساتھ رہتی - اور اُسکے گانے بجانے کے وقت جو حاضرین وسامعین کچھ دینا چاہتے اُنکے پاس دوڑ دوڑ کے جاتی اور سب سے پیسے تحصیل کرتی پھرتی -

اتفاقاً کسی قہوہ خانے مین مسیو سورون نام ایک نامور بزرگ رونق افروز تھے جنھون نے اپنی کوششون سے اُس موسیقی کی تعلیم کا ایک مدرسہ قائم کیا تھا جو عبادت اور گرجے سے مخصوص ہے - اُنکی نظر انتخاب ان دونون لڑکیون پر پڑ گئی - خصوصاً چھوٹی بہن راخیل کو اُنھون نے ایک بے بہا الماس خیال کیا جو کوڑے مین پڑا ملجائے - فوراً دونون کو اپنے ساتھ لائے - اور انکی تعلیم وتربیت کو اپنے ذمے لے لیا -

چند روز تعلیم دی تھی کہ مسیو سورون کو معلوم ہوا " اس نوخیز ونازک اندام یہودن کے اعضا وجوارح بہ نسبت گانے کے بتانے اور اپنے دلربایانہ حرکات واندازسے دلربائی کرنے کے لیے زیادہ موزون ہین - چنانچہ چھوٹتے ہی اُنھون نے راخیل کو ایکٹ کرنے اور ناٹک کی تعلیم دینے والے اُستاد کے حوالے کردیا - اس اُستاد نے چار سال تک تعلیم دی - اور راخیل نے بھی اس طرح دل لگا کے سیکھا کہ اُس مدت کے اندر نہ کبھی محنت سے اُکتائی اور نہ اُس سے بدشوقی ظاہر ہوئی - اتنی مدت مین اُسے اس بات کا اندازہ ہوگیا کہ اعلیٰ ترین اور مستند مصنفین ڈراما کی ہیروئنون کے انداز اور حرکات وسکنات کیسے ہوتے ہین - اور اُنھین کس شان اور کیسے نازبانداز سے دکھانا چاہیے - اگرچہ اُس کا رُجحان بعض چھوٹے درجے کے آسان ایکٹون کی طرف تھا مگر شوق سے بڑے اور مشکل ومستند ایکٹون کو حاصل کیا - اب وہ اس اُستاد کو چھوڑ کے کنسرتوار (پیرس کے ایک مستند مدرسۂ غنا) مین جا کے گانا سیکھنے لگی - اور سنہ ۱۸۳۷ء مین جبکہ ایک سترہ برس کی ماہ وش نازنین تھی جنتاس پیرس کے کرتب دکھانے کے تھیٹر مین اسٹیج پر نمودار ہوئی اور اپنی نازنینانہ کرتب دکھائے - اگرچہ بہت سے ناظرین فریفتہ ہوگئے مگر بحیثیت فن کے چندان کامیابی نہین ہوئی -

لیکن دوسرے برس جب اُس نے " تیاتر فرانسیز (فرانسیسی تھیٹر) کے اسٹیج پر مشہور ڈراما " لیزوراس " کی ہیروئن کا سیل کا پارٹ دکھایا تو قیامت ہی کردی -

سارے اہل پیرس دیکھتے ہی دم بخود رہ گئے - جو تھا اُس کا دیوانہ اور اُسکی صورت کا عاشق تھا - ایکٹ مین اُس کی جدت طرازی اور ناز و انداز کی تازگی نے پیرس کے بڑے بڑے نکتہ چینون اور نقادون کو مبہوت و متحیر کر دیا - اُسکی رسیلی نظرین ہر ایک تماشائی کے دل مین اُتر گئین - اور ہر بات کے ادا کرنے کا جادو بھرا انداز اور ناز بھری ادا نشتر کی طرح ہر سینے مین پیوست ہو گئی -

اسی سال اُس نے جدت سے تاریخی ایکٹ اور مستند حقیقتون کے قائم کیے ہوے کیرکٹر اپنی اداؤن سے دکھا دیے اور زمانے بھر کو اپنا اسیر گیسو بنا لیا - یک بیک ہر سوسائٹی مین اُس کا تذکرہ چھڑ گیا - اور ایک ہی سال کے اندر وہ مقبولیت و ناموری کے انتہائی درجے کو پہونچ گئی جس کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ اسٹیج پر آنے کے پہلے سال اُس کی آمدنی کا اوسط چار ہزار فرنیک سالانہ سے زیادہ نہ تھا - دوسرے ہی برس یک بیک اُس کا اوسط بیس ہزار فرنیک ہو گیا - پھر اسکے بعد جو آمدنی بڑھنا شروع ہوئی تو پہلے تین لاکھ فرنیک سالانہ اور پھر چار لاکھ فرنیک کو پہونچ گئی -

پُرانے تاریخی کیرکٹرون پر حکومت حاصل کر کے اُس نے نئے مذاق اور جدید ڈراماؤن کے کیرکٹرون کی طرف توجہ کی - اور اس حیثیت سے بھی وہ چند روز مین تھیٹر کی دنیا کی ملکہ تھی - اصل یہ ہے کہ باوجود اتنی ترقی کرنے اور اس قدر دولتمند بنجانے کے آخر عمر تک طالب علمی کی وضع ہاتھ سے نہ دی - اپنے فن کے متعلق جو نئی چیز نظر آتی اُسکے حاصل کرنے کی انتہائی کوشش کرتی اور اپنی محنت و ذکاوت سے کامیاب ہو جاتی -

اُس کی اس طالب علمانہ کوششون کا سب سے بڑا ثبوت یہ ہے کہ ہر سال وہ کوئی نیا کمال دکھاتی اور اپنی جدت آفرین طبیعت سے اُس مین نئی نئی دلکش باتین پیدا کرتی - اور جن خاص کیرکٹرون کو اُس نے خاص طور پر اختیار کیا تھا اُنکی تو وہ بادشاہ تھی - اور کسی کی مجال نہ تھی کہ اُس کی گرد کو بھی پا سکے -

جب اُسے انتہا سے زیادہ ناموری حاصل ہو چکی تو انگلستان کے زندہ دل ذوقین بھی اُسکے مشتاق ہوے - اور اُس نے وقتاً فوقتاً لندن کے سینٹ جیمس

تھیٹر مین آکے اپنا کمال دکھایا - اور لوگون نے بڑے ہی جوش و خروش اور بڑی گرمجوشی سے اُسکی قدر کی - یہان کے لوگون کا شوق دیکھ کر اُس کا حوصلہ بڑھا اور ارادہ کیا کہ امریکہ جاکے نئی دنیا والون کو بھی اپنا گرویدہ بنالے - چنانچہ اپنی اسٹیج کو سنبھالے نیویارک پہونچی - وہان اُس نے اُسی طرح کمال دکھایا مگر خدا جانے کیا بات تھی کہ کامیابی نہ ہوئی - وہان کی سرد ہوا نے اُسکے حوصلے پست ہوگیا اور فرانس مین ناکام واپس آئی -

رانتا راخیل قوی و تندرست نہ تھی - ہمیشہ دُبلی پتلی رہی اور نازک اندام رہی زندگی بھر کبھی اُسکو تیار ہونا نصیب نہ ہوا - اس نزاکت و ناتوانی کے ساتھ محنت وہ ہمیشہ اپنی قوت سے زیادہ کیا کرتی تھی - نتیجہ یہ ہوا کہ محنت نے جوانی ہی مین جواب دیدیا - بیمار پڑ گئی - اور بیماری نے ایسا طول کھینچا کہ اُس کی زندگی کا چراغ گل ہی کرکے دم لیا - چنانچہ ۳۰ ہی سال کی عمر مین جبکہ ۱۸۵۴ء تھا اُس نے سفر آخرت کیا - اور دنیا مین اپنی یاد زندہ چھوڑ گئی -

اُس کی چار بہنین اور ایک بھائی راخیل فلکس بھی پیرس کے تھیٹرون کے اکبر تھے اور اُنھین بھی ایک حد تک امتیاز حاصل تھا - مگر اُن راخیل کا کمال اُسی کے ساتھ اُس کی قبر مین دفن ہوگیا -

زبیدہ خاتون

یہ خاتون ہارون رشید اعظم کی بیوی اور اُسکے چچا کی بیٹی تھی - دوسرے خلیفۂ عباسی ابو جعفر منصور کے دو بیٹے تھے ایک مہدی اور دوسرا جعفر - مہدی جو باپ کے بعد اورنگ نشین خلافت ہوا اُس کا بیٹا ہارون ہے - اور دوسرے بھائی جعفر کی بیٹی زبیدہ ہے - جعفر جسکے نام سے منصور نے کنیت اختیار کی باپ کے زمانۂ خلافت ۱۴۵ھ مین والی موصل مقرر ہوکے گیا تھا - اور اطمینان کے لیے منصور نے اُس زمانے کے نامور سپہ سالار حرب ابن عبد اللہ کو اُسکے ہمراہ کر دیا تھا - حرب نے موصل مین جاتے ہی ایک عالیشان قصر تعمیر کرایا - جس مین جعفر رہا کرتا تھا - اسی قصر مین زبیدہ پیدا ہوئی - اور امۃ العزیز نام رکھا گیا - مگر وہی تین سال باپ کے

آغوش شفقت کا مزا اُٹھاتے اور ناز و نعم اور اللہ آمین سے پلنے پائی تھی کہ باپ نے ۱۵۱ھ
میں سفر آخرت کیا۔ اور بے باپ کی بچی رہ گئی۔

یتیم ہونے کے بعد یہ دادا کے قصر میں آئی تو چونکہ نہایت خوبصورت۔
گوری چٹی۔ نک سُک سے درست اور نازک اندام و گل اندام تھی اس لیے دادا
کی بہت لاڈلی ہو گئی۔ جنھیں اس پر بڑا پیار آتا۔ اکثر اسے دونوں ہاتھوں سے پکڑ کے
نچاتے اور کہتے "زبیدہ" "زبیدہ" عربی میں مکھی کو کہتے ہیں جس سے شہد کے نحل نکالا
جاتا ہے۔ خلیفۂ وقت اور بزرگ خاندان کی زبان کا لفظ اور لفظ بھی ایسا جو تشبیہ نام
کی شان رکھتا تھا سارے گھر کو اس قدر پسند آیا کہ وہی اس ننھی بچی اُمۃ العزیز کا لقب
پڑ گیا۔ اور ایسا لقب جس نے اصلی نام کو بھی مٹا کے رکھ دیا۔

۱۶۵ھ میں تیرہ چودہ برس کی ہوگی کہ چچا منصور نے جو اب مالک تاج و تخت اور
وارث اورنگ خلافت تھے اپنے بیٹے ہارون کے ساتھ شادی کر دی۔ اور چچا کے گھر میں
خلیفۂ وقت کی بہو کی حیثیت سے بڑی دھوم دھام کے ساتھ بیاہ آئی۔ اس کے پانچ
سال بعد ۱۷۰ھ میں جب ہارون مسند خلافت پر بیٹھا تو دنیا کی سب سے زیادہ معزز و
محترم ملکہ وہی تھی۔ ہارون اور زبیدہ میں محبت بھی ایسی تھی جیسی کہ ملوک و سلاطین درکنار
دولتمند اور امیر گھرانوں کے میاں بیویوں میں بھی کم دیکھی گئی ہے۔ ہارون بالکل اُسکے
ہاتھ میں تھا۔ جس راہ لے جاتی چلتا۔ اور جو کہتی کرتا۔ مگر سچ یہ ہے کہ ایک زبردست
تاجدار شوہر کو غلام اور مطیع فرمان بنا لینا شوہر کی وجہ سے نہیں بلکہ خود اس عقلمند۔
شائستہ۔ اور عاقبت اندیش ملکہ کی ذاتی خوبیوں کی وجہ سے تھا۔ عہد رشید کے تمام
حالات پر غور کیجیے صاف نظر آتا ہے کہ سوشل معاملات میں وہ میاں پر چاہے کیسی ہی
چھائی ہو مگر سیاسی و انتظامی امور میں کبھی دخل نہ دیتی تھی۔ اسکے ساتھ لطف یہ
کہ دنیا کو تو یہ نظر آرہا تھا کہ زبیدہ ہارون پر حکومت کر رہی ہے۔ مگر خود رشید کو جو کچھ
معلوم ہوتا وہ یہ تھا کہ زبیدہ میری مطیع فرمان ہے۔ اور کوئی بات میری مرضی کے
خلاف نہیں کرتی۔

رشید کا محل منتخب روزگار پری جمالوں اور ہر قوم و ملک کی منتخب رلیاؤں سے
بھرا ہوا تھا۔ اور روز نئی بھرتی ہوتی رہتی تھی۔ جن میں سے ہر ایک کا فرمانبردار اور نازک

اندام و دلربا ہوتی۔ مگر زبیدہ کی پیشانی پر کبھی بل نہ آیا۔ بلکہ شوہر کی آرزوئیں پورا لانے میں وہ حتی الامکان اُسکی ممد و معاون ثابت ہوئی۔ اور یہی وجہ تھی کہ عنفوان شباب کی رفاقت آخر عمر تک نبھ گئی۔ اور زبیدہ کا شباب ایسے عیش و عشرت میں کٹا جیسا کہ دنیا میں بہت کم ملکاؤں کو نصیب ہوا ہوگا۔ اُس کی شان ہمیشہ خاص محل کی رہی۔ ملک کی تمام خاتونوں میں نہایت ممتاز تھی۔ اور اُس کے محل میں کوئی عورت چاہے رشید کی کتنی ہی بڑی محبوبہ ہو اُس کے حکم اور اختیار سے باہر نہ تھی۔ اُس نے محل کا ایسا اچھا انتظام کر رکھا تھا اور باندیوں کے اخلاق و عادات کو ایسا درست کر دیا تھا کہ جاحظ جو عہد قدیم کے نامور علما میں ہیں کہتے ہیں "رشید کے فضائل میں یہ بھی ہے کہ اُسکی بیوی زبیدہ تھی"۔ بلحاظ نسب وہ خاص ہاشمیہ اور عباسیہ تھی جس فضیلت میں کوئی عورت اُس کی ہمسری کا دعویٰ نہ کر سکتی تھی۔ اور نہ اُسکے پایئے کو پہونچ سکتی۔ چنانچہ رشید کے پورے دور خلافت میں وہی سب سے زیادہ حسینہ و جمیلہ۔ وہی سب سے زیادہ فطینہ و جمیلہ۔ وہی سب سے بڑی منتظمہ و مدبرہ۔ وہی سب سے بڑھ کے شریف النسب۔ وہی سب سے اعلیٰ درجے کی معزز و محترم ملکہ۔ اور وہی ولیعہد سلطنت محمد امین کی ماں تھی۔ ان سب باتوں کا نتیجہ یہ تھا کہ رشید اُس کی بے انتہا عزت کرتا اور اپنے مصارف کے لیے وہ جس قدر سرمایہ۔ جتنا وظیفہ۔ اور جتنی دولت مانگتی بے تامل بھیج دیتا۔

راویان اخبار نے سیکڑوں ایسے واقعات اُس کی جانب منسوب کر کے قصوں اور کہانیوں کی شان سے بیان کیے ہیں جو اُس کی شریف النفسی۔ پاکدامنی۔ اور متانت کے خلاف ہیں۔ الف لیلہ ایسے متعدد قصوں سے بھری پڑی ہے۔ خصوصاً بعض واقعات تو بالکل اعتدال سے باہر ہو گئے ہیں۔ مگر وہ سب اس نیک سیرت ملکۂ ہاشمیہ پر تہمتیں ہیں جن سے اُس کی پاک زندگی بالکل مبرا و بے داغ تھی۔

زبیدہ خلافتِ عباسیہ کے آغوش میں پلی اور خلافت اُس سے اس قدر وابستہ تھی کہ ابو العتاہیہ نام ایک نامی بزرگ کہا کرتے "زبیدہ اگر اپنی زلفوں کو بکھرا دے تو ہر لٹ جا کے کسی خلیفہ ہی پر پڑے گی"۔ پہلا عباسی خلیفہ سفاح اُسکے دادا کا بھائی تھا۔ دوسرا خلیفہ ابو جعفر منصور اُس کا حقیقی دادا تھا۔ تیسرا خلیفہ

مہدی اُس کا چچا اور سُسرا تھا۔ چوتھا خلیفہ ہادی اُس کا دیور تھا۔ پانچواں خلیفہ ہارون رشید اُس کا نازبردار شوہر تھا۔ چھٹا خلیفہ امین اُس کا لاڈلا فرزند تھا۔ اور ساتویں اور آٹھویں خلفائے عباسی مامون و معتصم اُسکے سوتیلے بیٹے تھے۔

شادی کے چار سال بعد تقریباً ڈیڑھ سال کا زمانہ اُسے پریشانی اور افکار و ترددات میں البتہ گذرا ہوگا جبکہ اُس کا دیور ہادی تخت خلافت پر قابض اور چھوٹے بھائی رشید کے نام سے بیزار تھا۔ اس لیے کہ اُس کی ولیعہدی اُسے بجبر و اکراہ منظور کرنی پڑی تھی۔ مگر ہادی کی جوان مرگی نے ڈیڑھ ہی سال کے اندر وہ سب فکریں دور کردیں۔ اور اُسے ایسا بامراد اور قسمت ور بنا دیا کہ شاید اُسوقت دنیا بھر میں ایسا نصیبہ ور کوئی اور نہ ہوگا۔

مگر اسکے بعد جب رشید چوبیس سال زبردست حکومت کرکے زبیدہ کو ہر قسم کا عیش کرا کے ۱۹۳ھ میں رہگرائے آخرت ہوا۔ اور اُس کی بیوگی کا زمانہ شروع ہوا تو شاید وہ مصائب زمانہ سے دوچار ہو کے ملول و حزین ہو جاتی۔ مگر اب اُس کا بیٹا امین الرشید خلیفۂ وقت تھا۔ اور زبیدہ کی عزت بجائے گھٹنے کے اور بڑھ گئی تھی۔ خوش قسمتی سے وہ یورپ کے کسی فرمان روا کی ماں نہ تھی جو قوت و اثر سے محروم ہو کے دل شکستہ ہو جاتی ہے۔ بلکہ ایک مسلمان تاجدار کی ماں تھی جسکی عزت و حکومت لازمی طور پر پہلے سے زیادہ بڑھ جایا کرتی ہے۔ اور صاحب تاج و تخت فرزند چاہے کیسا ہی باشوکت ہو ماں کے آگے ہاتھ ہی جوڑتا رہتا ہے۔

لیکن اُسکے چار پانچ سال بعد جب امین اپنی بے عقلی و بے اعتنائی کے باعث مامون سے جھگڑ کے ۱۹۸ھ میں مارا گیا تب البتہ زبیدہ کو سرد مہری زمانہ سے سابقہ پڑا۔ خصوصاً اس لیے کہ مامون خراسان میں تھا۔ اور اُس کے سپہ سالار طاہر نے جس کے ہاتھ سے اُسے یہ فتح حاصل ہوئی۔ اور امین مارا گیا حریم خلافت کے ساتھ گستاخیاں کیں۔ اور زبیدہ کی عزت و حرمت کا ذرا بھی پاس و لحاظ نہ کیا۔ مامون اگرچہ سوتیلا بیٹا تھا مگر زبیدہ اُس کی نیک سرشت۔ اُس کے مزاج۔ اور اُس کے خصائل سے بخوبی واقف تھی۔ شکایت زمانہ میں چند اشعار موزون کرکے اُسکو لکھ بھیجے۔ جن کا مضمون یہ تھا:۔

مین یہ تحریر لکھ رہی ہون اور آنکھون سے آنسو جاری ہین - ظاہر کے ہاتھ سے
(خدا) نے نجات کر دی ہے یہ تحریر تحریر ہوئی - مجھے بے پردہ اور بے نقاب چادر
باہر نکالا - میرا کل مال لوٹ لیا - میری ساری دولت برباد کی - اور میرے تمام قصر و
ایوان اجاڑ دیے - میری جو بے ناموسی ہوئی ہے - اور اس کانے کے ہاتھ سے
(ظاہر یک چشم تھا) مجھ پر جو کچھ گذری ہے وہ ہارون کو قبر مین چین سے لیٹنے نہ دیگی -
لیکن یہ سب باتین اگر تمھارے حکم سے ہوئی ہین تو مین صبر کرون گی کہ قسمت مین
یہی تھا - اس کے ساتھ اس نے اپنے بیٹے امین کا ایک مرثیہ کہا - اور وہ دونون
نظمون کو مامون کے پاس خراسان مین بھیجدیا -

یہ نظمین ایسے سوز و گداز کے الفاظ مین لکھی گئی تھین کہ مامون کے دل پر بڑا
اثر ہوا - بے اختیار رو دیا - اور اس کی زبان سے نکلا کہ "مین خود اپنے بھائی
کے خون کا انتقام لون گا" - اسکے بعد وہ زبیدہ کے ساتھ بالکل اپنی ماں کی طرح
پیش آیا - مہربانی اور ہمدردی مین کوئی دقیقہ نہین اٹھا رکھا - قصر خلافت ہی کے
اندر اسے لا کے رکھا - اور اس کا ایوان نہایت ہی عالی و وسیع تھا - اسکی خدمت
کے لیے بہت سی لونڈیان اور غلام مقرر کیے - سالانہ وظیفے کے طور پر اسکے نام ایک
لاکھ نئی اشرفیان اور دس لاکھ جدید الضرب درہم جاری کیے - اسی رقم مین سے
سو اشرفیان اور ہزار درہم ہر سال وہ ابو العتاہیہ کو دیدیا کرتی تھی جو اس زمانے
کا سب سے زیادہ نامور اخلاقی شاعر تھا - اور زبیدہ کی سرکار سے وابستہ تھا -

ایک سال اتفاق سے وہ یہ رقم بھجوانا بھول گئی - اور گرد و پیش والون
مین سے بھی کسی نے یاد نہ دلایا - ابو العتاہیہ نے ایک پرزے پر دو شعر لکھ کے
اندر بھجوا دیے - جن کا مضمون یہ تھا "ذرا مجھے بتانا کہ امسال دار الضرب مین نئے
سکے بنے ہین یا نہین ؟ اس لیے کہ ہر سال کی طرح اب کی برس مین نے نئی اشرفیان
دیکھی ہین نہ نئے درہم دیکھے ہین ؟" ان اشعار کو پڑھتے ہی زبیدہ نے معمولی رقم
بھجوا دی -

مامون ہمیشہ اس کا خیال رکھتا - اور بہت ادب کرتا - جب مامون نے اپنے
وزیر کی بیٹی بوران کے ساتھ دھوم دھام سے شادی کی ہے تو دولھن کے لینے والون

میں سب سے بڑھ چڑھ کر زبیدہ تھی۔ اتفاقاً ایک بار اس کی کسی خواہش پر مامون سے سرد مہری ظاہر ہوئی۔ زبیدہ نے چند اشعار لکھ کر ایک خادم کے ہاتھ مامون کے پاس بھیج دیے۔ ان میں ایک شعر یہ تھا

اذا جاء ثی المامون لی قال زبیدتی وفی جعفر لم یلقہ و محمد

(جب مامون آ جاتا ہے تو میرے لیے زبیدہ، جعفر (باپ) اور محمد (بیٹا) سب موجود ہیں) مامون یہ اشعار پڑھتے ہی بے اختیار رو دیا۔ اٹھتے ہی قدموں پر گر پڑا اور کہا "میں نے آپ کے معاملے میں بے پروائی نہیں کی۔ بلکہ میرے کاموں میں مصروف ہونے کی وجہ سے آپ کو ایسا محسوس ہوا۔ مگر یہ بھی میری نالائقی ہے لہٰذا آپ میرا قصور معاف فرمائیں۔" زبیدہ نے کہا "تو پھر مجھے کوئی شکایت نہیں۔ ہزار مشغولیتیں ہوں دل صاف اور مہربان ہو تو انشاء اللہ تعالیٰ۔"

زبیدہ کی ذہانت، دانائی، [illegible] کے ساتھ اس کی فیاضی، رحمدلی، اور نیک نفسی بھی ضرب المثل تھی۔ خدا نے اسکے ساتھ حشمت و دولت بھی اس قدر دی تھی کہ ملوک و سلاطین بھی اسکے آگے مفلس تھے۔ چنانچہ حریری اپنے مقامات میں ایک جگہ کہتا ہے "اگر شیرین اپنا حسن اور زبیدہ اپنی دولت تجھے دیدے۔" شیخ سعدی فرماتے ہیں۔ ع۔ نہ مثل زبیدست ہر چیز ہ۔

زبیدہ کی خدمت میں ایک پرکمال لونڈی تھی "مخارق" اس زمانے کا مشہور مغنی مخارق اسکا [illegible] ہو گیا۔ مگر زبیدہ کے ڈر کے مارے چھپتا پھرتا تھا۔ تاہم جب شوق دل بیتاب کرتا تو شوق دید میں ڈیوڑھی پر چلا آتا۔ اتفاقاً کسی نے زبیدہ سے چغلی کھائی۔ سنتے ہی زبیدہ بہت ناراض ہوئی اور حکم دیدیا کہ "خبردار مخارق میری ڈیوڑھی پر نہ آنے پائے۔ اور نہ ادھر سے ہو کے گذرا کرے۔" مخارق نے مجبوراً یہاں کا آنا بھی چھوڑ دیا۔ ایک دن وہ مامون رشید کی محفل میں نغمہ سرائی کر کے دریا کے راستے سے واپس آ رہا تھا۔ جب اس کی چھوٹی کشتی دجلے میں زبیدہ کے قصر کے سامنے سے گذری تو مخارق نے نہایت ہی سوز و گداز کے ساتھ چند اشعار گائے۔ جن میں سب سے پہلے شعر کا یہ مطلب تھا "اگر وہ اپنے گھر کے پاس آنے سے مجھے منع کرتے ہیں تو نہ سہی اس گھر کو میں دور ہی سے دیکھ لیا کروں گا۔" اتفاقاً

زبیدہ اُسوقت کوٹھے پر بیٹھی دریا کی بہار دیکھ رہی تھی - یہ نغمہ اُس کے کان مین پہونچا تو چونک کے کہنے لگی "یہ تو خدا کی قسم مخارق کی آواز ہے - دوڑ کے اس کی کشتی روکو - اور میرے پاس بُلا لاؤ" مخارق آیا تو زبیدہ نے کوٹھے پر اپنے پاس بُلا لیا - بیٹھنے کے لیے کرسی دی - نبیذ پلائی - خلعت سے سرفراز کیا - اپنی خوش گلو لونڈیون کا گانا سُنوایا - اور کہا "لے اب تم بھی کچھ گاؤ" حکم پاتے ہی مخارق نے چند شعر گائے - جن مین اپنے ذوق و شوق اور اپنی بیتابی و بیقراری کو جی بھر کے دکھا دیا - مخارق کی زبان سے یہ اشعار سنتے ہی نہار بھی بربطے کے بیٹھ گئی - جن مین بظاہر تو مخارق کی طرف سے نفرت و اختلاف ظاہر ہوتا تھا - مگر معناً اور پردے پردے مین اُسکی طرف اپنا میلان اور اُس کے عشق کے قبول کرنے کا اقرار و اعتراف تھا - نہار کی یہ حرکت اور دورُخی بات سمجھ کے زبیدہ بہت ہنسی اور کہا "جو لطف مجھے تم دونون کے نغمے مین آج آیا کبھی نہ آیا تھا" اور اُسی وقت نہار کا ہاتھ پکڑ کے مخارق کے حوالے کر دیا"

زبیدہ کی رحمدلی اور نفع رسانی خلق یون تو مشہور ہی ہے مگر ایک دن اُس نے کمال کر دیا - اور سب لوگون کو اعتراف کر لینا پڑا کہ ایسا حلم اور کسی شخص مین نہین ہو سکتا - ایک شاعر صاحب جنھین خدا نے لیاقت چاہے کتنی ہی دیدی ہو مگر عقل نہ دی تھی اُسکی شان مین قصیدہ لکھ کے لائے اور سُنانا شروع کیا - جسکے ایک شعر کا مضمون یہ تھا "زبیدہ - تیری خدمت مین آنے والا بڑا ہی خوش نصیب ہے - کیونکہ اور لوگ ہاتھون سے فیاضی کرتے ہین تو تو پانوٗن سے کرتی ہے" یہ شعر سنتے ہی کُل حاضرین حرم کی رنگت اُڑ گئی - نقیب اور چوبدار دوڑے کہ اُسے مارین اور ایسے بدتمیز گستاخ کو اس محترم دربار سے نکال باہر کرین - مگر خود زبیدہ نے آواز دے کے سب کو روکا اور کہا "اسے مارتے کیون ہو؟ اس نے جو کچھ کہا ہے نیک نیتی سے کہا ہے - مگر بے عقلی سے ادب و تمیزداری کے اصول سمجھنے مین غلطی کر گیا - کسی شاعر کو کسی کی مدح مین اس نے یہ کہتے سُنا ہے کہ اور جود اپنے ہاتھ سے کرتے ہین وہ تیرے بائین ہاتھ کا کام ہے - اُسی مضمون سے اخذ کر کے اس نے یہ [illegible] بہت طرازی کی - خیر اب جو ہوا سو ہوا - جانے دو - اور امید لگا کے آیا ہے

محروم نہ پھیرو۔ مگر سمجھا دو کہ پھر ایسی حماقت و بدتمیزی کی بات زبان سے نہ نکالے۔ یہ کہہ کے اُسے انعام و اکرام سے سرفراز کر کے رخصت کیا

زبیدہ خاتون مین دینی جوش ابتدا ہی سے بڑھا ہوا تھا مگر بیوگی مین اور زیادہ بڑھ گیا۔ چنانچہ مورخین کا بیان ہے کہ اُسکے محل مین سو لونڈیان حافظۂ قرآن تھین۔ جو روز خوش گلوئی اور اعلےٰ تزین قرأت کے ساتھ تلاوت قرآن کیا کرتین۔ اُن مین سے ہر ایک کے ذمے فرض تھا کہ روز دس پارے پڑھے۔ اور تین دن مین قرآن مجید ختم کر دے۔ ان عورتون کی تلاوت سے اُس کے محل کی طرف سے ہو کے جب گذرے شہد کی مکھیون کی سی ایک گونج سُنی جاتی۔ اور انسان کے دل پر دینی عقیدت و پاکیزگی کا بڑا اثر پڑتا۔

لیکن جوش مذہبی اس حد سے بھی گذرا تو اُس نے بعہد مامون رشید ۲۰۸ھ مین حج کا ارادہ کیا۔ مامون اس سے اس قدر مانوس ہو گیا تھا کہ امید نہ تھی اُسے خوشی سے ایسے دور و دراز سفر کی اجازت دیدے گا۔ اس لیے زبیدہ نے اُس کی محبوبہ دُلھن بوران کی زبان سے کہلا کے اجازت حاصل کی۔ اور متبرک سفر کی تیاریان کر دین۔ چونکہ نہایت ہی دولتمند تھی اور رشید اور مامون دونون نے اُس کے گھر کو دولت و حشمت سے مالامال کر دیا تھا۔ اس لیے وہ حج کو چلی تو پہلے ہی سے تہیہ کر لیا کہ دینی خدمات اور نفع رسانی خلق اللہ مین جی کھول کے حوصلہ نکالے گی۔

بڑے کروفر سے روانہ ہوئی۔ اور بجاے اسکے کہ عراق سے سیدھی مکۂ معظمہ کی جانب رخ کرے شام و ارض مقدس کی طرف سے پھیر کھاتی ہوئی گئی۔ اور سفر مین قدم رکھتے ہی فیاضیان شروع کر دین۔ کہتے ہین کہ صرف اس سفر مین اُس نے تعمیر مساجد اور دیگر خیراتی کامون مین سترہ لاکھ اشرفیان صرف کین۔

بیت المقدس کی زیارت کے وقت جب وہ کوہ لبنان کے دامن مین گذری تو دیکھا کہ پانی کی قلت ہے اور لوگ تکلیف اُٹھاتے ہین۔ ہمراہی انجنیرون کو حکم دیا کہ اس خطے مین کسی نہر کے لانے کی کوشش کرین۔ اُنھون نے جستجو و پیمایش کے بعد عرض کیا کہ کوہ لبنان کے چشمۂ عوعا سے یہان نہر آسکتی ہے۔ زبیدہ نے

فوراً اُس کام کو چھیڑ دیا۔ اور بڑی دلجمعی کے ساتھ یہ نہر جاری کر دی گئی۔ اس نہر کو پہاڑ سے [illegible] اُس وادی میں اُس کی فیاضی و بلند حوصلگی [illegible] خیموں اور جنگلوں کی صفائی سے درجہ بدرجہ بند اور پل تعمیر کیے گئے ہیں۔ جن کی مدد سے پانی بلندی پر چڑھ کے دوسری طرف نکل جاتا ہے۔ اور یہیں سے شہر کی ایک شاخ بیروت کو نکل گئی ہے۔ یہ پل آج تک "قناطر زبیدہ" کے نام سے مشہور ہیں۔ اگرچہ اب اس زمانہ میں یہ خیال پیدا کیا گیا ہے کہ ان کی بانی شہر تدمر کی ملکہ زنوبیہ [illegible] ہے۔ اور ایک جداگانہ رسالے میں قلمبند کیے ہیں۔ شاید ایسا ہی ہو۔ مگر زبیدہ کی فیاضیوں کی یہ بھی ایک بے نظیر نشانی ہے۔ جو کہ اور بھی فیاضیاں اُسی کی جانب منسوب کر دی جاتی ہیں۔

عراق۔ شام۔ اور عرب میں اُس کے اس قسم کے بہت سے خیراتی کام ہیں جو دنیا کو آج تک نفع پہنچاتے ہیں۔ اور فیاض ملکہ عباسیہ کے لیے ذریعۂ ثواب آخرت ہیں۔ اُسکی وہ تمام یادگاریں "زبیدیہ" کہلاتی ہیں۔ منجملہ اُنکے مکہ معظمہ اور عقیق کے درمیان ایک تالاب ہے جہاں اُس کا ایک قصر اور مسجد بھی موجود ہے۔ جن چیزوں کو اُس نے اپنے روپیے سے حاجیوں کی نفع رسانی کے لیے بنوایا تھا۔

مگر اُس کی سب سے بڑی حیرت انگیز یادگار جس نے اُسے قیامت تک کے لیے ایک رحمتِ الٰہی ثابت کر دیا مکہ معظمہ کی نہر زبیدہ ہے۔ عوام میں مشہور ہے کہ یہ نہر دریائے دجلہ سے کاٹ کے لائی گئی ہے۔ مگر یہ غلط ہے۔ اور نہ ایسا کام قوت انسانی کے اقتدار میں ہے۔ دراصل زبیدہ نے مکہ معظمہ سے دس پندرہ میل کی مسافت پر کسی پہاڑ میں ایک چشمہ ڈھونڈھ نکالا۔ وہیں سے پہاڑوں کو کاٹ کے اور بڑی بڑی چٹانوں کو توڑ کے اس نہر کو وہ مکے میں لائی ہے۔ اور اس شان سے لائی کہ پانی مکہ معظمہ میں جوش مارنے لگا۔ رگزار عرب میں چند گز تک پانی کا لانا بھی قوتِ بشری سے باہر معلوم ہوتا ہے۔ اس لیے کہ کیسا ہی چشمہ ہو پیاسی بالو چند ہی قدم پر اُسے پی جاتی ہے اور انسان کے لیے ایک قطرہ بھی نہیں چھوڑتی۔ پھر جس سرزمین میں لُو کے جھونکوں کے ساتھ بالو کے پہاڑ ایک جگہ سے اُڑ کے دوسری

جگہ قائم ہوتے رہتے ہیں وہاں کسی نہر کا ایک دن جاری رہنا بھی غیر ممکن ہے۔ چند ہفتے بھی نہ گذرنے پائیں کہ بالو اُسے پاٹ کے برابر کردے۔ ان دونوں قدرتی دشمنوں کی دست برد سے بچا کے ایک نہر کا دس پندرہ میل تک بہا لانا امکان سے باہر نظر آتا ہے۔ مگر زبیدہ کی فیاضی نے اُسے ممکن کر ہی کے چھوڑا۔ اُس نے نہر کے ظرف کو جس میں سے ہو کے وہ گذرتی ہے خدا جانے کس طرح اور کس قدر پختہ بنا دیا ہے کہ پانی زمین میں جذب نہیں ہونے پاتا۔ اور ریگ روان کی سیل سے بچانے کے لیے نہر کو اول سے آخر تک اوپر سے پاٹ دیا ہے۔ جس کی وجہ سے اوپر چاہے کچھ ہو نہر کی روانی میں فرق نہیں آنے پاتا۔ صرف مکۂ معظمہ اور بعض آباد مقاموں میں جا بجا کنوؤں کی طرح اُوپر سے کھول دی گئی ہے جہاں سے لوگ پانی نکالا کرتے ہیں۔

یہ وہ مقام ہے جہاں حضرت اسماعیلؑ کے سیر کرنے کے لیے خداوند جل وعلا نے معجزنما طریقے سے زمزم کا سوتا جاری کیا تھا۔ جس سے پہلے یہاں زندگی غیر ممکن تھی اور کسی ذی روح مخلوق کا کوسوں پتہ نہ تھا۔ اُسی زمین میں حسنِ تدبیر سے ایسی ایک نہر کا جاری کر دینا فرہاد کے جوئے شیر لانے سے زیادہ دشوار کام تھا۔ مگر نیک نیت ملکہ زبیدہ کے ہاتھ سے خدا نے اُسے انجام دلا دیا۔ علامہ ابن جوزی فرماتے ہیں "اُس نے اہل مکہ کو اُس وقت پانی سے سیراب کر دیا جبکہ ایک کوزہ آب کی قیمت ایک دینار (اشرفی) کو پہونچ گئی تھی"۔

اسی سلسلے میں زبیدہ نے مکہ میں مقام عقبہ کے بنجر خطے کو ایک نزہت بخش باغ بنا دیا۔ اُسکے داروغہ نے ادب سے عرض کیا "حضور اس کام میں بڑا صرف پڑے گا"۔ اُس نے جوش و استقلال کے ساتھ جواب دیا "جتنا صرف پڑے گا میں برداشت کروں گی۔ چاہے پھاوڑے اور کدال کی ہر ہر ضرب کی مزدوری ایک ایک اشرفی پڑے میں دوں گی مگر اس کام کو پورا کر کے رہوں گی"۔ چنانچہ وہ اپنے ارادے میں کامیاب ہوئی۔ اور اُس خطے کو ایک گلزار پُر بہار بنا دیا۔ مکۂ معظمہ میں اُس نے غربا اور حجاج کے قیام کے لیے دو مکان بھی تعمیر کرائے تھے۔ ایک جانب شامی میں یعنی کعبۂ شریف کے شمالی جانب تھا اور دوسرا جانب یمانی میں

یعنی جنوب کی طرف ۔

ایسے شاندار اور ہمیشہ یاد رہنے والے حج کے بعد زبیدہ بغداد مین واپس گئی تو خاموشی کے ساتھ عبادت و تقوی مین مصروف ہو گئی ۔ اور واقعات سے معلوم ہوتا ہے کہ جس طرح اپنے شوہر کے زمانے مین وہ انتظامات ملکی اور پالٹکس مین دخل نہ دیتی تھی اپنے فرزندون کے زمانے مین بھی کبھی اُس نے اس کا خیال نہ کیا کہ ملک مین کیا ہو رہا ہے ۔ مگر فیاضی اور خدمات مخلوق کا سلسلہ اب بھی اُسی طرح جاری تھا ۔ بغداد مین بہت سے قصر و ایوان اُس کی جانب منسوب تھے ۔ اور اب بھی اُسکے نام کے مختلف محلّے ہین ۔ اور جا بجا اُس کی یادگارین باقی ہین ۔

حج کے آٹھ سال بعد ۲۱۶ھ مین زبیدہ نے تقریباً ستر برس کی عمر مین سفر آخرت کیا ۔ مگر اپنے نام اور اپنے کارنامون کو ابد الآباد تک باقی رہنے کے لیے زندہ چھوڑ گئی ۔

ماریہ رولان فلپّون

یہ ایک قابل و ممتاز فرانسیسی خاتون تھی جس نے محض اپنے حسن و جمال اور فضل و کمال کی وجہ سے عروج حاصل کیا ۔ ناموری کے اعلیٰ ترین شہ نشین پر پہونچی ۔ اور ناعاقبت اندیش قوم کی غیر معتدل آزادیون پر قربان ہوئی ۔

وہ فلپّون نام پیرس کے ایک مہر کن کی بیٹی تھی جو اپنے فن مین تو صاحب کمال تھا مگر غربت و افلاس کے ہاتھون ہمیشہ پریشان رہا ۔ اُسی کے یہان ۱۷ ۔ مارچ ۱۷۵۴ء کو ماریہ پیدا ہوئی ۔ مان باپ کے مزاج مین بڑا فرق تھا ۔ مان نیک نفس ۔ نرم دل ۔ ستودہ اخلاق ۔ اور صابر و قانع تھی ۔ برخلاف اسکے باپ حریص و طمّاع ۔ بدنفس و بداخلاق ۔ حاسد و کینہ ور ۔ اور شریف و نیک نفس لوگون کا دشمن تھا ۔ اُسے یہی مالیخولیا تھا کہ میری ساری نکبت و فلاکت شرفا و امرائے وطن کی وجہ سے ہے ۔ اور بدنصیبی سے ملک فرانس کی عوام الناس کو اُن دنون علی العموم یہی خبط ہو رہا تھا ۔ ان خیالات کی وجہ سے فلپّون کو جب دیکھیے معززین و شرفائے شہر کو گالیان دیتا ۔ اور کہتا "یہی لوگ ہم سب کو لوٹے کھاتے ہین" ۔

ماریہ اگرچہ ان کے تمام صفات کی وارث تھی مگر ممکن نہ تھا کہ اُس کے دل کے پاک و صاف آئینے میں باپ کے خیالات کی جھلک نہ نظر آئے۔ کیونکہ باپ کے زیر تعلیم رہی تھی۔ وہ نہایت ہی ذکی و ذہین تھی۔ چار سال کی عمر کو پہونچنے سے پہلے ہی لکھنا پڑھنا سیکھ لیا۔ اور مطالعہ کتب کا اُسے اس درجہ شوق ہو گیا کہ اُس کے شوق و حوصلے کے مطابق کتابیں خریدنا یا اُنھیں فراہم کرنا باپ کے امکان سے باہر تھا۔ اپنی یہ بے لگی دیکھ کے نیلیون نے بیٹی کو تعلیم کے لیے ایک زنانی خانقاہ میں بھیجدیا جہاں نجیب لڑکیوں کو تعلیم دیا کرتی تھیں۔ اس خانقاہ میں ماریہ نے ایسا ذوق علم اور تعلیم کا شوق ظاہر کیا کہ اُستانیاں اُس پر ناز کرنے لگیں۔ اور ساتھ والی لڑکیاں اُس کی مطیع فرمان لونڈیاں بن گئیں۔

خانقاہ کے اس زنانے مدرسے میں ماریہ نے مصوری اور موسیقی میں نمایاں ترقی کی۔ تاریخ و سیر۔ سفرنامون۔ نامور شعرا کے دیوانون۔ ادب و اخلاق۔ مطائبات و لطائف اور پالٹکس کی کتابون میں پوری بصیرت حاصل کی۔ ان سب علمون میں پورا توغل کرنے کے بعد اُس کے دل میں قدیم یونانیون اور رومیون کے حالات معلوم کرنے کا غیر معمولی ذوق پیدا ہو گیا۔ اور کوشش کرنے لگی کہ اپنے اخلاق و عادات اُنھیں لوگون کے سے بنائے۔ اس کوشش میں اُسے یہاں تک انہماک ہوا کہ ایک دن باپ نے دیکھا کہ اکیلی بیٹھی رو رہی ہے اور کچھ کڑھی ہوئی سی ہے۔ بڑھ کے تسلی دی اور رونے کا سبب پوچھا تو بولی "میں اس بات پر روتی ہوں کہ میں کسی رومی کے گھر میں کیوں نہ پیدا ہوئی؟"

اکثر اوقات جب تنہا بیٹھتی تو یونانیون کی گذشتہ سطوت اور رومیون کی اگلی عظمت کی خیالی تصویریں خیال کی آنکھون کے سامنے قائم کرتی۔ پھر اُنکے مقابل جب وہ اپنے شہرون اور لوگون کی حالت پر غور کرتی تو دل بھر آتا۔ رونے اور سر دھننے لگتی۔ اور دل میں کہتی "یہ لوگ کس قدر عیش پرست ہو گئے ہیں؟ کیسی غلطیون اور بیہودگیون میں مبتلا ہیں؟" اور یہ خیال آتے ہی وطن کے دولتمندون اور قوم کے سربرآوردہ لوگون کی طرف سے اُس کے دل میں سخت نفرت پیدا ہو جاتی۔ ارکان سلطنت کو ذلت کی نظر سے دیکھتی اور ایک ٹھنڈی آہ کے ساتھ کہتی خداوندا!

سچائی کو فتح ہو۔ عدالت و انصاف کا قانون ملک پر حکومت کرے۔ اور قوم اس تباہی سے چھوٹے"

دراصل یہ اُس کے باپ کے خیالات تھے۔ جنھوں نے اعلیٰ تعلیم پا جانے کے بعد یہ صورت پیدا کرلی تھی۔ باپ نے بچپن ہی میں اُسے وطن کے امیروں کے بُرے خصائل و عادات اور اخلاق و اطوار سُنا سُنا کے سب کی طرف سے بدظن کر دیا تھا۔ جب وہ ننھی بچی تھی تو باپ اکثر اُسے اُنگلی پکڑ کے باہر لے جاتا۔ پیرس کی سڑکوں پر پھرتا۔ دولتمندوں کا کروفر۔ امیرزادوں کا سیر و تفریح کے لیے نکلنا۔ اور گلگشت میں محو ہونا۔ اُن کی سواریوں کا ٹھاٹھ اور اُنکے جلو میں خدم و حشم کا ہونا۔ باہم لغو و بیہودہ مذاق کرنا۔ اُنکے گھوڑوں کا غریبوں کو ٹھوکر دے کے نکل جانا اور اُن کا غریب اپنے وطن کو حقارت و ذلت کی نگاہوں سے دیکھنا۔ پھر اسکے بعد اُنکی زرنگار گاڑیاں۔ اُنکے شاندار گھوڑے۔ اُنکا اعلیٰ درجے کا بیش بہا ساز و یراق۔ اور اُنکے سر بفلک قصر و ایوان دکھاتا اور کہتا "بیٹی دیکھو اور بتاؤ کہ عدل و انصاف کہاں ہے؟ اور کہاں ہیں وہ خدا کے نیک بندے جو انسانیت کی مدد و دستگیری کو اُٹھیں؟ اور ان وحشی و جاہل سنگدلوں کے دست ستم سے اُسے بچائیں؟ دیکھتی ہو کہ حریر و دیبا کے گدّوں پر بیٹھنے اور کمخواب کے تکیے لگاتے ہیں۔ عیش و عشرت میں زندگی تلف کرتے ہیں؟ اور جن کی محنت سے ملک آباد ہے وہ فاقے کر رہے ہیں؟" یہ باتیں بھلا بے اثر کیے ہوئے رہ سکتی تھیں؟ اُس کے دل میں جم گئیں۔ اور وہ اُس گھڑی کا انتظار کرنے لگی جب خدا ان کو اس خوابِ غفلت کی سزا دے گا۔

۱۴ برس کے سن میں وہ اپنی تعلیم پوری کر کے مدرسے سے نکلی۔ نکلتے ہی ماں نے گھر کے کاموں میں لگا لیا۔ اور کوئی لڑکی ہوتی تو علم حاصل کرنے کے بعد چولھے چکّی کو اپنی شان سے ادنیٰ خیال کرتی۔ مگر ماریہ کو خدا نے علم و فضل کے ساتھ سچا مذاق دیا تھا۔ دل میں خیال کیا کہ عورت کے سب سے اہم فرائض یہی ہیں۔ بڑے ذوق و شوق سے ان کا ہاتھ بٹا لیا۔ دوڑ دوڑ کے کام کاج کرنے لگی۔ گھر کا سودا سلف خود ہی جا کے لے آتی۔ اور چونکہ بڑے سلیقے اور دانشمندی سے بات چیت

کرتی اس لیے بازار کے تمام دُکاندار اُس سے گرویدہ ہو گئے۔ سب اُس کی عزت کرتے اور اُسے سب سے اچھا سودا مل جاتا۔

اب اُسکی شادی کا سن ہوا۔ اور ہر طرف سے پیام آنے لگے۔ ان پیامون کی جب کثرت ہوئی اور اُس نے دیکھا کہ ماں باپ چاہتے ہین کہ اُن مین سے کسی کو منظور کر لین تو اُس نے اُنھین جلد بازی سے روکا۔ اور کہا "فطرت اور قانون دونون اسپر متفق ہین کہ مرد کو عورت پر فضیلت و فوقیت ہے۔ اگر مین نے جلدی مین کسی ایسے کو پسند کر لیا جو مجھ پر حکومت کرنے اور اُس درجہ عالی کے نباہنے کے قابل نہ ہو تو مجھے انجام مین نادم ہونا پڑے گا۔ اور میری زندگی خراب ہو جائے گی" یہ سُن کے ان باپ کو خاموش ہو جانا پڑا۔

ایک دن اتفاق سے ایک بڑے دولتمند امیر کبیر اُس کے باپ کے کاغذ لینے مین آیا۔ اُس نے قلیتے کی [illegible] جو سلسلے مین ماریہ کے ہاتھ کی چند تحریرین دیکھین تو حیران و ششدر رہ گیا۔ اُس کا پاکیزہ خط۔ اُس کی خوبصورت عبارت جس چیز کو خیال کرتا بے عدیل و نظیر پاتا۔ ماریہ کی لیاقت کی اُس نے بیحد تعریف کی۔ اور اُس سے خود ہی سبقت کر کے خواہش کی کہ "تم مجھ سے خط و کتابت کیا کرو۔ تاکہ تمھارے طرز تحریر سے مین فائدہ اُٹھاؤن" اسکے بعد گھر جاتے ہی اُس نے ماریہ کو ایک خط لکھا۔ جس مین توجہ دلائی کہ تم تصنیف و تالیف کا شوق کرو۔ مجھے یقین ہے کہ پبلک تمھارے لٹریچر کی بڑی قدر کریگی۔ ماریہ نے اس خط کا جواب نظم مین دیا۔ اور ایسے پاکیزہ اشعار موزون کر کے اُسے لکھ بھیجے کہ اُسے اور زیادہ حیرت ہوئی۔ اس منظوم خط مین ماریہ نے یہ لکھا تھا کہ "علم و فضل مین عورت مردون کا مقابلہ نہین کر سکتی۔ اور عورت کو وہ اعلیٰ علمی درجہ نہین نصیب ہو سکتا جو مردون کو حاصل ہے"۔ پھر اسکے مدلل وجوہ و اسباب بتائے تھے۔

اب اسوقت سے ماریہ قلیتون اور اُن رئیس مین سلسلۂ مراسلت جاری ہو گیا۔ اور وہ اُنکے وہان جانے آنے بھی لگی۔ ان دولتمند امیر کا ایک جاہل بیٹا تھا جو نہایت ہی غصہ ور اور مزاج کا جھلا تھا۔ اُنھون نے چاہا کہ ماریہ کو اپنے اُس نالائق فرزند کے ساتھ بیاہ لائین۔ کیونکہ اُنھین یقین تھا کہ ماریہ کی صحبت سے اُس لڑکے کی اصلاح

ہو جائے گی۔ اور قابل بی بی جب راہ پر لگائے گی تو وہ سُدھر جائے گا۔ مگر اُس کی اصلاح کی اُمید موہوم پر ماریہ اپنی زندگی کیوں خراب کرتی؟ قطعاً انکار کر دیا۔

اُس امیر سے نامہ و پیام ہونے اور اُس کے گھر پر آنے جانے کے باعث ماریہ سے شہر کے اور کئی اُمرا سے شناسائی ہو گئی۔ اور اُنکے حالات کے معلوم کرنے کا بھی اچھا موقع مل گیا۔ جس کی زیادہ تر وجہ یہ تھی کہ بچپن سے یونانیوں اور رومیوں کے اخلاق و عادات کا مطالعہ کرتے کرتے اُسے عادت ہو گئی تھی کہ جس کسی سے سابقہ پڑتا دل ہی دل میں اُس کے عادات و اطوار اُسکے خصائل و کردار اور اُس کے مذاقِ طبیعت کا اندازہ کر لیتی۔ لیکن خوبی اور تعریف کی یہ بات تھی کہ کبھی یہ نہ ہوا کہ دولتمند اُمرا میں سے کسی کی کوئی خصلت اُس نے اختیار کی ہو۔ بلکہ امرا کے خصائل پر غور کرنے کا یہ نتیجہ تھا کہ روز بروز اُن سے اور متنفر ہوتی جاتی۔ اس لیے کہ امرا کو یا تو گانے بجانے اور عیش و نشاط سے واسطہ تھا۔ یا خود نمائی۔ فضول تجبر۔ اور کبر و نخوت سے اور اِن باتوں کو ماریہ حقیر و ذلیل جانتی تھی۔

اب اُس کی عمر پچیس برس کی تھی اور بدستور لوگوں کی جانچ پڑتال کرتی رہتی تھی کہ مسیو رولان نام ایک سن رسیدہ شخص سے ملاقات ہو گئی جو عمر میں اُس سے بائیس سال بڑا تھا۔ اور علاقۂ لیون کے تمام کارخانوں کا انسپکٹر تھا۔ مسیو رولان نے چند ہی روز کی شناسائی کے بعد اُسے شادی کا پیام دیا۔ اور اُس نے اپنے مذاق میں اُس کے عادات و خصائل کو اس قدر پسند کیا تھا کہ اُس کا پیام فوراً منظور کر لیا۔ یہ شخص معزز و ممتاز تھا۔ صاحب علم و فضل تھا۔ ادب و قابلیت میں مشہور تھا۔ اور اُسکے کئی تصانیف ملک میں شائع ہو چکے تھے۔ ان تمام صفات کے ساتھ وہ مزاج کا بھی بہت اچھا تھا۔ غرض ۲۔ فروری ۱۷۸۰ء کو دونوں کی باہم شادی ہو گئی۔ اور ماریہ فلپون میڈم رولان بن گئی۔

شادی کے بعد چند روز تک تو دونوں پیرس میں رہے۔ پھر شہر امیان میں چلے گئے۔ اور اُسکے بعد شہر لیون میں جا کے مقیم ہوئے۔ جہاں مسیو رولان تو کارخانوں کے معائنے میں مصروف رہتے۔ مگر بی بی نے اپنی یہاں کی زندگی سے ایک کامل ترین خاتون کی زندگی کا نمونہ دکھا دیا۔ گھر کو خوب سجا اور آراستہ کیا۔ پھر اُسکی انتظامی حالت

سُدھاری - اور اپنی زندگی کے بہترین دن ہمین بسر کیے - یہان ایک لڑکی پیدا ہوئی - اور ماریہ رولان اُس کی تعلیم و تربیت مین ہمہ تن مصروف ہوگئی -

مسیو رولان کا یہ معمول تھا کہ ایک چھوٹے گانؤن مین جاکے گرمیون کا موسم بسر کیا کرتے - ماریہ رولان وہان اُنکے ساتھ جاکے مہینون رہتی - اور معمول تھا کہ ہر روز تھوڑا وقت گانؤن کے مریضون اور محتاجون کی خبرگیری مین صرف کرتی - اور چونکہ کوئی طبیب موجود نہ تھا خود ہی اُن کا علاج کرتی - اور اپنے پاس سے دوائین دیتی اور تسلی دیتی رہتی - وہ لوگ اُس کے حد سے زیادہ گرویدہ ہوگئے اور سارے گانؤن مین اُس کی خوبیون کی دھوم ہوگئی -

مگر اُس کا زیادہ وقت شوہر کے علمی کامون کی مدد مین صرف ہوتا - اور مشہور ہوگیا تھا کہ مسیو رولان مین جتنی خوبیان نظر آرہی ہین یہ سب دراصل اُنکی بیوی کی خوبیان ہین - چنانچہ خاص اُنکے ایک ملنے والے کا بیان ہے "مسیو رولان کی نسبت خیال کیا جاتا ہے کہ وہ قوانین دولتِ روم سے خوب واقف ہین - لیکن سچ پوچھیے تو اُن کا یہ علم دراصل اُن کی بی بی کا علم ہے - اپنے تمام کمالات مین وہ اپنی انیس زندگی منکوحہ کے زیرِ بارِ احسان ہین - اُن کی بی بی اُنکی تمام معاملات مین ممد و معاون رہتی ہین - اُن کا کل کام وہی کرتی ہین - جن کتابون کو وہ تصنیف کرتے ہین وہی اُنھین درست کرتی ہین - اور اپنے زورِ قلم اور اپنی ادبی قابلیت سے شوہر کی تحریرون کو نہایت ہی مدلل اور موجہ بنا دیتی ہین - اور اصل حقیقت یہ ہے کہ بی بی ہی کے طفیل مین وہ اعلیٰ درجے کے انشا پرداز اور ادیب مشہور ہوگئے ہین"

اسی اثنا مین یک بیک فرانس مین انقلابات و بغاوت کا ہنگامہ بپا ہوگیا جو تاریخ عالم مین ایک عجیب واقعہ ہے - رعایا سلطنت کے خلاف اُٹھ کھڑی ہوئی اور شاہی خاندان اور اُس کے طرفدارون کو دنیا تنگ نظر آنے لگی - ماریہ رولان کو جب اس جوش و برہمی کا حال معلوم ہوا تو فوراً اُس کی اعانت کے لیے تیار ہوگئی - لوگون کا جوش بڑھانا شروع کیا - اور بغاوت و سرکشی کی آگ اور بھڑکا دی - وہ بچپن سے امارت کے خلاف اور رعایا کی طرفدار تھی - یہ ہنگامہ شروع ہوا تو دل مین سمجھی کہ ملک و قوم کی اصلاح کی اس سے بہتر کوئی تدبیر نہین ہے - لہذا چند ہی

روز کے اندر اپنے شوہر اور دوستوں کو ایسا جوش دلایا کہ وہ بھی نخوت و فساد کے حامی بن گئے۔ اور ماریہ رولان نے اپنے حلقہ کو لیون میں پوری بغاوت کرادی۔ یہاں تک کہ وہاں کے حوادث کا شاہ پر یہ اثر ہوا کہ مسیو رولان اور اُن کی بیوی ہی لیون شاہی مظالم اور بے انصافی کی شکایت سے نجات دلانے لگے۔

اس کی خبر فرانس کے اُمرا اور بادشاہ کے طرفداروں کو ہو گئی۔ انھوں نے خفیہ جاسوس پیچھے لگا دیے جو دونوں میاں بیویوں کے ساتھ لگے رہتے۔ اور اُن کے اوضاع و اطوار اور حرکات و سکنات کی گھڑی گھڑی کی خبریں پہونچاتے رہتے۔ اس کا علم ہو جانے پر بھی ماریہ رولان اپنے ارادے اور غرض عمل سے باز نہ آئی۔ بلکہ لوگوں کو اور زیادہ مخالفت پر آمادہ کر دیا۔ آخر میاں بیویوں کی طرف لوگوں کی گرویدگی اس درجہ بڑھی کہ شاہ فرانس لوئی شانزدہم نے آئندہ بغاوت میں مجلس قوانین قائم کی تو اہل لیون نے مسیو رولان ہی کو اپنا نواب اور آئندہ کے اجلاس کی میاں میں نمائندہ منتخب کر کے اُسے مجلس قوانین میں بھیجا۔ یوں لیون کے نائب مقرر ہو کے دونوں میاں بیوی ۲۰۔ فروری ۱۷۹۱ء کو پیرس میں پہونچے اور ماریہ رولان نے اس زمانے کے حالات پر اپنے قلم سے ایک رسالہ لکھ کے شائع کیا جس نے رعایا پر بے انتہا اثر کیا۔

رعایا کو اس میاں بیوی کے ہاتھ میں دیکھ کے بادشاہ اس قدر خائف ہوا کہ اُنکی استمالت و دلجوئی کرنے لگا۔ یہاں تک کہ مارچ ۱۷۹۲ء میں مسیو رولان کو اپنا وزیر داخلیہ مقرر کر لیا اور اُنھیں رہنے کو اپنا ایک سجا سجایا قصر دے دیا جس میں شاہانہ تکلفات کا سامان اور عالی شان فرنیچر تھا۔ ماریہ رولان بڑے کروفر اور شان و شوکت کے ساتھ خوشی خوشی اُٹھ کے اُس قصر میں گئی اور شاہی ساز و سامان کا لطف اُٹھانے لگی۔ اور رعایا نے بادشاہ کے اس انتخاب پر بڑے جوش و خروش سے اظہار اطمینان و مسرت کیا۔

اسکے چند روز بعد جب بادشاہ نے چاہا کہ آزادی و سرکشی کے سرگروہوں کو سزا دے تو مسیو رولان سے خواہش کی کہ آپ باغیوں اور مخالفین تاج و تخت کے مقابلے میں اعلان جنگ کا مشورہ دیں۔ وہ متردد تھے اور دل کمزوری دکھانے

لکھا تھا کہ ماریہ رولان نے شوہر کی طرف سے ایک ایسی چٹھی بادشاہ کو لکھ بھیجی جو اس تجویز کے خلاف اور ایسی مدلل و موجہ اور زوردار الفاظ میں تھی کہ بادشاہ کو اس کی اور اسکے شوہر کی طرف سے یاس ہوگئی۔ اور کل اہل دربار گھبرا گئے۔ اور جب مسیو رولان نے وہ چٹھی دیکھی تو اپنی بی بی کی اس جرأت اور زور قلم پر انھیں حیرت ہوگئی۔

اس چٹھی کے دباؤ سے بادشاہ کو بظاہر تو مجبور ہو جانا پڑا مگر دربار میں یہ رائے قرار پاگئی کہ مسیو رولان کو سلطنت کے عہدوں سے نکال دینا چاہیے۔ چنانچہ چند ہی روز بعد وہ عہدۂ وزارت سے علیحدہ کر دیے گئے۔ بادشاہ کی یہ بے رخی دیکھ کے ماریہ رولان نے میاں سے کہا "تم اس کا کچھ اندیشہ نہ کرو اور میری وہ تحریر جو دربار میں بھیجی گئی تھی قوم کے سامنے شایع کر دو۔ سب کو معلوم تو ہو جائے کہ کس قصور پر تمھارے ساتھ یہ سلوک کیا گیا ہے۔ مسیو رولان نے جو بالکل بی بی کے اختیار میں تھے اس تحریر کو شایع کر دیا۔ اور اس کا عجیب و غریب اثر ہوا۔ ادیبوں اور انشا پردازوں اور آزاد خیال پالیٹشنوں نے بے انتہا داد دی۔ ملک میں آزادی کا جوش پیدا ہوا۔ اور اس کا ایسا دباؤ پڑا کہ بادشاہ نے گھبرا کے مسیو رولان کو پھر وزارت سے سرفراز کر دیا۔ اور ماریہ رولان نے شوہر پر ثابت کر دیا کہ "اگر میں نے تمھیں معزول کرایا تھا تو میں ہی نے تمھیں پھر مقرر بھی کرا دیا"

اس کے چند روز بعد وہ زمانہ آیا جب سارا شاہی خاندان ہی بادشاہ کے قید خانے میں تھا۔ اور تخت شاہی عوام کے ہاتھ کا کھلونا تھا۔ جن سرکش عوام کا زور تھا اُن کی کئی پارٹیاں تھیں اُنھیں میں سے ایک گروہ نے ماریہ رولان کو یہ تہمت لگائی کہ وہ شاہی خاندان سے ساز رکھتی ہیں۔ مکر و فریب سے کوشش کر رہی ہیں کہ بادشاہ کو قید خانے سے نکال کے پھر تخت پر بٹھا دیں۔ اور لوگوں کو اُبھارنا شروع کیا کہ ماریہ رولان سے اس بیوفائی و مخالفت کا انتقام لیں۔ خصوصاً ایک بدمعاش نے جسے ماریہ رولان نے اپنے پاس سے نکال دیا تھا یہ کہنا شروع کیا کہ "وہ فرانس کے مہاجنوں سے مراسلت کر رہی تھیں کہ اُن سے روپیہ لے کے بادشاہ کے آزاد کرنے میں صرف کریں" فریب قوم نے اکثر اپنے محسنوں کے ساتھ بیوفائی کی ہے۔ یہی قوم تھی جس نے جوان آف آرک کی ایسی فرشتۂ رحمت دوشیزہ سے

دغا بازی کی تھی۔ وہی رنگ اب مادیہ رولان کے معاملے میں پھر نمایاں ہوا۔ رو جو خاتون اُنکے حقوق دلانے میں سب سے زیادہ سائی تھی اُسی کے دشمن ہو گئے۔

اس انقلاب کے وقت ان کے شوہر مسیو رولان زائے کا رنگ بدلا دیکھ کے بھاگ کھڑے ہوئے۔ اور جاتے وقت اُنھوں نے لاکھ چاہا کہ بی بی کو بھی ساتھ لیتے جائیں مگر بہادر آریہ نے نہ مانا اور کہا "میں بہادری اور جوانمردی سے ان فتنوں کا مقابلہ کروں گی۔" شوہر کے چلے جانے کے بعد اُس طوفان بے تمیزی میں جب مسیڈم رولان پر یہ تہمتیں لگائی گئیں تو بغیر اسکے کہ اُن کی اُن کارگزاریوں کا لحاظ کیا جائے جو آزادی کی طرفداری میں اُنھوں نے کی تھیں وہ قید کر لی گئیں اور چند ہفتے اسیر رہنے کے بعد جوابدہی کے لیے اُس عدالت کے سامنے طلب کی گئیں جو عوام کی طرف سے مخالفوں کی سزادہی کے لیے قائم کی گئی تھی۔ جس وقت یہ قابل اور نیک خاتون ملزموں کے کٹہرے میں لا کے کھڑی کی گئی ایسا ہو خلائق تھا کہ معلوم ہوتا کہ ایک خدائی اُمڈی چلی آتی ہے۔ دشمن غصے میں بھرے تھے اور بڑے طیش سے جھنجھلا جھنجھلا کے الزام لگاتے تھے کہ مسیڈم رولان نے جوابدہی میں جادو بیانی شروع کی۔ فوراً ہر طرف سناٹا ہو گیا۔ اور کسی نغمۂ دلکش نے کبھی وہ اثر نہ دکھایا ہوگا جو اسوقت اس شیریں زبان و سحر بیان خاتون کے الفاظ دکھا رہے تھے۔ اپنی اور اپنی ساتھیوں کی براءت میں اُس نے ایسی پُرزور اور فصیح و بلیغ تقریر کی کہ سب کی زبان بند ہو گئی۔ پیروی مقدمہ کرنے والے وکیل سے کچھ کہتے نہ بنی۔ تمام حاضرین کے دلوں پر اُس کی بیگناہی نقش ہو گئی۔ اور حاکم نے جوری سے رائے طلب کی۔ جوری نے بلا تامل بری ہونے کا قطعی فیصلہ کر دیا۔ اور مادیہ رولان کو آزادی دیگئی۔

مگر اس فیصلے نے دشمنوں کے سینوں میں انتقام کی آگ اور بھڑکا دی خصوصاً روبس سر نام ایک شخص تو اس نیک اور فخر قوم خاتون کے خون ہی کا پیاسا تھا۔ چند روز پیشتر لوگ اُس شخص کے قتل کے درپے تھے۔ بھاگا بھاگا پھرتا تھا اور کہیں پناہ نہ ملتی تھی۔ اُس نازک زمانے میں مسیڈم رولان اور اُنکے شوہر نے اسے اپنے گھر میں پناہ دے کے بچا لیا تھا۔ اُس احسان کے بدلے میں وہی کافر نعمت شخص

آج اُن کی جان کا خواہاں ہے۔ ان مخالفتوں نے کچھ ایسی سازش کی اور نئے الزامات تصنیف کرکے اس طرح پیروی کی کہ میڈم رولان بری ہوکے گھر تک نہیں پہونچنے پائی تھیں کہ راستے ہی سے گرفتار کرکے پھر قید خانے میں بند کردی گئیں۔

ایکبار وہ کئی مہینے قید خانے میں رہیں۔ مگر قید کی زندگی اُنھوں نے عجب غیر معمولی اطمینان و صلاحیت سے بسر کی۔ افکار و ترددات اور خطروں اور اندیشوں کی اُنھیں جیسے پروا ہی نہ تھی۔ اپنے اوقات تقسیم کیے۔ دو ایک گھنٹے انگریزی زبان سیکھنے میں صرف کرتیں۔ کچھ گھنٹے مصوری و نقاشی میں گذرتے۔ ایک معتدبہ زمانہ مطالعۂ کتب و تحریر کتابوں کی تصنیف میں بسر ہوتا۔ مگر سب سے زیادہ وقت وہ اپنے ہم الم قیدیوں کی خبرگیری۔ اُن کی تسلی و تشفی اور دلدہی و حوصلہ افزائی میں صرف کرتیں۔ اُنکے پاس جاجا کے اُنھیں ہمت دلاتیں۔ جہاں تک بنتا روپے پیسے سے اُن کی کفالت کرتیں۔ اور یہ معلوم ہوتا کہ وہ قیدی نہیں بلکہ ستم رسیدہ قیدیوں کے حق میں ایک رحمت الٰہی ہیں۔ اس زمانے اور قید میں انھوں نے اپنی بے نظیر و دلکش کتاب "اپیل ٹو پاسٹرٹی" (آنے والی نسل سے اپیل) لکھی۔ جس میں خود اپنے تاریخی حالات اور خیالات اور واقعات قلمبند کیے ہیں۔

لیکن اُنکے اِن نیک کاموں کے مقابل دشمنوں کا سوا اس کے اور کوئی مشغلہ نہ تھا کہ تمام لوگوں کو سازش کرکے انکے خلاف کردیں۔ اور جس طرح بنے اُنکے ساتھ دشمنی کریں۔ آخر اکتوبر ۱۷۹۳ء میں یک بیک وہ پھر عدالت میں بُلائی گئیں۔ اب کی وہ زیادہ سنگین جرائم کے مجرموں کی وضع سے لائی گئیں۔ اور بغیر اسکے کہ اُن کو کچھ بھی کہنے سننے کا موقع دیا جائے عدالت نے سزائے موت تجویز کی۔ اور حکم ہوا کہ "گلوٹین" سے گلا کاٹ کے اُن کی جان لی جائے۔ اس حکم کو ماریہ رولان نے بڑے استقلال۔ تحمل۔ بُردباری۔ اور جوانمردی کے ساتھ سُنا۔ اور خاموش ہوگئیں۔ مگر چہرے پر جیسے اس حکم سے اور زیادہ بشاشت آگئی خصوصاً جب مشکیں باندھ کے قتل گاہ کی طرف روانہ کی گئیں تو پیشانی سچائی کے نور سے چمک رہی تھی۔ رخساروں پر جوشِ دل کی وجہ سے خون کی سرخی نمایاں تھی۔

اور گویا اپنی اس بیکتاری کی موت پر خوش آئین۔

راستے میں اتفاق سے "آزادی" کی اُس فرضی نورستہ [illegible] فرانسیسیوں نے پیرس میں بنا کے سر پر قائم رکھا ہے [illegible] روانان بے اختیار اُس کی طرف توجہ کرکے بولیں "او آزادی! [illegible] نے لوگ کیسے کیسے جرائم کے مرتکب ہو رہے ہیں! اور تیرے نام کی کیسی [illegible] ہوتی ہے!" [illegible] کہتے ہیں کہ جب [illegible] تو انہوں نے قسم [illegible] کہ اپنے [illegible] حیات [illegible] ساتھ ہی [illegible] لیں۔

قتل کے وقت اُن کی عمر ۳۹ سال کی تھی۔ [illegible] شوہر کو ہوئی [illegible] اپنا دل ٹوٹ گیا کہ چند ہی روز بعد [illegible] بعد اُن کی جیب میں لوگوں کو ایک کاغذ ملا جس میں لکھا تھا "[illegible] کے بعد مجھ میں اتنا صبر نہیں کہ اس پر فتن اور گناہ سے بھری دنیا میں زندہ رہوں۔"

عفراء بنت مہاصر

یوں تو "عشق انسان کے آب و گل میں ہے"۔ اور کوئی سرزمین نہیں جہاں حُسن و عشق نے طرح طرح کے کرشمے نہ دکھائے ہوں مگر جتنے نامی گرامی عشاق اور اُنھیں کے مذاق کی پاکباز و نیک سیرت معشوقائیں سرزمین عرب نے پیدا کی ہیں۔ غالباً کوئی اور ملک نہ پیدا کر سکا ہوگا۔ اور عرب میں بھی بنی عذرہ کا زندہ دل قبیلہ جس کے مردوں کا عشق اور عورتوں کا حُسن و جمال صدیوں تک دُنیا سے اسلام کا ادبی مشغلہ رہا ہے۔ اور آج تک ضرب المثل ہے۔ اسی مقدس سرزمین اور اسی صاحبدل قبیلے کی ایک بے مثال معشوقہ "عفراء" تھی جس کے عشق کی حسرت آلود داستان ہم آج اپنے ناظرین کو سُنانا چاہتے ہیں۔ یہ عفراء بنی عذرہ کی ایک پریوش نازنین تھی جو حُسن و جمال۔ ادب و کمال۔ اور نیز فصاحت و بلاغت میں

انتخاب - اور شعر گوئی و نازکخیالی کے ساتھ عصمت و پاکدامنی مین اعجوبۂ روزگار تھی - اس ماہوش نازنین کے باپ تین بھائی تھے - اول تو خود اُس کا والد جن کا نام مہاصر تھا - دوسرا حزام - اور تیسرا سعید - عفراء دو ہی تین سال کی بچی تھی کہ اُسکے چچا حزام نے سفر آخرت کیا - اور چار پانچ برس کے ایک یتیم بچے عروہ کو چھوڑ گیا جسے بھائی کے مرنے پر عفراء کے والد مہاصر نے اپنے آغوش شفقت مین لے لیا - اور اپنے گھر مین رکھ کے پالا پرورش کیا - اُسی زمانے مین اُس کے دوسرے چچا سعید غالباً اپنے سسرالی تعلقات کی وجہ سے شمالی عرب کے مشہور شہر بقا دمین جا کے اقامت گزین ہو گئے - اور اُن کا ایک نوعمر لڑکا اُنکا لا بھی اُنکے ساتھ گیا - غرض بنی عذرہ کے سرزمین مین اکیلا مہاصر رہ گیا جو اپنی بیٹی عفراء کے ساتھ یتیم بچے عروہ کو بھی پال رہا تھا -

یہ زمانہ خود حضرت سرور کائنات علیہ السلام کا تھا جبکہ اکثر قبائل عرب دین اسلام قبول کر چکے تھے - اور صحابۂ کرام کا عہد ہونے ہی کی وجہ سے عفراء کے واقعات اس بات کا آئینہ ہین کہ اُس خیر القرون کا عشق بھی کس قدر سچا - کتنا گہرا - اور کیسا پاکبازی و پاکدامنی کا تھا - اسی آغاز اسلام کے آغوش مین عفراء اور عروہ ایک گھر مین رہتے - ساتھ اُٹھتے بیٹھتے - اور کھیلتے کودتے تھے - بچپن ہی کے اُنس نے دونون کے دلون مین محبت کی شمع روشن کر دی - اور اُسکی لو اندر ہی اندر اس قدر بڑھی کہ بلوغ کے ساتھ ہی وہ بچپن کی سادی اور بے غرض محبت بھی دنیا کا ایک یادگار عشق بن گئی - لیکن چونکہ دونون ساتھ رہتے اور دولت وصال سے شادکام تھے اس لیے ابھی تک دونون سادے دلون مین سے ایک بھی فراق کی سختیون سے آشنا نہ تھا - اور آگاہ نہ تھے کہ عشق مین کیا ہوتا ہے -

جوش محبت نے جب زیادہ بیتاب کیا تو عروہ نے عرب کے سادے مذاق و رواج کے مطابق چچا مہاصر کے پاس جا کے سعادتمندی کے آداب اور شرم کے لہجے مین کہا " آپ عفراء کی شادی میرے ساتھ کر دیتے تو بڑی عنایت ہوتی " چچا نے خوش ہو کے جواب دیا " ہان بیٹا - عفراء تمھاری ہی دولھن ہو گی - تمھارے سوا اور کس کی ہو سکتی ہے ؟ " اس وعدے نے عروہ کے دل مین خدا جانے کیسی کیسی

آرزوئیں پیدا کردیں - وہ فوراً صبر ضبط کے درجے سے گذر گیا - جاکے عفراء کو خبر کی - وہ بھی سُن کے بہت خوش ہوئی - اس لیے کہ اُسکے دل میں بھی اگر کوئی تمنا تھی تو اسی بات کی - اب نوخیز حبیب و محبوبہ کی صحبتیں پہلے سے زیادہ بامزہ تھیں - اور معمار خیال سامنے کی فضا میں روز ایک نیا عالیشان قصر تعمیر کرتا - اور دوسرے دن بگاڑ کے اُس سے زیادہ شاندار عمارت بنا کے کھڑی کر دیتا تھا -

یہی عالم استغراق تھا - یہی نادانیاں تھیں - یہی شادکامیاں تھیں کہ عرب کا ایک تاجرانہ قافلہ شام کی طرف چلا جس کے ساتھ ہو سرنے کچھ مال تجارت دیکے عروہ کو بھی روانہ کردیا - چچا کا حکم تھا - اور وہ چچا جس کے قبضۂ قدرت میں زندگی کی ساری آرزوئیں تھیں - عروہ فوراً اُٹھ کھڑا ہوا - اور وصل عفراء کے خواب دیکھتا ہوا ارض شام کی طرف چلا -

اتفاقاً مہاصر کے دوسرے بھائی سعید کا بیٹا اُثالہ اس سال ارض بلقاء سے بعزم حج حجاز میں آیا تھا - واپسی کے وقت بنی عذرہ میں آکے چچا کا مہمان ہوا - مہاصر نے اُسے پدرانہ شفقت سے گلے لگایا - عزت کے ساتھ اُتارا - اور جہاں تک بنا اس کی خاطرداری میں کوئی بات اُٹھا نہ رکھی -

اُثالہ ایک دن چچا کے خیموں کے سامنے صحن میں بیٹھا ہوا تھا کہ عفراء کسی کام کے لیے اپنے خیمے سے نکلی اور پلک کے دوسرے خیمے میں ہو رہی - سبز ریشمی ساری[عہ] باندھے تھی - ہاتھ میں گھی کی مٹیا تھی - اور عنفوان شباب کے پھرتیلے پن سے معلوم ہوتا تھا کہ عورت نہیں بلکہ ایک مست خرام ہرنی تھی کہ اپنی چھب دکھا کے سامنے سے نکل گئی -

عفراء کی اُس وقت کی وضع و حالت - نازنینی و ناز آفرینی - اُٹھتی جوانی - آغاز شباب کی رعنائی اور پھرتی اُثالہ کے دل پر کچھ ایسا اثر کر گئی کہ بے اختیار دل ہاتھ سے نکل گیا - اور اُسی دن شام کو اُس کے لیے چچا کو پیغام نکاح دیدیا - مہاصر اگرچہ عروہ سے وعدہ کر چکا تھا مگر پھر بھی بے باپ کا بیٹا غریب عروہ اُس کا دست نگر -

عہ ازار عرب میں مرد و عورت دونوں کا لباس تھی - جناب مولوی صاحب معاف فرمائیں ہیں ان تہمت کے عوض ہمیں ساری کا لفظ زیادہ خوبصورت معلوم ہوتا ہے -

اور مفلوک الحال تھا۔ اور اُثالہ کی حالت بظاہر درست تھی۔ دولتمند معلوم ہوتا تھا اور زیادہ مہر دینے کو تیار تھا۔ اُثالہ کی دولتمندی کے مقابل اُسے عروہ کی محبت بالکل بھول گئی۔ اُس غریب کی دلشکنی کا کچھ خیال نہ کیا اور فوراً اُثالہ کی درخواست قبول کرلی۔

عفراء بے زبان لڑکی۔ اگرچہ دل و جان سے عروہ پر شیدا تھی مگر باپ کے حکم مین کیا چون و چرا کرسکتی تھی؟ راضی برضا ہوکے اپنے آپ کو قسمت کے سپرد کردیا اور جب باپ نے اُثالہ کے ساتھ عقد کیا تو بے عذر ہونکاری بھردی۔ اُثالہ نے فوراً مہر ادا کیا۔ عفراء کو اُسکے گھر اور قبیلے سے رخصت کراکے دنیا اعلیٰ درجے کی سبک خرام سرخ سانڈنی پر محمل مین بٹھالیا۔ اور اپنے گھر لیچلا۔

ادھر سے یہ برات اور محمل عفراء جارہی تھی اور اُدھر سے عروہ کا قافلہ آرہا تھا۔ چچازاد بھائی اور سامان عروسی کو دیکھ کے دل دھک سے ہوگیا۔ بدحواسی سے محمل کی طرف دیکھ رہا تھا کہ کسی دوست نے جو ناقۂ عفراء کے ہاتھ تھا پاس آکے کہا "دیکھتے کیا ہو؟ اُثالہ کے ساتھ عفراء کی شادی ہوگئی۔ اور وہ اُسے رخصت کراکے اپنے گھر لیے جاتا ہے" یہ آواز نہ تھی ایک بم کا گولہ تھا جو محبت بھرے سینے پر آکے گرا اور شیشۂ دل جس مین محبت کا گلاب بھرا ہوا تھا چکنا چور ہوگیا۔ گھبرا کے اونٹ سے کودا۔ محمل عفراء کی طرف دوڑا۔ اور قریب پہونچتے ہی بے اختیار زبان سے نکلا "این! عفراء تم جاتی ہو؟" عفراء نے محمل سے جھانک کے دیکھا۔ دونون حسرتناک آنکھین چار ہوئین! مایوس نگاہین دوڑ کے بیتابی سے ملین ملتے ہی الگ ہوئین۔ اور ایک دوسرے کو عجب یاس و ناامیدی سے دیکھ کے رہ گئین زبانین خاموش تھین مگر نگاہین سرگوشیان کررہی تھین۔ ادھر سے یہ سوال تھا کہ "یہ بے مروتی!" اُدھر سے جواب تھا "کیا کرین بے بس ہین!" اتنے مین محمل آگے بڑھ گئی۔ اور مایوس و دل شکستہ عروہ مین اتنی بھی قوت نہ تھی کہ ناقۂ جانان کا دو قدم ساتھ دے۔

اب عروہ مایوس و نامراد۔ بیتاب و بیقرار گھر مین آیا۔ خاموش تھا اور مغموم۔ بے آس تھا اور ملول۔ غذا ترک ہوگئی۔ نیند اُڑ گئی۔ اور دوسرے ہی

دن شدت سے بخار چڑھ آیا۔ چند روز مین پوست و استخوان رہ گیا۔ ماں تیمارداری کرتی اور قسمین دلا دلا کے کہتی کہ "کچھ کھا لو" مگر یہان مفتی عشق نے غذا حرام کر دی تھی کھاتا تو کیونکر؟ آخر یہ حالت ہوئی کہ جینے کے لالے پڑ گئے۔ اور سب کو یقین ہو گیا کہ چند ہی روز کا مہمان ہے۔ یہ حالت دیکھ کے چچا مہاصر اور اہل قبیلہ سوچنے لگے کہ کہان لے جائین؟ اور کس کا علاج کرین؟

مگر اس بیقراری کے ساتھ عروہ مین ضبط بھی اس بلا کا تھا کہ دنیا مین بہت ہی کم دیکھا گیا ہے۔ آج تک کسی کو اپنے درد دل کی خبر نہ کی تھی۔ کوئی جانتا ہی نہ تھا کہ یہ مرض کیسا ہے؟ اور یہ اُلجھن اور بیقراری کس بات کی ہے۔ اُدھر کسی کا وہم و گمان بھی نہ تھا کہ عفراء کے فراق کا آزار ہے یا یہ عشق کا مرض ہے۔ چچا نے دوا درمان مین بہت کوشش کی۔ مگر "مرض بڑھتا گیا جو جو دوا کی"۔ افاقے کی کوئی صورت نہ نظر آتی تھی اور زندگی سے یاس ہوتی جاتی تھی۔ آخر سب کی رائے قرار پائی کہ یہ مرض نہین۔ یا تو سایہ ہے۔ اور یا کسی نے جادو کر دیا ہے۔ ان چیزون کے علاج مین اُن دنون بنی شیلکے کے ایک غلام ابو کحلاء ریاح بن راشد کی بڑی شہرت تھی جو ارض یمامہ مین رہتا تھا۔ اہل قبیلہ نے کہا "اب سوا اُسکے پاس لے جانے کے کوئی چارہ نہین ہے"۔

اس تجویز کے مطابق لوگ اُسے یمامہ مین لے گئے۔ ابو کحلاء نے دیکھ کر بہت کچھ غور کیا۔ تشخیص مرض مین گول گول سی رائے ظاہر کی۔ اور جھاڑنے پھونکنے کے ساتھ مختلف تدبیرین کرنے لگا۔ مگر کوئی تدبیر کارگر نہ ہوئی۔ تب اُس نے جادو اور بھوت پریت اُتارنے کا سب سے آخری اور زبردست عمل کیا جو اہل عرب مین "سب" کے نام سے مشہور تھا۔ اور جس کا اُن دنون بہت رواج تھا۔ اس تدبیر کا عملدرآمد یون ہوا کہ عروہ کے سر پر ایک تھالی رکھی گئی۔ اُس مین پانی بھرا گیا۔ اور تھوڑا سیسہ آگ مین پگھلا کے اُس مین بجھا دیا گیا۔ پھر اسکے بعد وہ پانی اور وہ سیسے کا چھیکا کہین دُور لیجا کے دفن کر دیا گیا۔ یہ تدبیر ایک نہین کئی بار کی گئی۔ مگر عروہ پر مطلق اثر نہ ہوا۔ جو حالت تھی اُس سے بدتر ہو گئی۔ آخر ابو کحلاء نے عاجز ہو کے کہا "مین نے پہلے بھی یہی خیال کیا تھا اور اب تو تجربے سے قطعی یقین

ہو گیا کہ اس لڑکے کو نہ سایہ ہے۔ نہ اس پر کوئی جن یا بھوت ہے۔ نہ کسی نے جادو کیا ہے اور نہ کسی جسمانی مرض میں مبتلا ہے۔ میرے نزدیک تو یہ کسی پر عاشق ہے۔ عشق کے سوا اور کسی مرض میں یہ بے حسی نہیں ہوتی کہ لاکھ تدبیریں کرو کارگر نہیں ہوتیں۔"

یہاں سے بھی جواب مل گیا تو لوگ مایوس ہو کے گھر لے آئے۔ اب مرض کی شدت پہلے سے بدرجہا زیادہ تھی۔ لگتا جھکتا۔ دیوانوں کی طرح اُٹھ کے بھاگتا۔ مجنونوں کی سی حرکتیں کرتا۔ لیکن ضبط کی تعریف کرنا چاہیے کہ مجال کیا جو کبھی بھولے سے بھی کسی کے سامنے زبان پر عفراء کا نام آگیا ہو۔ آخر ایک دن ایک عجیب طریقہ سے افشائے راز ہو گیا۔ عروہ حاجت ضروری کو قبیلے کے خیموں سے نکل کے ذرا فاصلے پر گیا۔ وہاں قبیلے کے کسی شخص نے اپنے بیٹے سے پوچھا "تم آج کس اونٹنی پر پانی لائے؟" اُس نے کہا "عفراء پر" (جس اونٹنی کا رنگ زردسٹی کا سا ہوتا ہے اُسے عفراء کہتے ہیں) عفراء کا نام سنتے ہی عروہ نے ایک چیخ ماری اور غش کھا کے گر پڑا۔ اس بیہوشی نے بھانڈا پھوڑ دیا۔ دو ایک دوستوں کو جو دیکھ رہے تھے پتہ لگ گیا۔ اور قبیلے بھر میں شہرت ہو گئی کہ عروہ اپنے چچا کی بیٹی عفراء پر عاشق ہے۔ پھر اسکی تصدیق اس سے اور زیادہ ہو گئی کہ جو جو مرض بڑھتا اور جنون کا جوش ہوتا اُسکی طباعی و خیال آفرینی بڑھتی جاتی۔ خوب خوب فراقیہ نظمیں تصنیف کرتا۔ اور انھیں بڑے ہی جوش سے گا گا کے اور جھوم جھوم کے احباب کو سناتا۔ جن میں ایک نامعلوم محبوبہ پر عشق کا اظہار ہوتا۔

آخر جب زندگی سے بہت عاجز ہوا۔ اور اپنی ماں کے ساتھ تمام ہمدردوں اور تیمارداروں کو بہت ہی پریشان دیکھا تو ایک دن کہنے لگا "یہ جتنی تدبیریں آپ کرتے ہیں سب بے سود ہیں۔ ان سے کچھ نہ ہوگا۔ مجھے اگر نفع ہوگا تو تبدیل آب و ہوا سے۔ میری تندرستی چاہتے ہو تو مجھے شہر بلقاء میں لے چلو۔ وہاں کی آب و ہوا انشاء اللہ مجھے موافق آئے گی۔" سب نے کہا "اچھا یہ بھی کر کے دیکھ لو۔" اور دو چار آدمی اُسے لے کے اُدھر روانہ ہوئے۔ بلقاء کی طرف جو جو بڑھتا مرض کو سکون ہوتا جاتا۔ یہاں تک کہ جب بلقاء کی آبادی میں داخل ہوا تو صرف ضعف باقی

تھا اور کوئی شکایت نہ تھی۔ وہاں ایک مکان جو اُثالہ کے مکان سے قریب اور سر راہ تھا اُسے کرایے پر لے کے ٹھہر گیا۔ دن بھر دروازے میں چھپا اوتاک لگائے بیٹھا رہتا۔ اور جب عفراء کام کاج کے لیے گھر سے نکلتی تو اُسکی صورت دیکھ کے دل کو تسلی دے لیتا۔ اُثالہ یا عفراء کو اُسکے یہاں آنے کی مطلق خبر نہ تھی اور وہ روز عفراء کے دیدار سے اپنے درد دل کا علاج کیا کرتا۔ اب طاقت بھی آگئی۔ خوب توانا و تندرست ہو گیا۔ اور اُسکے ساتھ والے تعجب کر رہے تھے کہ کس قدر جلدی اچھا ہوا ہے؟

ایک دن وہ تڑکے گھر سے باہر نکلا۔ راہ میں ایک بدطینت عذری شخص سے جو اپنے قبیلے والے سے ملاقات ہو گئی جو اُس کے حالات اور عشق عفراء سے واقف تھا۔ عروہ سے چند باتیں کر کے وہ سیدھا اُثالہ کے پاس گیا۔ اور کہا "یہ کمبخت بدمعاش عروہ یہاں کب آیا؟ میں تو آج اُسے یہاں دیکھ کے حیران ہو گیا۔ یہ ہمارے قبیلے کو بدنام کرتا ہے۔ آپ کی بی بی کا عاشق بنا ہے۔ اور اُن پر اپنے اشعار میں اظہار عشق کرتا ہے۔" اُثالہ اپنی ذات سے نہایت ہی نیک نفس خلیق۔ اور شریف مزاج نوجوان تھا۔ یہ سُن کے اُس شخص کو تو یہ جواب دیا کہ "میں نے عروہ کے آنے کا حال آج تمھیں سے سُنا ہے۔ جانتا بھی نہیں کہ کہاں ہے اور کب آیا؟ اور یہ جو سخت درشت الفاظ تم نے اُس کی نسبت استعمال کیے ہیں سچ تو یہ ہے کہ اُس سے زیادہ وہ تمھیں پر صادق آتے ہیں۔ کیوں ایک بیگناہ کو بدنام کرتے ہو؟"

وہ عذری شخص تو اس جواب پر نادم ہو کے چلا گیا۔ اور اُثالہ نے گھر میں یہ واقعہ اپنی بی بی عفراء سے بیان کیا۔ اس کے بعد ہی وہ عروہ کی تلاش میں نکلا۔ بڑی جستجو سے پتہ لگایا۔ فوراً جا کے ملا۔ اور بڑے اخلاق سے کہا "مجھے آپ سے شکایت ہے کہ یہاں آئے اور بجائے اس کے کہ میرے مہمان ہوتے دوسری جگہ ٹھہرے؟" عروہ سے اس کا کچھ جواب نہ بن پڑا۔ اور اُثالہ نے اصرار شروع کیا کہ اسی وقت میرے یہاں اسباب اُٹھا لے چلیے۔" اور عروہ نے ہزار عذر کیا ایک نہ سُنی۔ آخر جب عروہ نے دیکھا کہ اُثالہ اصرار ہی کیے جاتا ہے اور کسی طرح نہیں مانتا تو کہا "اچھا آپ چلیے میں تھوڑی دیر میں اُٹھ آؤں گا۔" اُثالہ نے اُس کا

पुस्तकालय Gurukul Kangri

کر ادا کیا۔ اور مضبوط وعدہ لے کے اپنے گھر واپس گیا۔

اُس سے جانے کے بعد عروہ نے دل میں کہا "افسوس! عفراء کا اتنا دیدار بھی قسمت میں نہیں۔ اُثالہ کے گھر میں کس منہ سے جاؤں؟ اور اب عفراء سے ملنے کا مجھے کیا حق ہے؟ تقدیر نے مجھے اس قابل ہی نہیں رکھا کہ اُس سے لوں یا اُس کے گھر میں جا کے ٹھہروں۔ مجبور ہو کے میں نے اُثالہ سے وعدہ تو کر لیا۔ مگر میں وہاں جانے کے لائق نہیں۔ بس اب کوئے جانان کو الوداع کہنا ہی ٹھیک ہے۔" یہ منصوبہ گانٹھتے ہی اسباب باندھا اونٹ کسا۔ اور بے کسی کو خبر کیے گھر کی راہ لی۔

شہر بقاء کو چھوڑتے ہی پھر بیمار ہو گیا۔ اور جو جو آگے بڑھتا تھا مرض کی شدت بڑھتی جاتی تھی۔ یہاں تک کہ راستے ہی میں ایسی غیر حالت ہوئی کہ سفر دشوار ہو گیا۔ وطن ابھی کئی منزل آگے تھا۔ مگر سفر کرنا غیر ممکن تھا۔ شام کو "وادی القریٰ" میں مجبوراً ٹھہر گیا۔ اور دو ہی چار روز میں فراق کے مسموم خنجر کا گھائل ہو کے مر گیا۔ ساتھ والوں نے اُس غریب الوطن کی حسرتناک موت پر دو آنسو بہا کے آغوش لحد کے سپرد کیا۔ اور گھر جا کے اُس کی اس بدنصیبی کی داستان دوستوں کو سنائی۔ جہاں سے یہ واقعہ تمام قبائل میں پھیلتے پھیلتے ارض بقاء میں پہونچا۔ اور عفراء کے گوش گذار ہوا۔

اُس شکستہ خاطر نازنین نے جیسے ہی یہ واقعہ سنا دل چاک چاک ہو گیا۔ اگرچہ خوبصورت چہرے پر معصومانہ متانت اور برگ گل کے سے نازک لبوں پر بالکل اُسی کی سی خاموشی ویسی ہی قائم تھی۔ مگر دل کی بیتابی ضبط پر غالب آنے لگی۔ گھبرا کے شوہر سے کہا "عروہ جیسا میرا عزیز تھا ویسا ہی آپ کا بھی تھا۔ لیکن بچپن میں مدتوں میرا اُس کا ساتھ رہا اور ہم دونوں میں بڑی محبت تھی جس سے آپ بخوبی واقف ہیں۔ اور اندازہ کر سکتے ہیں کہ مجھے اُس کے مرنے کا کتنا بڑا صدمہ ہوا ہوگا۔ آپ کا بڑا احسان ہوگا۔ مجھے اتنی اجازت دیجیے کہ وادی القریٰ میں اُس کی قبر پر دو آنسو بہا کے فاتحہ پڑھ آؤں۔" شوہر نے کہا "شوق سے جاؤ۔ اور میں تمھیں خوشی سے اجازت دیتا ہوں۔"

اجازت پاتے ہی عفراء اپنی محمل مین سوار ہوئی - اور وادی القریٰ کا راستہ لیا - وہان پہونچ کے عروہ کی قبر پر گئی - محمل سے نکل کے اور تلوے کی پیٹھ سے اُتر کے روتی پیٹتی قبر پر گری اور لوٹنے لگی - پھر اُٹھ کے بین اور مرثیے کے وہ اشعار رو رو کے پڑھے جو اُس کے غم مین کہے تھے - جب اُنھین بار بار پڑھ کے تھکی تو پھر دیر تک روتی - آہ تک دور کھینچتی اور بین کرتی رہی - یہان تک کہ پھر بیتابی کا جوش ہوا - دوبارہ قبر پر گری - اُس سے خوب لپٹ لپٹ کے روئی - اور روتے روتے تڑپ کے جان دیدی - جو لوگ ساتھ آئے تھے دیکھ کے حیران رہ گئے - اُنھین بڑا ہی صدمہ ہوا - مگر کیا کرتے ؟ قبر کھودی - عاشق جانباز کے پہلو مین اُسے بھی لٹایا - اور اوپر سے مٹی برابر کر کے گھر واپس گئے -

اس واقعے کی تمام قبائل مین شہرت ہوئی - اور دُور دُور سے لوگ ان قبرون کی زیارت کے لیے آنے لگے - چند مہینون کے بعد کیا دیکھتے ہین کہ دونون قبرون سے دو نئی قسم کے درخت نکلے ہین جنکی نسبت کوئی نہین کہہ سکتا تھا کہ کس چیز کے درخت ہین - پھر بڑھتے بڑھتے وہ قد آدم بلندی کو پہونچے - اور اس کے بعد اُنکی شاخین دونون طرف سے جھک کے ایک دوسرے سے مل گئین - بس یہ معلوم ہوتا تھا کہ دو عاشق صادق ایکدوسرے سے بغلگیر ہین - ان درختون کی لوگون مین بڑی شہرت ہوئی - ہزارون خلقت نے آکے دیکھا - اور بہت سے شعرا نے اُنکی اس عاشقانہ ہم آغوشی پر طبع آزمائیان کین اور خوب خوب اشعار کہے جو آج تک ادب کی کتابون مین موجود ہین -

ان دونون سچے عاشقون کی وفات ۲۸ھ مین ہوئی جبکہ حضرت عثمانؓ ذی النورین کی خلافت کا آغاز تھا - اور اسی سال آپ نے قرآن مجید کی تدوین و ترتیب کا کام شروع فرمایا تھا - عفراء ۱۰ - شوال کو دنیا سے رخصت ہوئی - اور عروہ چند روز پہلے سفر آخرت کر چکا تھا -

اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے کے بعد یہی پہلے عاشق عرب ہین جنھون نے اُس عہد کی تمام ترقیون - اُولوالعزمیون - اور دولتمندیون کو اپنے عشق پر قربان کر دیا -

ماء السماء

زبان عرب مین اس کے معنی میٹھے پانی کے ہین جو آسمان سے برسا کرتا ہے مگر جس "ماء السماء" سے ہم بحث کرنا چاہتے ہین وہ جاہلیت عرب کی ایک حسین و صاحب جمال خاتون تھی - اہل عرب کی لطافت و خوبی مذاق اور شیفتگی فطرت کا ثبوت اس سے زیادہ کیا ہو سکتا ہے کہ ایک حسین و ناز آفرین باعفت و عصمت نازنین اور اچھوتی عورت کو "میٹھے پانی" کے لقب سے یاد کرنے لگے - یہ پانی لطیف و پاکیزہ شیرین و خالص - اور پاک و صاف ہوتا ہے - اور چونکہ نیا نیا آسمان سے آتا ہے اس لیے اسکو ابھی تک کارگر قدرت کے سوا کسی مخلوق کا ہاتھ نہین لگا ہوتا ہے - ایک پاکدامن حسینہ کی اس سے اچھی کیا تعریف ہو سکتی ہے؟

شاہان عراق جو "نعمان" کہلاتے تھے اور جن کی سطوت و دولت کے افسانے ہر عربی نژاد مسلمان بچے کی زبان پر تھے جن کی مدح سرائی مین نامور شعرائے عرب رطب اللسان رہا کرتے تھے - سب اس خاتون کی نسل سے تھے - اور اسی وجہ سے جاہلیت عرب کی تاریخ مین اس خاتون کا نام بار بار آیا کرتا ہے - اور عرب اُس کی ذات کو اپنے قدیم زمانہ کے مفاخر مین سمجھتے ہین -

سب تسلیم کرتے ہین کہ اُس سے زیادہ صاحب حسن و جمال - فصیح و بلیغ - اور خوش بیان و خوش ادا کوئی خاتون جاہلیت عرب مین نہین گذری تھی - یہان تک کہ کہتے ہین اس کے صفات حسنہ کی کوئی حد و نہایت نہ تھی - اور کوئی انسانی خوبی نہین جو اُس کی ذات مین موجود نہ ہو -

اسی قدر نہین - ساسانی دربار مین بھی اُس کی بڑی قدر و منزلت کی جاتی تھی - خسروان ایران اُس کی اتنی عزت کرتے تھے کہ دربار مین کسی کی اس قدر عزت و آبرو نہ تھی - تاجداران آل ساسان کے حرم مین وہ بڑی حرمت و عزت کے ساتھ بلائی جاتی - اور حرم سرائے خسروان فارس مین کوئی عورت نہ تھی جو اُس کی دلدادہ اور گرویدہ نہ ہو - خسروان عجم کی ملکائین اُس کے پاس اعلیٰ درجے کے تحفے اور ہدیے بھیجا کرتی تھین - کبھی قیمتی جواہرات اور زیور بھیجدیتین - کبھی کوئی سونے کا مرصع و مکلل تاج

بھیجدیتین جس سے مشرقی و شمالی عرب کی عام عورتون کا خیال تھا کہ اپنی اس عدیم المثال خاتون پر ہمین کو ناز نہین بلکہ ایران کی مہذب و شایستہ بیگمون اور ساسانی گھرانے کی تربیت یافتہ ملکاؤن کو بھی فخر ہے۔ اور اپنا سرمایۂ ناز تصور کرتی ہین۔ اگرچہ تمدن اور تہذیب کی نفاستون اور اخلاقی و معاشرتی خوبیون مین وہ اپنے سامنے کسی قوم کی عورتون کی کچھ بھی وقعت نہ سمجھتی تھین۔

عراق کی عربی سلطنت کی بنیاد اُسی سے پڑی تھی۔ اور اپنی حکمت عملی سے اُسنے عرب کے بڑے سرکشون کو مغلوب کرکے اپنے قدمون پر گرا لیا۔ ایران کی ساسانی سلطنت سے تعلقات بڑھاکے اپنی سلطنت کی بنیاد مضبوط کی۔ اور خود سر شاہنشاہان عجم سے کچھ ایسی حکمت عملی کا برتاؤ رکھا کہ اُنکو اپنا دوست بھی رکھا۔ اور وقتاً فوقتاً اُن پر اپنا دباؤ ڈال کے یہ بھی باور کرا دیا کہ وہ سلطنت ساسانی کو اُسکے راضی رکھنے کی جس قدر ضرورت ہے اُس قدر ضرورت اُسے تاجداران عجم کے راضی رکھنے کی نہین ہے۔

اسکے ساتھ اُس نے اپنے فرزندون کو ایسی تعلیم دی کہ اُن مین عربی شجاعت کے برقرار رہنے کے ساتھ عجمی آداب اور تہذیب پیدا ہو جائین۔ صحرائے عرب مین گشت لگاتے وقت وہ شیر بیشہ ہون تو فارس کے مرغزارون مین بلبل نغمہ سنج کے ہم داستان۔ اُن مین ایک اعلیٰ معاشرت کی خوبو پیدا ہو۔ اور مہذب ترین درباروں اور محفلون سے آشنا ہو جائین۔ غرض "ماء السماء" کی تعلیم ہی تھی جس نے ارض عراق مین ایک ایسا عربی شاہی دربار قائم کیا۔ جو ایک طرف تو قبائل عرب کو اپنے زیر اثر رکھتا تھا اور دوسری طرف دربار عجم سے تمدنی و معاشرتی علائق برقرار رکھتا۔ اس خاندان کے تاجدار اپنی بانیہ کی پرنکتون سے بہادران عرب کے مقابلے مین بہادر و جوانمرد تھے۔ اور معززین عجم کی محفل طرب مین اعلیٰ درجے کے بذلہ سنج و خوش مذاق۔ اور فنون لطیفہ کے ماہر و قدردان۔ ایک طرف قبائل عرب مین تک جاکے اُن کی تعریف کے قصیدے گاتے اور اُن کی شوکت و حشمت کے افسانے بیان کرتے۔ اور دوسری طرف دربار عجم اُنکو اپنا قوت بازو۔ ہر پولٹیکل دشواری مین اپنا شریک حال اور اپنا ممد و معاون سمجھتا۔

دربار حیرہ کی ناموری دراصل اُسی پالیسی کی کامیابی تھی جسے یہی ملکہ "ماء السماء"

قائم کرکے اپنے فرزندوں کو اُس پر عمل کرنے کی ہدایت کر گئی تھی۔ تاہم اسلام کی یہ برکت و کرامت ظہور اسلام کے وقت تک اپنی پوری قوت کے ساتھ موجود تھی۔ یہاں تک کہ اسلام نے نمودار ہوکے ساری سرزمین عرب کے نشیب و فراز برابر کرکے کل قبائل و اشخاص کو یکسان کر دیا۔ اور ایک ایسی جمہوری سلطنت قائم کی جسکو نہ قوموں سے تعلق تھا نہ اشخاص سے۔

اُم جعفر بنت عبداللہ بن عرفطہ

مدینۂ طیبہ کے نامور قبائل اوس و خزرج تھے۔ جنھیں دستگیری رسالت کے صلے میں انصار کا واجب الاحترام لقب ملا۔ انھیں دونوں میں سے اول الذکر قبیلۂ اوس کی نامور اور قابل فخر یادگار یہ پاکدامن خاتون تھی جو تابعین کے زمانے میں نہایت ہی عزت و حرمت کی نظر سے دیکھی جاتی۔ اُس کی فراست و دانائی۔ ذہانت و طباعی۔ خوش سلیقگی و تیزفہمی اور عصمت و زہد کا شہرہ تمام عزیزین عرب کے دلوں پر بیٹھا ہوا تھا۔ اور اسی شہرت و نمودی دولت پر اگر نتیجہ ظاہر ہوا کہ اُس عہد کا نامور شاعر عرب احوص اُسکے حسن زیبا کا عاشق ہو جاوے جس کے اپنے اشعار میں اُس کا اظہار عشق کرنے لگا۔

شعرائے عرب ہمارے اُردو کے شاعروں کی طرح کسی گمنام اور خیالی دیوی معشوق کے دلدادہ نہیں ہوتے تھے۔ بلکہ اُن کا معمول تھا کہ کسی مہ جبین پر عاشق ہو جاتے اور اسی کے عشق میں اپنی بیتابیاں اور بیقراریاں اپنے اشعار میں ظاہر کیا کرتے۔ چنانچہ اسی سنت شاعری کے بجا لانے کے لیے میاں احوص اس باعصمت خاتون کے شیدا بن گئے۔ اور اس مضمون کے اشعار کہہ کہہ کے لوگوں میں پھیلانے لگے کہ اُم جعفر فلاں مقام پر مجھ سے ملی۔ اُس نے یہ کہا۔ اور میں نے یہ جواب دیا۔ اُس نے یہ دلستان ادائے ناز دکھائی اور میں نے اس انداز سے اظہار شیفتگی کیا۔

یہ اشعار عوام و خواص میں پھیلتے۔ اور سب کو روز بروز یقین ہوتا جاتا کہ اُم جعفر اور احوص میں کوئی اندرونی تعلق ضرور ہے۔ اُم جعفر ان اشعار کو سن سن کر اپنی بوڑھی ہڈیاں نچوتی۔ رسوائی و بے ناموسی پر اشک خونیں بہاتی۔ مگر احوص کو

ذرہ برابر پروا نہ تھی۔ کوئی بدنام ہو۔ رسوا ہو۔ اُن کی بلا سے۔ اُنھیں اپنی شاعری اور طبع آزمائی سے مطلب تھا۔ آخر اُم جعفر کے بھائی ایمن کو طیش آگیا۔ بہن کی پاکدامنی و راستبازی کے ساتھ اُس کی مجبوری و بے بسی اور مفت کی رسوائی و بدنامی نہ دیکھی گئی۔ اخوص کو ڈرایا دھمکایا۔ اس بیہودگی پر تہدید کی۔ اور کہا "اگر اب کی تم نے اپنے اشعار میں اُم جعفر کا نام لیا تو میں زبان شمشیر سے جواب دوں گا"۔ اخوص جو شاعری کی بدولت بڑے بڑے دربارون مین پہونچتا اور صاحب اثر امرا و اُمرا سے ملتا تھا ایسی دھمکی کو بھلا کیا خاطر مین لاتا؟ ایمن کے چڑھانے کو عشق بازی و شاعری مین اور زیادہ جوش دکھانے لگا۔

نتیجہ یہ ہوا کہ مدینۂ طیبہ کے حاکم کو جس کی حکومت مین دونون حریف رہتے تھے اطلاع ہوئی۔ اُس نے رفع فساد کے خیال سے ایمن اور اخوص دونون کو بلا کے سمجھایا اور کوشش کی کہ کسی طرح یہ جھگڑا موقوف ہو جائے۔ مگر کسی نے سماعت نہ کی۔ تب اُس نے مذاق کے طریقے سے یہ حرکت کی کہ ایک لمبی سی رسی منگوا کے اُس کا ایک سرا ایمن کی کمر مین باندھا اور دوسرا اخوص کی کمر مین۔ پھر دونون کے ہاتھون مین ایک ایک کوڑا دیا اور کہا "دونون اس کوڑے سے خوب جی بھر کے لڑو۔ دیکھیون کون غالب آتا ہے۔ جو غالب آئے گا مین اُسی کا طرفدار ہون"۔ اس حکم کے مطابق دونون نے ایک دوسرے پر خوب خوب کوڑے پھٹکارے آخر اخوص ایمن کے کوڑون کی تاب نہ لا کے بھاگا۔ اور ایمن اُسی رسی مین بندھا ہوا اُسکے پیچھے دوڑا۔ برابر ڈانٹتا ڈپٹتا۔ رگیدتا اور بھگاتا جاتا تھا۔ اور کوڑے پر کوڑا رسید کرتا تھا۔ اخوص پر جب زیادہ مار پڑی۔ اور کسی طرح ایمن کے کوڑون سے چھٹکارا نہ ہوا تو رسی تڑا کے بدحواس بھاگا اور غائب ہو گیا۔

اہل عرب مین بزدلی بہت بڑا عیب ہے۔ خصوصاً شاعرون کے لیے جو رجز خوانی مین اپنی بہادری کے بڑے بڑے دعوے کیا کرتے تھے۔ اس واقعے نے اخوص کو نہایت ہی بدنام کر دیا۔ جدھر جاتا لوگ توہین و تحقیر کرتے۔ بعض حریف شاعرون نے اسی بنا پر ہجوین کہہ ڈالین۔ سائب بن عمرو شاعر نے اس بھاگنے پر اپنے اشعار مین اُسے سخت نفرین کی اور بے انتہا ذلیل کیا۔ اخوص نے غصے اور ناکامی مین انتقام لینے کے طرز پر غریب اُم جعفر کو اور زیادہ بدنام کرنا شروع کیا۔ اور اُسکے عشق مین پہلے سے زیادہ

بیقراریان ظاہر کرنے لگا - اسی قسم کے اشعار کہتا اور انہین کے خوف سے بھاگا بھاگا پھرتا - یہان تک کہ انہین تھک کے بیٹھ رہا - اور عفت پناہ اُم جعفر اور زیادہ ستائی اور دھڑکے سے بدنام کی جانے لگی - غریب گھر مین پڑی پڑی روتی - اور آبرو بچانے کی کوئی تدبیر نہین پڑتی -

اس کو چند روز گذر گئے - اور احوص کو اطمینان تھا کہ اب میرا کوئی کچھ نہین بگاڑ سکتا - اسی اثنا مین ایک دن وہ سرِ راہ بہت سے دوستون اور شرفا و معززین کی محفل عام مین بیٹھا تھا کہ ایک برقع پوش عورت آئی - اور لوگون سے پوچھا "یہان احوص ہین ؟" لوگون نے احوص کی طرف اشارہ کرکے بتایا "یہ کیا بیٹھے ہین - جو کہنا ہو کہو" یہ سُن کر عورت نے احوص کی طرف متوجہ ہو کے کہا "آپ کو وہ بکری لیے مدت ہوگئی - مگر دام آج تک نہین دیے - آخر کب دیجیے گا ؟"

احوص "بکری کیسی ؟ نہ مین نے کسی سے کوئی بکری لی - اور نہ میرے ذمے کسی کا کچھ باقی ہے"

عورت "خوب ! یہ امید نہ تھی کہ آپ مکر جائین گے - غنیمت ہوا کہ مین نے لکھوا لیا تھا - لیجیے وہ تحریر بھی موجود ہے جو آپ نے بکری لیتے وقت دی تھی" یہ کہکے اُس نے ایک کاغذ برقع مین سے نکال کے اُسکے ہاتھ مین دیا - اور بولی "اب بھی آپ انکار کیجیے گا ؟"

احوص (کاغذ پر غور کرکے) "یہ تحریر بھی میری نہین ہے - تمھین کسی اور کا دھوکا ہوا ہے"

عورت "دھوکا ! اے آپ نے بکری لی - یہ کاغذ لکھ دیا - اور آج اس بیاکی سے مکرے جاتے ہین کہ مجھے تعجب معلوم ہوتا ہے"

احوص (بگڑ کے) "خدا جانے کس سے یہ کاغذ لکھوا لائی ہے - اور خواہ مخواہ مجھ کو لیے مرتی ہے - مین کچھ نہین جانتا - ایک ٹکا بھی نہ دون گا - مین ایسے نفرون مین نہین آتا"

عورت - (پیشانی پر ہاتھ مار کے) "ہاے میری قسمت - مفلس و نادار ہون اور کوڑی کوڑی کو محتاج - امید تھی کہ ان سے بکری کے دام ملین گے اور دو چار روز کٹ جائین گے - مگر انھون نے بھی جواب دیدیا - مگر میری یہ تھوڑی سی رقم مار لینے سے آپ کا بھلا نہ ہوجائیگا

یہ کہہ کے زار و قطار رونے اور سر پیٹنے لگی۔ اور دیگر حاضرین کی طرف خطاب کر کے کہا "لوگو تمھیں انھیں سمجھاؤ۔ کہ مجھ دکھیا کو نہ ستائیں" پھوٹ پھوٹ کے روتی اور ایک ایک کی خوشامد کرتی تھی کہ "آپ ہی کہہ سن کے دلوا دیجیے"۔

ایک جوان اور خوبصورت مصیبت زدہ کے رونے پر سب کو ترس آ گیا۔ اور سب اخوص کو سمجھانے لگے کہ "بکری لی ہے تو دام دے دیجیے۔ غریب کے ستانے سے کیا فائدہ؟"

اخوص (بہت بگڑ کے) "آپ لوگ خواہ مخواہ بیچ میں پڑتے ہیں۔ یہ اس کے فیل ہیں۔ میں خدا کی قسم جانتا بھی نہیں کہ یہ کون بلا ہے"۔

اب اس عورت کے شور و ہنگامے۔ حریفان صحبت کے سمجھانے اور اخوص کے بار بار انکار کرنے کا یہ اثر ہوا کہ بہت سے راہگیر بھی بھیڑ لگا کے کھڑے ہو گئے۔ اور اچھا خاصہ مجمع ہو گیا۔ ہجوم خلائق کو دیکھ کے عورت نے اور چلانا شروع کیا۔ اور ایک ایک کے سامنے رو رو کے فریاد کرنے لگی۔ پھر اخوص سے کہا "اب تمھیں میری جان پہچان سے بھی انکار ہے؟ اچھا قسم کھاؤ کہ مجھے نہیں جانتے؟"

اخوص "خدا کی قسم میں تجھے نہیں جانتا۔ کبھی دیکھا ہو تو پہچانوں"۔

عورت۔ (نقاب الٹ کے اور چاند سے چہرے پر سے برقع کی بدلی ہٹا کے) "اب پہچانا۔ یا اب بھی یہی کہے جاؤ گے کہ نہیں پہچانتے؟"

اخوص "ہاں نہیں پہچانتا۔ خدا کی قسم نہیں پہچانتا۔ اور میں نے زندگی بھر کبھی تیری صورت نہیں دیکھی"۔

بعض حاضرین "اچھی طرح غور کر کے دیکھیے۔ قسم کھانے میں جلدی نہ کرنا چاہیے"۔

اخوص "یا دہنا کیسا؟ میں نے کبھی اس عورت کو دیکھا ہی نہیں۔ آپ لوگ جس کی قسم کہیں کھانے کو تیار ہوں"۔ بھلا یہ ممکن تھا کہ اس سے ملتا۔ اسکی بکری لیتا۔ دام باقی ہوتے۔ اور پھر ایسا بھول جاتا کہ صورت دیکھنے پر بھی نہ پہچان سکوں؟"

عورت (تمام حاضرین اور تماشائیوں سے) "اچھا میں جان پہچان کا اس سے بھی زیادہ قطعی ثبوت دیتی ہوں۔ مگر آپ سب صاحب گواہ رہیں کہ یہ قسم کھا چکا ہے کہ مجھے نہیں پہچانتا۔ ایسا نہ ہو کہ اس ثبوت کے بعد بھی مکر جائے۔ مگر اب بھلا کیا ہو سکتا ہے؟"

(احوص سے) "سن جھوٹے سن - میں اُم جعفر بنت عبداللہ اوسیہ ہوں جس پر تو اپنے شعروں میں عشق ظاہر کرتا ہے - اور صدہا شعروں میں تو نے اقرار کیا کہ مجھ سے ملا - اور باتیں کیں - تو نے یہ کہا اور میں نے یہ کہا - اب بتا کہ تیرے وہ شعر جھوٹے ہیں یا اس وقت کا انکار؟" یہ سنتے ہی احوص کی یہ حالت ہوئی کہ جیسے کوئی سانپ سونگھ گیا ہے - آنکھیں نیچی تھیں - سر جھکا ہوا تھا - اور کسی سے چار آنکھیں کرنے کی جرأت نہ ہوتی تھی -

اب اُم جعفر نے اپنے عالم آشوب چہرے پر پھر نقاب ڈال لی - اور تمام حاضرین کی طرف متوجہ ہو کر کہا "صاحبو - یہ کمبخت بیحیا سچ کہتا ہے کہ اس نے نہ کبھی مجھ سے کوئی بات کی ہے - نہ وعدوں کا وعدہ کیا - اور نہ کبھی میری صورت دیکھی ہے - لیکن اب اسکے منہ پر تھوکیے کہ اس منحوس نے ایسی دیدہ دہنی کی جرأت ہوئی کہ بے دیکھے بغیر کسی راہ و رسم اور شناسائی کے یہ اپنے شعروں میں دعوے کرتا ہے کہ میں اس سے ملی - اس سے باتیں کیں - اس سے طرح طرح کے وعدے کیے - اور اسکے ذلیل رذیلانہ عشق کو قبول کیا - یہ بدذات جھوٹا ہے - بے ایمان ہے - گنہگار ہے - پاکدامن محصنہ عورتوں پر جھوٹی تہمتیں لگاتا ہے - اور اس قابل ہے کہ کوڑوں سے اس کی کھال گرادی جائے - یہ ہرگز اس کا اہل نہیں کہ شریفوں کے پاس اُٹھے بیٹھے - یا کوئی معزز شخص اسے منہ لگائے" یہ کہتے ہی اُم جعفر نے بڑھ کے احوص کے منہ پر تھوک دیا - اور پلٹ کے اپنے گھر چلی گئی -

اب میاں احوص کی یہ حالت تھی کہ سر اُٹھانے کے قابل نہ تھے - اور جو تھا ہر طرف سے لعنت ملامت کر رہا تھا - اسی گالیوں اور لعنتوں کی بوچھار میں وہ بزم صحبت سے اُٹھ کے بھاگا - اور پھر اس قابل نہ تھا کہ کسی کو منہ دکھائے - آتش کی مار کھا کے تو اُسکا جوش بڑھ گیا تھا اور شاعری کا بھرہ خوب کھل گیا تھا - گر اُم جعفر نے ایسا موثر سبق دیا کہ پھر کبھی اُس عفیفہ کا نام لینے کی جرأت نہ ہوئی - اور زندگی بھر مجال نہ تھی کہ اُس کو کوئی تہمت لگا سکے

عاتکہ بنت معاویہؓ بن ابی سفیان

جناب معاویہؓ صحابیوں میں ہیں۔ اور جب حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ نے اُنکے ہاتھ پر بیعت کرلی اور خلافتِ اسلامیہ کو اُنکے سپرد کرکے مدینۂ طیبہ میں عزلت گزین ہوگئے تو معاویہ ساری دنیائے اسلام کے حاکم و فرمان روا بن گئے۔ اور پہلے فرمانروائے اسلام ہیں جنھوں نے عرب کی سادی خلافت وحکومت میں قیصری وخسروی شان اور آن بان پیدا کی۔ مگر باوجود اس سطوت وجبروت کے اُن میں اس قدر غیر معمولی درجے کی برداشت اور بُردباری تھی کہ اُن کا حلم سارے عرب میں مشہور اور ضرب المثل ہوگیا تھا۔ اُسی حلم کا ایک نمونہ ان واقعات سے بھی ظاہر ہوتا ہے۔

عاتکہ مذکورہ اُن کی صاحبزادی تھیں۔ جو حُسن وجمال میں اپنی روزگار تھیں۔ اور علم وادب میں تمام معاصر بیبیوں میں ممتاز۔ اُنھیں نغمے کا بھی شوق تھا جس کی اُنھوں نے تعلیم پائی تھی۔ اور بعض اُنکی ایجاد کی ہوئی دھنیں مدتوں عرب کی محفلوں میں طرب میں گائی جاتی رہیں۔ اُن کی قدردانی کی وجہ سے ہر سال معمول تھا کہ مکے اور مدینے کی گانے والیاں دمشق میں آکے اُن سے ملتیں۔ اپنا گانا سناتیں۔ اور بہت کچھ انعام واکرام سے بہرہ یاب ہوکے واپس جاتیں۔ اسی قدر نہیں عاتکہ رخصت کرتے وقت اُن کو تاکید کردیا کرتیں کہ دیکھو ہمیں بھولنا جانا۔ پھر آنا۔

ایک سال ایسا اتفاق ہوا کہ حجاز کی کوئی مغنیہ نہیں آئی۔ آخر اُنھوں نے اپنے والد سے سفرِ حج کی اجازت مانگی۔ جناب معاویہ نے اجازت دیدی۔ اور عاتکہ ایسے شاہانہ شان وشکوہ کے ساتھ ملک شام سے ارضِ مقدس حجاز کی طرف روانہ ہوئیں۔ کہ اس سے پیشتر کسی نے ایسی اُولوالعزمی سے سفر نہیں کیا تھا۔ اُن کا جلوس بذاتِ خود ایک قافلہ بن گیا تھا جس میں اعلیٰ درجے کی تیز رَو اور سُبک خرام سانڈنیوں پر پُرتکلف محملیں تھیں۔ جن پر منقش اور خوشرنگ پردے پڑے ہوئے تھے۔ اور عاتکہ شاہزادیوں کی وضع سے اپنی لونڈیوں اور سہیلیوں کے ساتھ بادیۂ عرب کو پھر ایک بار ملکہ سبا بلقیس کا سفر یاد دلا رہی تھیں۔ مکۂ معظمہ میں پہونچ کے وہ مقام ذی طوی میں اُتریں۔ اُسی جگہ ایک دن دوپہر کو جبکہ دھوپ شدت پر تھی۔ اور گرمی سے سب

پریشان تھے - عاتکہ نے اپنی کنیزون کو حکم دیا کہ محل کے پردے اُٹھا دین - ناگہان وہب جمحی کا اُدھر سے گذر ہوا جو ابو وہبل کے لقب سے مشہور تھا - اور اُس زمانے کا مشہور و معروف اور مقبول و پسندیدہ شاعر قریش تھا - خوش فکر ہونے کے علاوہ وہ خوش جمال اور نوعمر بھی تھا - یکایک عاتکہ کے رخ زیبا پر جو نظر جا پڑی تو دیکھتے ہی دل ہاتھ سے کھو بیٹھا - اُسی جگہ ٹھہر گیا - دل مین آتش شوق شعلہ زن ہو گئی - بار بار نظر اُٹھا کے عاتکہ کی صورت کو کن انکھیون سے دیکھتا اور پھر نظر نیچی کر لیتا - عاتکہ سمجھ گئین - لونڈیون کو حکم دیا کہ محل کے پردے چھوڑ دو - ساتھ ہی اس بیباکی پر ابو وہبل کو بُرا بھلا کہا - اور سخت لعنت ملامت کی -

نوجوان شاعر نے گھر واپس آ کے پانچ پُرسوز و گداز شعر کہے - جن مین اُس وقت کی حالت اور اُس منظر کی تصویر شاعرانہ نازکخیالی کے ساتھ دکھائی - اور ظاہر کیا کہ کیسی عالی مرتبہ اور صاحب جاہ و تمکین محبوبہ نے اُسے دل مین بیٹھا لیا ہے - وہ شعر عام لوگون کو اس قدر پسند آئے کہ سارے مکے مین اور اُس کے بعد کل قبائل عرب مین ایک ایک کی زبان پر جاری ہو گئے - مغنیون اور مغنیہ عورتون نے اُنکو دلکش دھنون مین گانا شروع کیا - یہان تک کہ خود عاتکہ نے ابھی مکے ہی مین تھے کہ اُن اشعار کو بعض گانے والیون کے گلے سے سُنا - بہت ہی پسند کیا - بے انتہا داد سخن دی - خوش ہو ہو کے بار بار اُن کو گوایا - اور نوبت یہان تک پہونچی کہ اُنھین اشعار کی قدردانی کے بہانے عاتکہ نے ابو وہبل سے مراسلت کی - اور اُسے بہت کچھ انعام و اکرام اور قیمتی ہدیون سے سرفراز کیا -

اس مراسلت اور موافقت نے دونون مین محبت و الفت پیدا کر دی - اور عاتکہ بار بار ابو وہبل کے پاس تحفے اور ہدیے بھیجتین اور لطف و کرم سے پیش آتین - نتیجہ یہ ہوا کہ عاتکہ جب حج سے فارغ ہو کے دمشق مین واپس گئین تو ابو وہبل بھی گرد کاروان بن کے وارد شام ہوا - مکے مین تو بارہا اُسکو عاتکہ کی قدردانی و نوازش سے باریاب ہونے اور آنکھین سینکنے کا موقع ملتا رہا تھا مگر دمشق مین جہان عاتکہ کے باپ بھائی موجود تھے اور ایک عالم پر حکومت کر رہے تھے یہ کیونکر ممکن تھا کہ عرب کا ایک غریب الوطن شاعر ایک عالی مرتبہ شاہزادی کے قصر کے پاس بھی پھٹک سکے

ابو وہبل کو دیدار جانان سے یاس ہوئی تو بیقرار پڑ گیا۔ اور عرش سے حور کھینچا اپنے کہار
شوق اور اپنی نازک حالت عیان کرنے کا آغاز [illegible] اپنی اور عاتکہ کی حالت ظاہر کی ہے۔ [illegible]
اُس کی خوبیوں کو بڑے جوش کے لہجے میں ادا [illegible] اپنے [illegible] کی شکایت میں
کہا ہے "نہیں معلوم میری نیند عشق سے اُڑ گئی یا [illegible] میری پلکیں [illegible]
یعنی اُنکے چھوٹے ہوتے سے آنکھیں بند نہیں ہوتیں۔ درمیان [illegible] خیمے میں اُس سے ملا جیسے خیالات [illegible] عرب کا
معمول تھا۔

یہ اشعار جناب معاویہ کے گوش مبارک تک پہونچ گئے [illegible]
اُن کا مشہور حلم غصے پر غالب آیا۔ خاموش ہو رہے اور ایک لفظ [illegible]
نکالا۔ اب اُسکے بعد جمعہ آیا تو لوگ حسب معمول اُنکے دربار میں آئے اور سلام کر کر کے
رخصت ہونے لگے۔ اُس مجمع میں وہب بھی آیا اور سلام کر کے واپس چلا تو جناب
معاویہ نے اُسے روک لیا۔ اور جب سب لوگ چلے گئے تو اُس سے کہا "میرے
نزدیک قریش میں اب کوئی تم سے اچھا شاعر نہیں ہے۔ تم نے اپنے دیدۂ بیدار کے متعلق
جو کچھ کہا ہے بہت اچھا کہا ہے۔ اور عاتکہ کی عالی خاندانی کی جو تعریف کی ہے وہ بھی بالکل
بجا ہے۔ جس لڑکی کا باپ معاویہ۔ دادا ابو سفیان۔ اور دادی ہند بنت عتبہ ہو اُس کی
یہی صفت ہے جو تم نے بیان کی۔ لیکن اسی نظم میں تم نے جو سبز خیمے میں اُس سے [illegible] ظاہر
کیا ہے یہ بہت بُرا کیا۔" وہب نے قسم کھا کے کہا "یہ نظم میں نے نہیں کہی بلکہ دشمنوں
نے کہہ کے میرے سر تھوپ دی ہے۔" جناب معاویہ نے جواب دیا "خیر جو کچھ ہو مگر یاد رکھو
کہ تمھیں مجھ سے ڈرنے کی تو کوئی ضرورت نہیں۔ اس لیے کہ مجھے اپنی بیٹی کی پاکدامنی
کا پورا پورا یقین ہے۔ اور نوجوان شاعروں کے لیے یہ معاف بھی ہے کہ جس لڑکی کے
ساتھ چاہیں تشبیب کریں۔ یعنی اپنے کلام میں اُن پر اظہار عشق کریں۔ لیکن میرے
نزدیک تمھارا اُسی شہر میں رہنا جس میں کہ عاتکہ کا بھائی یزید رہتا ہو۔ اچھا نہیں۔
وہ جوان ہے اور جوش شباب کے ساتھ اُس میں شاہانہ تمکنت بھی ہے۔"

حضرت معاویہ کا یہ مشورہ سُن کے وہب دل میں ڈرا۔ اور دمشق چھوڑ کے مکہ معظمہ

مین چلا گیا۔ اس کو چند روز گذر گئے۔ اور وہب کی کوئی شکایت یا اُس کی کوئی تنظیم
نہیں ہوئی۔ ایک دن جناب معاویہ اپنے دربار کے کمرے مین بیٹھے ہوئے تھے کہ
ایک خط جو سرائے آگے اخلاص وہی امیر المومنین۔ آج عاتکہ کے پاس ایک خط
آیا۔ جب پڑھ کے وہ رونے لگین۔ اور اُس کا اُن کے دل پر اس درجہ اثر ہوا کہ اس
کو پڑھ کر خود بھی وہ حزین ہوئے۔ معاویہ نے کہا "اُس خط کو کسی حکمت سے اُڑا لاؤ۔
اور مجھے دکھلاؤ" خواجہ سرا خط لے آیا۔ اور اُنھون نے دیکھا تو وہ وہب کا
عاشق شوق تھا۔ آٹھ شعر تھے۔ جن مین اپنی بیتابی کا اظہار تھا۔ غم عشق مین رونا تھا۔ اور
یہ کہ "تمھارے رخصت کے انتظار مین ہر وقت رو رہا ہوں۔ تم اپنے عاشق پر
جس قدر ظلم کرتی جاتی ہو اسی قدر اُس کا عشق بھی بڑھتا جاتا ہے"

یہ اشعار جناب معاویہ کو نہایت ناگوار ہوئے۔ فوراً یزید کو بلوا بھیجا۔ اُس نے
باپ کو پریشان و متفکر دیکھ کے حزن و ملال کا سبب پوچھا۔ کہا "ایک ناگوار اور
تکلیف دہ واقعہ ہے۔ اس قریشی نژاد فاسق نے تمھاری بہن کو یہ شعر لکھ کے بھیجے ہین۔
جن کو پڑھ کے عاتکہ نے رونا شروع کیا تو اس گھڑی تک آنسو نہین تھمے ہین" یزید نے
کہا "اس بارے مین کہنا سننا بیکار ہے۔ بس یہی تدبیر ہو سکتی ہے کہ ہمارا کوئی غلام
اُس شخص کی تاک مین رہے۔ اور جس دن موقع پائے اُسے قتل کر ڈالے" یہ سُن کے
جناب معاویہ بولے "یزید اگر تو ایک قریشی شاعر کو قتل کر ڈالے گا تو لوگون کو یقین
آجائے گا کہ اُس نے عاتکہ کے ساتھ جو تعلقات ظاہر کیے ہین وہ بالکل سچے ہین" یزید
بولا "یہ تو صحیح ہے۔ لیکن اس کا کیا علاج کہ وہ اسی قسم کے اشعار تصنیف کر کر کے
لوگون مین پھیلا رہا ہے۔ جو اہل مکہ مین مشہور اور جوانان قریش کی زبانون پر جاری
ہو جاتے ہین۔ یہان تک کہ شہرت کے پرون سے اُڑتے ہوئے بعض اشعار یہان
تک آپہونچے۔ اور میرے گوشگذار ہوئے۔ مجھے اُن کو سُن کے نہایت ملال ہوا۔
اور مین نے یہی ارادہ کر لیا ہے جو آپ سے عرض کیا۔ یعنی اُس کو کسی اپنے غلام
کے ہاتھ سے مروا ڈالون گا"

جناب معاویہ نے تعجب کے لہجے مین پوچھا "اور شعر بھی ہین؟ یاد ہون تو سناؤ"
یزید نے وہب کے پانچ نئے شعر سنائے۔ جن مین فراق کی شکایت تھی۔ اور یہ خیالات

ظاہر کیے تھے کہ "بادشاہ و جاہ سے مجھ سے ملے نہیں ہوتا جس بدبخت پر بادشاہ کا اندیشہ ہو اُس میں بھلائی نہیں۔ اور جس معشوقہ کا وصال نہ نصیب ہو اُس کا چاہنا ہی کیا ہے۔ افسوس! میں عشق میں ناکام تو ہو گیا۔ گلدستے کے لیے بھی کبھی ملنا نہ نصیب ہوا۔"

یہ اشعار سن کے معاویہ نے فرمایا "اب میں مطلب سمجھ گیا۔ یہ شخص صرف فراق کا شاکی ہے۔ اور اس کا انسداد آسانی سے ہو جائے گا۔ تم اُس کا جاہ لینے کا ارادہ نہ کرنا۔" پھر اُسی سال اُنھوں نے سفر حج کیا۔ اور مکہ معظمہ میں حج سے فارغ ہونے کے بعد ایک دن تمام شرفائے قریش اور اُن کے شعرا کو سامنے بلوایا۔ سب سے ملے۔ بہ لطف و کرم پیش آئے۔ اور سب کو حسب حیثیت انعام و اکرام دے کے رخصت کیا۔ انھیں لوگوں میں وہب ابو ہیل بھی تھا۔ جب وہ واپس جانے لگا تو حضرت معاویہ نے پوچھا "وہب یہ کیا ماجرا ہے کہ میں یزید کو تم سے ناراض پاتا ہوں؟ تمھارے اشعار جو لوگوں سے سنتے جاتے ہیں اُنھیں کو سن سن کے وہ برافروختہ ہو رہا ہے۔" وہب نے عذر خواہی میں زبان کھولی۔ اور کہا "میں نے وہ شعر نہیں کہے بلکہ لوگوں نے میری جانب منسوب کر دیے ہیں۔"

جناب معاویہ نے کہا "خیر مضائقہ نہیں۔ اور تم کوئی اندیشہ نہ کرو۔ لیکن اتنا بتا دو کہ اپنے قبیلے اور خاندان کی تمام لڑکیوں میں سے تمھیں کون اچھی معلوم ہوتی ہے؟" وہب نے ایک لڑکی کا نام لے کے کہا "وہ میری نظر میں سب سے اچھی ہے۔" فرمایا "تو میں دو ہزار دینار مہر پر اُس کے ساتھ تمھارا نکاح کیے دیتا ہوں" یہ کہہ کے خود ہی نکاح پڑھا دیا۔ مہر کی رقم اپنے پاس سے دی۔ اور ایک ہزار دینار اُسے بطریق انعام اُس کے علاوہ دیے۔ اور رخصت کیا۔

اس غیر معمولی سلوک کا وہب پر بڑا اثر ہوا۔ ندامت سے سر جھکا لیا۔ اور ادب کے ساتھ نہایت ہی التجا کے لہجے میں عرض کیا "امیر المومنین۔ اگر میرے گذشتہ اشعار اور میرے اظہار عشق کو آپ معاف فرما دیں اور اگلی لغزشوں سے درگذر کریں تو وعدہ کرتا ہوں کہ پھر کبھی آپ کی صاحبزادی عاتکہ کی نسبت کوئی شعر نہ کہوں گا۔ اور کہوں تو میرا خون آپ کے لیے حلال ہے۔ فوراً قتل کر ڈالیے گا۔ رہی یہ خاتون

جس کے ساتھ آپ نے میرا عقد کر دیا ہے تو اگرچہ میں حسن و جمال میں اسلوب پر ترجیح دیتا ہوں لیکن نہ سکے اُس سے محبت ہے اور نہ اُسے مجھ سے۔ اس لیے آپ کے سامنے اور آپ ہی کو گواہ کر کے میں اُسے طلاق بائن دیے دیتا ہوں۔ جس کسی کے ساتھ اُس کا جی چاہے عقد کر لے۔" وہب کی یہ تقریر اور اُس کا اقرار سن کے حضرت معاویہ بہت خوش ہوئے۔ اور وعدہ کیا کہ جو انعام میں نے تم کو دیا ہے وہ تمھیں ہر سال پہونچتا رہے گا۔"

بس اسی پر اس شورش کا خاتمہ ہو گیا۔ وہب نے پھر کبھی کوئی شعر عاتکہ کے عشق میں نہیں کہا۔ اور اپنی وضع اور اپنے عہد کو زندگی بھر نباہا۔ مگر کہتے ہیں کہ عاتکہ مرتے وقت تک اُس پر فریفتہ اور اُس کے شوق میں طول رہیں۔

ایڈلین

نامور مغنیہ یورپ

اس کے تسلیم کرنے میں کسی واقف کار کو بمشکل تامل ہو سکتا ہے کہ دمشق اور بغداد کی خلافتوں میں دربار خلافت نے بعض مغنیوں اور مغنیہ عورتوں کی جیسی قدر کی ویسی قدر اس لطیف فن کے ماہروں کی دنیا کا کوئی دربار نہیں کر سکا ہے۔ مگر یورپ کی نامور مغنیہ ایڈلین کو البتہ سلاطین یورپ نے جو عزت دی وہ شاید دنیا کی کسی گانے والی کو نہ نصیب ہو سکی ہوگی۔

ایڈلین کا نشو و نما بچپن ہی سے کانسرٹون (محفلہائے طرب) میں ہوا تھا۔ اس کے ساتھ اُس کے حسن و جمال اور اُسکی دل میں اُتر جانے والی آواز نے اُسکے اس کمال میں اور چار چاند ڈال دیے۔ چند ہی روز میں یہ حالت ہو گئی کہ ممالک یورپ میں کوئی شخص نہ تھا جو اُس کے گانے پر فریفتہ نہ ہو۔ پبلک کی عام قدردانی کا یہ نتیجہ ہوا کہ اُس کی آمدنی روز بروز ترقی کرنے لگی۔ اور چند سال میں اُس کی سالانہ آمدنی دس لاکھ فرینک ہو گئی۔

مگر وہ خصوصیت جس نے اس سحر آفرین مغنیہ کو دنیا بھر کی گانے والیوں سے ممتاز کر دیا یہ تھی کہ بڑے بڑے زبردست شہنشاہان یورپ اُسکے حد سے زیادہ گرویدہ

تھے۔ وہ انتہا سے زیادہ اُس کی تعریف کرتے تھے۔ ایڈلین نے اپنی ڈائری میں لکھا تھا کہ جب نظر آئی اُس کے ہاتھ میں ایک قسم کی انگوٹھی پنکھیا ہوتی جو صرف اُسی کے ساتھ مخصوص تھی اور کسی اور خاتون کے ہاتھ میں نہیں دیکھی گئی تھی۔ شاہانِ فرنگ میں سے جس کسی نے اُسکی تعریف کرنی چاہی تو اُس نے اپنی وہی پنکھیا بڑھا دی کہ اس پر لکھ دیجیے۔ اور اس فرمان روا نے اُس پر اپنے جذبات دلی اپنے قلم سے لکھ دیے۔ چند روز میں یہ پنکھیا تحریروں سے بھر گئی۔ اور کوئی تاجدار نہ تھا جس کے ہاتھ کا خط اُس عجیب و غریب پنکھیا پر موجود نہ ہو۔ جن میں سے چند اہم تحریروں کو ہم اپنے ناظرین کے سامنے پیش کرتے ہیں۔ ایک روز اُس نے لکھا "کسی چیز سے وہ تسکین نہیں ہوتی جو تمہارے گانے سے ہوتی ہے" قیصر جرمنی نے اس ملکہ کی بابت خطاب کرنے کی شان سے یہ الفاظ لکھ دیے تھے "تمام زنانوں کی بلبل کو میرا سلام" ملکہ اسپین نے لکھا تھا "ایک ملکۂ عصر کو (مجھے) اس پر ناز ہوگا کہ تم اُسے اپنی رعایا میں شامل خیال کرو" [illegible] ملکہ معظمہ دیکھ کر [illegible] اپنے دستخط سے اُس پنکھیا پر یہ الفاظ لکھے "شاہ البلاد کے یہ الفاظ کہ آواز شیریں خداداد ہے۔ اگر سچ ہیں تو لے پیاری ایڈلین تم ساری عورتوں سے بڑھی ہوئی مغنیہ ہو" ان فرمان روایان ارض کے علاوہ شہنشاہ آسٹریا اور ملکہ ایزابلا کے ہاتھ کی تحریریں بھی اُس پنکھیا پر موجود تھیں۔ اسی طرح ملکۂ بلجیم نے بھی اپنے خیالات ظاہر کیے تھے۔ ایڈلین کی پنکھیا کے بیچ میں یہ الفاظ لکھے تھے "اے ملکۂ طرب میں تیری طرف اپنا شوق کا ہاتھ بڑھاتا ہوں" ان الفاظ کا لکھنے والا دولت جمہوریۂ فرانس کا پریسیڈنٹ پیرس تھا۔

ان تحریروں کے دیکھنے سے معلوم ہو سکتا ہے کہ جو عزت و حرمت اور جیسی مقبولیت عامہ اس مغنیہ کو حاصل تھی دنیا کی کسی عورت کو شاید ہرگز نہ نصیب ہوئی ہوگی۔ جن فرمان رواؤں اور تاجداروں کی حضوری حاصل ہونا بڑے بڑے امیروں اور قابل لوگوں کے لیے مایۂ افتخار تھا وہ سب اس خاتون سے ملنا۔ اُس سے ملاقات پیدا کرنا۔ اور اُس کو دوست بنانا اپنا سرمایۂ ناز تصور کرتے تھے۔

ایڈلین کے زیادہ حالات نہیں معلوم ہو سکے۔ مگر مصر کی قابل مصنفہ عائشہ خانم

کے ذریعے سے ہمین اسی قدر واقعات معلوم ہو سکے جو اُنکے حسن صورت نہین تو کم صورت کے کرشمے ظاہر کرنے کے لیے بخوبی کافی ہین۔ لیکن ہم اُس کے ساتھ ہی یہ بھی کہنا چاہتے ہین کہ سلاطین دہلی یا بہمنی تو دراصل اُس عہد کی جمہوریت کی پیداوار تھے جس سے تاجدروں کو بھی اس کام کا باقی رکھا ہے کہ حکمرانی کی ذمہ داریون سے سبکدوش ہو کے فقط حسن کی قدر دانی کیا کرین۔

دکن کی کافر اجرا حسین پر تھال

(۱)

حسن کی کرشمہ سازیون کے سلسلے مین ہم نے ابھی تک ہندوستان کی طرف توجہ نہین کی اور جو کچھ لکھا دوسرے ملکون کی نامور جادوگاہون کے متعلق لکھا۔ مگر ہمارے لیے خاص ہندوستان مین بھی بہت کافی ذخیرہ موجود ہے۔ بلکہ بقول علامہ فیضی:

این فتنہ بہ ہند گرم خیز است اینجاست کہ آفتاب تیز است

یہان سے حسینون کے حسن کی کرشمہ سازیان زیادہ بڑھی ہوئی ہین۔ ہندوستان مین فی الحال بڑی خرابی اور دشواری یہ ہے کہ ہر معاملہ مذہبی جانبداری اور تعصب پر محمول کیا جاتا ہے۔ اور ہم مجبور ہین کہ یہان کے اگلے دور کی کسی حسینہ کے حالات لکھتے وقت ایسے الزامون کی طرف سے بے پروا ہو جائین۔ تاہم مندرجہ ذیل واقعات درج ہیں جن مین ہم نے اپنی طرف سے کوئی اضافہ نہین کیا۔ تاریخ فرشتہ مین جو کچھ مذکور ہے اُسے اپنے الفاظ مین ادا کیے دیتے ہین۔

دکن مین جن دنون بہمنیون کی زبردست سلطنت قائم تھی اُنکے سب سے زبردست حریف۔ اجگان بیجانگر تھے۔ اُن کا دارالسلطنت دکن کا نہایت ہی تاریخی شہر تھا۔ اور اُس کی شوکت و حشمت کے عجیب و غریب واقعات تاریخون مین مذکور ہین۔ دریائے تنگ بھدرا (جو فی الحال دولت آصفیہ نظام ادام اللہ شوکتہا و دولتہا کی جنوبی سرحد پر رائچور کے قریب واقع ہے) بہمنیون اور ہندو دولت بیجانگر کی قلمرو کے درمیان مین حد فاصل تھا۔ سنہ ۸۰۰ھ اور سنہ ۸۲۵ھ کے درمیان

جب تک کہ بدر لے شمال میں سلطان فیروز شاہ بہمنی، وہ اُس کے جنوب میں راجہ دیوراے حکومت کر رہے تھے۔ بیجانگر کا ایک عالم و فاضل۔ فن موسیقی کا صاحب کمال۔ اور عابد و زاہد برہمن اپنے وطن سے کاشی کے تیرتھ کے لیے بنارس میں آیا۔ اور فرائض مذہبی ادا کر کے واپس گیا تو جنتی ملا قدم گل کے ایک گاؤں میں ایک سنار کے گھر پر اُترا کہ رات وہاں بسر کرے اور صبح کو آگے کا راستہ لے۔ چونکہ وہ مذہبی مقتدا اور متبرک و مقدس شخص جان لیا گیا اسلیے سنار اور اُس کے تمام گھر والوں نے حاضر ہو کے اُس کے قدم چومے۔ جان تک بنا اُس کی تعظیم و تکریم کی اور اُس سے برکت اور دعائے خیر کے طالب ہوئے۔ برہمن نے سب کو دعا دی تو سنار نے ادب سے عرض کیا "میری ایک بیٹی ہے پرتھال۔ حضور اُسکے حق میں بھی دعا فرمائیں"۔ برہمن نے اُس کے لیے بھی دعائے خیر کی۔ اور اُسکے بعد پوچھا "تمھاری وہ لڑکی کہاں ہے؟" عرض کیا "اُسکی عجیب حالت ہے۔ مسلمان عورتوں کی طرح پردہ کرتی ہے۔ اور اپنے حسن و جمال پر اُسے اتنا بڑا ناز ہے کہ کسی کو صورت نہیں دکھاتی۔ ہم نے اپنی ذات اور برادری میں اُس کی نسبت ٹھہرائی تھی مگر اُس نے شادی کرنے سے صاف انکار کر دیا اور کہا جس نے مجھے یہ دلربا صورت دی ہے وہی اس کا قدردان بھی پیدا کر دے گا۔ اُسکے اس قدر بیباک اور شوخ دیدہ دیکھ کے ہم لوگ خاموش ہو رہے۔ اب آپ سے التجا کرتے ہیں کہ ایسی دعا کیجیے کہ وہ شادی کرنے پر راضی ہو جائے"۔

یہ واقعات سُن کے برہمن کو تعجب کے ساتھ پرتھال کا چہرۂ زیبا دیکھنے کا شوق ہوا۔ اُس کے قریب گیا اور پکار کے کہا "بیٹی! تو مجھ سے پردہ کرتی ہے! مجھے اپنے باپ کی جگہ سمجھ۔ اور میں وعدہ کرتا ہوں کہ اپنی حقیقی بیٹی سے زیادہ تجھ سے محبت کروں گا۔ اس لیے باہر آ کے اپنے خداداد حسن سے میری آنکھوں کو روشن کر"۔ یہ سُن کے پرتھال نے پردے سے نکل کے برہمن کے قدم چومے۔ اور اُسکے سامنے سرو قد کھڑی ہو گئی۔ برہمن نے اُسے اوپر سے نیچے تک دیکھا۔ اور دیکھتے ہی دل میں کہا "دُنیا میں ایسا حسن و جمال تو کسی نے نہ دیکھا ہوگا۔ یہ عورت نہیں آسمان کی کوئی اپسرا یا دیوی ہے"۔ پھر محبت سے اُسے اپنے پاس بٹھا لیا۔ اور اُس سے

باتیں کین - اُس کی نغمہ خیز اور جادو بھری آواز سُنی تو اور حیران ہوا کہ اس دنیاے فانی مین ایسی حور طلعت پری جمالین اور ایسی دلکش آواز والیان بھی ہین!

پھر اُس نے اُس نازنین کو اپنا گانا سنایا - بین بجا کے اُسے مانوس کیا - اور اس فن لطیف سے اُسے مانوس پا کے کہا "مین نے اس فن کو بڑی محنت سے حاصل کیا ہے - میرے پاس اور کیا رکھا ہے - اگر تجھے اسکے سیکھنے کا شوق ہو تو وعدہ کرتا ہون کہ تھوڑے ہی زمانے مین تجھے اس فن مین بےمثل و بےنظیر بنا دونگا - اگر تو نے محنت سے سیکھا تو جس طرح تیری صورت موہنی اور تیری آواز سُریلی ہے اسی طرح تیرا گانا بجانا بھی دنیا مین لاجواب ہو جائے گا - پرتھال نے اس فن کے سیکھنے کا بیحد شوق ظاہر کیا - برہمن اپنے وعدے کے مطابق وہین ٹھہر کے اُسے گانا بجانا سکھانے لگا - اور ایک ہی سال مین کامل منتہی بنا کے کہا "اب تو اس قابل ہے کہ راجاؤن کے محل مین رہے - سوا کسی بڑے راجہ کے اور کسی کا حوصلہ نہین ہو سکتا کہ تجھے اپنی دولھن بنائے" یہ کہہ کے برہمن نے اس خاندان سے رخصت ہو کے اپنے گھر کی راہ لی -

چند منزلین قطع کر کے اپنے وطن بیجانگر مین پہونچا - مگر پرتھال کی یاد کسی طرح نہ بھولتی تھی - جو ملتے آتا اُسے سب کے پہلے پرتھال کے حُسن و جمال اور اُسکی خوش گلوئی کی تعریف کرتا - اس کی زبان سے نکلتے ہی یہ خبر سارے بیجانگر مین پھیل گئی - اور ہر صحبت مین اُس سُنار کی بیٹی کی تعریفین ہونے لگین - ہوتے ہوتے یہ خبر راجہ دیورائے کے کانون تک پہونچی - اور وہ بمصداق

نہ تنہا عشق از دیدار خیزد بسا کین دولت از گفتار خیزد

اُس نازنین کے حسن و جمال کا تذکرہ سنتے ہی ایک جان چھوڑ ہزار جان سے عاشق ہو گیا - اُسی وقت اُس برہمن کو بلا کے مہ جبین لڑکی کے حالات پوچھے - برہمن نے ایسے عنوان سے اور ایسے الفاظ مین اُس کا ذکر کیا کہ راجہ کے عشق مین بیتابی و بیقراری پیدا ہو گئی - اور برہمن سے خوشامد کرنے لگا کہ "اس سینے مین تم نے آگ لگائی ہے تو تمھین اسکو بجھاؤ" - بہت کچھ زر و جواہر دیا کہ اس کوشش مین صرف کرو - پھر ایک سونے کا مرصع گلوبند دیا کہ اُسے لیکے

فوراً مُدگل مین جاؤ۔ اُس کے ان باپ کو میرا پیام دو۔ اور جس طرح بنے اُنھین راضی کرکے منگنی کے طریقے سے یہ گلوبند اُسکے گلے مین پہنا دو۔ اور یون نہ مانے تو اُسے بیجانگر کے مندرون اور یہان کے تیرتھون کا شوق دلا کے کسی بہانے یہان لے آؤ۔"

برہمن خوش خوش روانہ ہوا۔ پھر جا کے سُنار کے گھر مین اُترا اور دو تین روز بعد اچھے عنوان اور دلفریب الفاظ مین شادی کا پیام دیا۔ پرتھال کے ان باپ بہت خوش ہوے۔ فوراً راضی ہوگئے۔ اور یہ سمجھ کے کہ اب پرتھال بھی ضرور راضی ہو جائے گی اُس سے تذکرہ کیا۔ لڑکی نے سُن کے ان باپ سے کہا "کیا آپ کو بیجانگر کے رنواس کا حال نہین معلوم؟ اُس مین ہزارون عورتین بھری پڑی ہین۔ اور جو اُس مین گئی مر کے نکلی۔ اُس راجہ کی رانیان لونڈیون سے بدتر ہین۔ نہ ان باپ سے مل سکتی ہین نہ کسی عزیز قریب کی صورت دیکھ سکتی ہین۔ ایسی زندگی بھر کی قید مجھ سے نہ برداشت ہو سکے گی۔ چاہے آپ کو میری محبت نہ رہی ہو یا میری طرف سے آپ کا لہو سفید ہوگیا ہو۔ مگر مین آپ کو نہین چھوڑ سکتی۔" ان باپ نے لاکھ سمجھایا مگر پرتھال نے کسی طرح منظور نہ کیا۔ آخر خود اُس برہمن نے آکے اُسے سمجھانا شروع کیا۔ اور باتون باتون مین چاہا کہ گلوبند اُسکے گلے مین باندھ دے۔ مگر پرتھال نے سر ہٹا لیا۔ اور کہا "گو مین آپ کو باپ سے بڑھ کے مانتی اور آپکی ادب کرتی ہون مگر اس معاملے مین آپ اصرار نہ کرین۔ میرا معاملہ ایک راز ہے جسکو مین نہ بیان کر سکتی ہون۔ اور نہ اس بارے مین کسی کے مشورے پر عمل کر سکتی ہون۔"

یہ جواب سُن کے برہمن نے اصرار شروع کیا کہ "جو کچھ راز ہو بتاؤ۔ اور اگر اس راز کے معلوم ہونے کے بعد یہ شادی مناسب نہ معلوم ہوئی تو مین ہرگز یہ صلاح نہ دون گا کہ تم راجۂ بیجانگر کی رانی بنو۔ مگر مجھے بتا دو۔"

آخر برہمن کے مجبور کرنے سے پرتھال نے کہا "سُنیے مجھے مدت ہوئی ایک غیب کے فرشتے اور بڑے مہاتما نے خبر دی کہ تو مسلمان ہو کے ملکۂ جہان بنے گی۔ اور اپنے ہی ملک مین شان و شوکت سے رہ کے عیش کریگی۔ وہ بات میرے دل مین جم گئی۔ مجھے یقین ہے کہ یہ پیشین گوئی ضرور پوری ہوگی۔ اور مین صبر و تحمل کے ساتھ بیٹھ کے اُسکے پورے ہونے کا انتظار کرون گی۔ مجھ سے جھوٹا وعدہ نہین کیا گیا ہے۔ ہو کے

رہے گا - اور اُس کے ہوتے مین بیجانگر کے محل مین جاکے اپنی زندگی نہ خراب کرون گی "

اب برہمن نے پرتھال کے والدین کو بیجانگر کے درشنون کا شوق دلانا شروع کیا - مگر پرتھال ہرگز راضی نہ ہوئی اور اپنی ہی ضد پر اڑی رہی - اس ملک مین مسلمانون کی سلطنت تھی - اور فیروز شاہ بہمنی کے ایسے پُرسطوت و جبروت سلطان کا عہد - برہمن یا پرتھال کے مان باپ کو اسکی جرأت نہ ہوسکی کہ اُسے جبراً بیجانگر بھیجین - آخر برہمن نے ناکام و شکستہ دل واپس جاکے راجہ سے سارا واقعہ بیان کردیا اور کہا کہ افسوس اُس پر میرا کچھ زور نہ چل سکا -

یہ ناکامی کا جواب سُن کے راجہ کی بیقراری و بیتابی نے جنون کی شان اختیار کرلی - اور یہ حالت ہوگئی کہ نہ گھر مین چین پڑتا تھا نہ وزراء کے دربار مین دل لگتا تھا - آخر جتنی فوج بیجانگر مین موجود تھی اُسے ساتھ لے کے شکار کے بہانے کوچ کیا - اور سرحدی دریا تنگ بھدرا کے کنارے تک سفر کرتا ہوا چلا آیا - اب آگے دولت بہمنیہ کی قلمرو تھی اس لیے وہین پڑاؤ ڈال دیا - اور بغیر اسکے کہ قدیم عہدون کا لحاظ کرے یا اپنی حالت و قوت کا اندازہ کرے ایک رات کو پانچ ہزار سوار دریا کے پار اُتار دیے - اور باوجودیکہ تمام وزرا اور مشیران سلطنت خلاف تھے اُن سوارون کو حکم دیا کہ تم دوڑا دوڑ گھوڑے بڑھاتے ہوے مضافات مُدگل کے اُس گانون تک چلے جاؤ جہان میری منجبین پرتھال رہتی ہے - اُس کے گھر پر اچانک حملہ کرکے اُسے اپنی حراست مین کرلو - اسکے بعد فوراً پلٹ پڑو - اور اُسے لے کے ایسے اُڑو کہ تنگ بھدرا کے اِس پار دم لو" فوج والون کو کیا عذر ہوسکتا تھا؟ بغیر اسکے کہ بہمنی سلطان کے عاملون کو خبر ہونے پائے لگاتار منزلین مارتے چلے گئے - اور مُدگل کے علاقے مین پہونچ کے دم لیا -

خدا کی قدرت! سواران بیجانگر کی اس تاخت کی خبر اُن سے زیادہ تیز آگے اُڑتی چلی جاتی تھی - چنانچہ اُن کے پہونچنے سے ایک دن پہلے مُدگل کے سارے جوار مین مشہور ہوگیا کہ بیجانگر کے سوار لوٹتے مارتے چلے آتے ہین - اور رعایا کے دل مین ایسی دہشت سمائی کہ سب لوگ گھر چھوڑ چھوڑ کے جنگلون اور پہاڑون مین بھاگ

بھاگ گئے۔ سب کے ساتھ پرتھال کا باپ سُنار بھی تمام گھر والوں کو لے کے کہیں دُور بہاڑوں میں چلا گیا۔ اور راجہ کی فوج نے جس کے ساتھ وہ برہمن بھی تھا بستی کے تمام گھر ڈھونڈھ ڈالے مگر اُس گُل رخسار اور اُس لعل بے بہا کا پتہ نہ لگا جس کے شوق میں یہ ہُڑدنگے کا کھیل کھیلا گیا تھا۔ مجبوراً سب کے سب ناکام و نامراد واپس چلے۔ اور چونکہ ناکامی کا غصہ دلوں میں بھرا ہوا تھا اس لیے واپسی میں راستے کی بستیوں کو لوٹتے مارتے اور کشت و خون کرتے ہوئے تنگ بھدرا کے کنارے پہونچے۔

اب اس بیاکانہ تاخت کی خبر ندگل کے حاکم فولاد خان کو ہوگئی جو سلطان فیروز شاہ کی جانب سے اس علاقے کا عامل تھا۔ اُس نے فوراً تھوڑی سی آس پاس کی فوج لے کے سواران بیجانگر کا تعاقب کیا۔ اور اُنھیں رگیدتا ہوا دریائے تنگ بھدرا تک چلا گیا۔ جہاں تک پہونچتے پہونچتے دونوں حریفوں میں دو لڑائیاں ہوئیں۔ پہلی لڑائی میں فولاد خان کو شکست کھا کے بھاگ جانا پڑا۔ مگر دوسری لڑائی میں راجہ کی فوج کو شکست ہوئی۔ چنانچہ اپنی سرحد میں داخل ہونے سے پہلے اُن کے بہت سے آدمی کٹ گئے۔ اور اپنی نامرادیوں کا رونا روتے ہوئے وہ دریائے مذکور کے پار اُتر گئے۔

اب مخبروں نے اس ہنگامے کی خبر خود سلطان فیروز شاہ بہمنی کو پہونچائی۔ وہ سنتے ہی آگ بگولا ہوگیا۔ راجہ بیجانگر کی بدعہدی پر اُسے سخت غصہ آیا۔ اشتہار جنگ دیدیا۔ اور فوراً ایک زبردست لشکر کے ساتھ کوچ کرکے تنگ بھدرا کے پار ہوا۔ اور بیجانگر کی طرف لوٹتا مارتا ہوا چلا۔ راجہ کو مزاحمت کی جرأت نہ ہوئی۔ بیجانگر میں قلعہ بند ہوگیا۔ اور فیروز شاہ نے اُس کے دارالسلطنت کا محاصرہ کرلیا۔ بہمنی شہریار نے شہر پر پہونچتے ہی اتنا بڑا زبردست حملہ کیا کہ شہر کی پہلی فصیل میں داخل ہوکے بیجانگر کے بعض محلوں کو لوٹنے لگا۔ لیکن یکایک بیجانگر کے کرناٹکی بہادروں نے اس طرح جان پر کھیل کے حملہ کیا کہ سلطان کی فوج کو ہٹا کے فصیل باہر کردیا۔ اور اُس کے بعد شہر پر قبضہ کرنا نہایت ہی دشوار ہوگیا۔

بیجانگر کوئی معمولی شہر نہ تھا۔ علاوہ راجہ کی بہادرانہ حمایت و مدافعت کے

قدرت نے اس کی مضبوطی یوں کر رکھی تھی کہ چاروں طرف بڑے بڑے پتھروں کی چٹانیں تھیں جنھوں نے حریف کے لیے راستہ نہایت ہی خطرناک کر دیا تھا۔ حریف جدھر سے یورش کرتا پتھر سد راہ ہوتے۔ فصیل پر سے تیروں اور پتھروں کی مار اُسے بالکل تباہ کر دیتی۔ راجہ نے نکل کے بڑی بہادری سے مقابلہ کیا۔ اور ساتھ ہی بہمنی لشکر پر فصیل پر سے تیروں کی بوچھار ہوئی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ سلطان کا لشکر سخت نقصان اُٹھا کے پیچھے ہٹا۔ اور سنگستانی زمین سے ہٹ کے سب نے کھلے میدان میں پڑاؤ ڈالا۔ لیکن محاصرہ اُسی طرح قائم رکھا۔ اب راجہ اپنا لشکر لے کے میدان میں نہ آتا تھا۔ اور فیروز شاہ کے سپاہی فصیل کی طرف بڑھنے کی جرأت نہ کر سکتے تھے۔

سلطان نے اب دوسری تدبیر شروع کی۔ اپنے امیر الامرا احمد خانخاناں کو دس ہزار سوار دے کے حکم دیا کہ بیجانگر کے جنوبی علاقے پر تاخت کرے۔ اور امیر فضل اللہ انجو شیرازی کو ہزار کے لشکر کے ساتھ روانہ کیا کہ جا کے قلعہ پنگا پور کا محاصرہ کرے جو کرناٹک کا ایک زبردست قلعہ تھا۔ اور خود سلطان بیجانگر کا محاصرہ کیے پڑا رہا۔

راجہ دیو رائے نے یہ حالت دیکھی تو بڑھ بڑھ کے سلطانی لشکر سے مقابلہ کرنا شروع کیا۔ چنانچہ چار مہینے میں آٹھ لڑائیاں ہوئیں اور سب میں راجہ کو شکست کھا کے جانا پڑا۔ اُدھر امیر فضل اللہ نے اتنی مدت میں قلعہ پنگا پور اور اُس کا سارا علاقہ فتح کر کے اپنے قبضے میں کر لیا۔ اور وہاں سلطانی عامل چھوڑ کے واپس آیا۔ خانخاناں نے اُس سے بھی بڑھ کے یہ کارروائی کی کہ کرناٹک کے زیادہ حصے پر قبضہ کر لیا۔ اور ساٹھ ہزار لڑکوں اور لڑکیوں کو گرفتار کر لایا جو بیجانگر کے گرد سلطان کے سامنے پیش کیے گئے۔ اور ایک بہت ہی بڑا جشن سلطانی لشکرگاہ میں منایا گیا۔ اور خوشی کے نعروں کا غلغلہ اہل شہر کے کانوں تک پہونچا۔

راجہ نے یہ حالت دیکھ کے اور فتح سے مایوس ہو کے گجرات۔ خاندیس اور مالوہ وغیرہ کو لکھا کہ اس نازک وقت میں میری کمک کرو۔ مگر کسی نے خبر نہ لی۔ اور سلطان نے جشن منانے کے بعد خانخاناں کو راجہ کے مقابلے اور بیجانگر

کے محاصرے کے لئے یہین چھوڑ دیا - اور خود امیر فضل اللہ کو ساتھ لے کے قلعۂ اودنی کی طرف چلا جو اس سرزمین کا سب سے زبردست قلعہ تھا اور سارے کرناٹک کی آزادی و قوت کا دارومدار اسی قلعے پر تھا - یہ خبر راجہ کو پہنچی تو حد سے زیادہ پریشان ہوا - اس لئے کہ اودنی کا قلعہ اُسکی سلطنت کی ناک تھا - صاف نظر آ رہا تھا کہ اگر اُس قلعے کے بچانے کی پوری کوشش نہ کی گئی تو خود بیجانگر دشمنون کے قبضے مین ہو جائیگا اور اگر بیجانگر کے محفوظ رکھنے کی تدبیرین کی جائین تو اودنی کو سلطان فیروز شاہ کا ایسا زبردست حملہ آور یقیناً فتح کر لے گا - آخر راجہ دیورائے نے وزراء کو جمع کرکے مشورہ کیا - اور سب کی رائے یہ قرار پائی کہ اب فوراً صلح و اتحاد کی درخواست پیش کر دی جائے - جس پر عمل کیا گیا - اور قبل اسکے کہ خود سلطان فیروز شاہ قلعۂ اودنی کی طرف کوچ کرے راجہ دیورائے کے معززین دربار ایلچی بن کے اُس کی خدمت مین حاضر ہوے - اور درخواست کی کہ اب ہمارا راج اپنی حرکت پر نادم ہو کے معافی چاہتے ہین - اور حضور کی طرف سے جو شرطین پیش ہونگی اُنکو قبول کرین گے -

(۲)

سلطان راجہ کی بے اعتدالی پر اس قدر برہم تھا کہ اُس کی درخواست کو کسی طرح قبول نہ کرتا تھا - ایلچیون نے بار بار التجا کی اور امیر فضل اللہ انجو نے ہر مرتبہ زمین بوس ہو کے سفارش کی - آخر اپنے بہادر اور نامور سردار کی سفارش اُس نے قبول کی - اور ان شرطون پر راجہ کا قصور معاف کر دینے کا وعدہ کیا کہ (۱) دیورائے اپنی بیٹی سلطان کی نذر کرے (۲) اُس کی سکھپال کے ساتھ دس لاکھ ہون - پانچ من موتی - پچاس کوہ پیکر ہاتھی - دو ہزار لونڈی غلام جو لکھے پڑھے اور رقص و سرود کے فن مین باکمال ہون - پیشکش کیے جائین - (۳) قلعہ بنکاپور گو کہ اُس پر سلطان ہی کا قبضہ ہے مگر وہ بھی راج کنواری کے جہیز مین محسوب کرکے دولت بہمنیہ کی قلمرو مین شامل کر دیا جائے -

راجگان کرناٹک مین سے کسی نے اس وقت تک کسی غیر قوم حکمران خصوصاً ایک مسلمان سلطان کو اپنی بیٹی نہین دی تھی - مگر راجہ دیورائے سلطان فیروز شاہ

بھینی کا اس قدر دباؤ مان چکا تھا کہ اُسے طوعاً و کرہاً قبول ہی کرنا پڑا۔ اور جب بیٹی کا دینا اُس نے قبول کر لیا تو اور شرطوں کے نہ منظور کرنے کی کیا وجہ ہو سکتی تھی؟ فوراً راج دُلاری کے رخصت کرنے کا سامان ہونے لگا۔ اور اُس کے لیے راجہ نے ایسا اہتمام کیا کہ ایسی بڑی دھوم دھام اس سے پہلے کبھی بیجا نگر میں نہیں دیکھی گئی تھی۔ سلطان کا خیمہ بیجا نگر کے پھاٹک سے سات فرسخ پر تھا لہذا سلطانی خیمے سے راج محل تک دورویہ بازار لگ گیا۔ اور ایک عظیم الشان میلہ قائم ہو گیا۔ دُکانیں بڑے تکلف اور نہایت ہی زیب و زینت سے سجی گئیں جن کی آرائش میں ہندو مسلمان دونوں نے مل کے اپنے کمالات و ہنر اور اپنی نفاست مزاجی کا ثبوت دیا۔ یہ میلا مسلسل چالیس روز تک قائم رہا جس میں جابجا پریجمال ماہ وشین شب و روز رقص و سرود میں مصروف رہتیں۔ اور ایک خلقت اُنکے شمع رخسار کا پروانہ بنی رہتی۔ کثر سقالات پر بازی گر و ردا ی تماشا دکھاتے رہتے۔ رات بھر روشنی ہوتی رہتی۔ اور معلوم ہوتا کہ دونوں حریف قومیں رشتہ یگانگت قائم ہوتے ہی سارے نفرتوں کو بھول کے عیش و عشرت میں منہمک ہو گئی ہیں۔

سلطان کی طرف سے اُس کے بھائی احمد خان خانخانان اور امیر فضل اللہ انجو، بڑی کا جوڑا لے کے ایک باشان و شوکت شاہانہ جلوس اور برات کے ساتھ راج محل میں گئے۔ جو ایک ہفتہ تک ٹھہرائے گئے۔ اور نہایت ہی عظمت و شان سے اُن کی مہمانداری کی گئی۔ ہفتہ گذرنے کے بعد شاہزادی رخصت کی گئی جس کی سکھپال پر سونے چاندی کے ہُن لُٹاتے ہوئے لشکرگاہِ سلطانی میں لائے۔ سلطان کو بھی اپنی اس خوش نصیبی پر جوش آیا۔ دولھن کا ڈولا پہونچتے ہی اُس نے خزانے لُٹا دیے۔ اور جس ایثار نفس۔ حُسن و ادب۔ اور خلوص و اطاعت سے راجہ نے اس رسم کو ادا کیا تھا ویسی ہی فیاضی۔ گرمجوشی سے اُسکے عزیز ترین ہدیے کو قبول کیا۔ اور بے انتہا مسرور ہوا۔

شادی ہو جانے کے بعد چوتھی کے طور پر راجہ نے سلطان کو اپنے محل میں بُلایا۔ فیروز شاہ نے اس کی درخواست قبول کی۔ لشکرگاہ کا انتظام خانخانان

کے ذمے چھوڑ کے دولھن شاہزادی کے ساتھ عظیم الشان جلوس اور اعلیٰ درجے کے کروفر سے بیجانگر مین گیا۔ راجہ نے بھی استقبال مین کوئی دقیقہ نہین اُٹھا رکھا بھاٹک سے راج محل تک تین فرسخ کی مسافت تھی۔ اس تمام راستے پر اطلس مشجر اور مخمل کا فرش بچھا ہوا تھا۔ اور ادھر اُدھر طرح طرح کے قیمتی کپڑون کے جوڑ لگا کے سارا راستہ گلزار سدا بہار بنا دیا گیا۔ خود راجہ پھاٹک تک استقبال کو آیا۔ اور داماد سے جنگیر ہو کے اُسے اپنی شایعت مین محل تک لے گیا۔ اس سارے راستے مین راجہ کے ہاتھ مین ہاتھ دیے جب تک سلطان گزرتا رہا دونون جانب سے اُس پر پرکجال عورتین اور نازک اندام خوبصورت لڑکے تھالیون مین بھر بھر کے سونے چاندی کے پھول برساتے اور نچھاور کرتے رہے۔ راستے مین ایک مقام پر بیجانگر کے تمام اُمرا و معززین نے جن مین مرد عورتین سبھی تھے حاضر ہو کے حسب حیثیت روپے اور اشرفیان نچھاور کین۔ اور یون ہی زر و جواہر لٹاتے ہوئے راج محل تک پیادہ اُس کے ہمراہ آئے۔

اس شان و شوکت اور اس دھوم دھام سے دونون تاجدار راج محل کے دروازے پر پہونچ کے گھوڑون سے اُترے۔ یہان ایک مرصع و جواہر نگار سکھپال حاضر تھی۔ سلطان اُس مین سوار کرا کے حجلۂ عروسی مین پہونچایا گیا۔ جو خاص اُسی کے ورود کے لیے بنایا اور بڑے اہتمام سے آراستہ کیا گیا تھا۔ تمام امرا و اعزاے شاہی پیادہ سلطانی سکھپال کے جلو مین تھے۔ جن مین خود راجہ دیوے بھی تھا۔ سلطان کو یہان تک پہونچا کے راجہ نے واپسی کی اجازت لی۔ اور تمام اعیان سلطنت کے ساتھ واپس گیا۔ سلطان اور اُس کی مہ جبین دولھن اپنے حجلۂ عیش مین مصروف عیش و عشرت رہے۔ اور تین دن اسی جشن طرب مین محو تھے۔ جس کے مزے کو سلطان شاید زندگی بھر نہ بھولا ہو گا۔

تیسرے دن سلطان نے واپسی کا ارادہ کیا تو راجہ نے حاضر ہو کے اسقدر سامان دولت اور اتنا ایک زر و جواہر نذر کیا جو اُس سے بدرجہا زیادہ تھا جو سلطان کی شرط کے مطابق شاہزادی کے ڈولے کے ساتھ بھیجا گیا تھا۔ اور اسی مناسبت سے اب جو شہنشاہ کی سواری اور شہنشاہ دولھن کی سکھپال راج محل سے روانہ ہوئی

تو اُس کی شان و شوکت اور اُس کا کر و فر پہلے سے بدرجہا زیادہ بڑھا ہوا تھا۔ مشایعت کے لیے خود راجہ چار فرسخ تک سلطان کے جلو میں گیا۔ اور وہاں سے رخصت ہو کے اپنے شہر میں واپس آیا۔

لیکن باوجود استقبال کا اس قدر اہتمام کرنے کے راجہ کے دل میں اپنی بیعزتی و رسوائی کا ایسا گہرا زخم لگا تھا کہ ضبط کرنے پر بھی کوئی ایسی حرکت کر بیٹھتا جس سے اُس کا دلی صدمہ ظاہر ہو جاتا۔ چھتری نسل کا ایک عظیم الشان راجہ تھا جسکے عظمت و جبروت کو سارا ہندوستان مانے ہوئے تھا۔ سلطان سے رخصت ہوتے وقت اُسے غیرت کا کچھ ایسا جوش آگیا کہ چھتریوں کے اکھڑ پن کے لہجے میں چند ایسی باتیں کہیں کہ سلطان کو اُس کے الفاظ اور اُس کا گستاخانہ لہجہ سخت ناگوار ہوا۔ اور راجہ کا سب کیا دھرا بیکار ہو گیا۔ چنانچہ راجہ کے واپس جاتے ہی سلطان نے امیر فضل اللہ انجو سے (جو ہمراہ رکاب تھا اور اُسی کی سفارش سے اُس نے یہ صلح قبول کی تھی) غصے کے لہجے میں کہا "شرط تو یہ تھی کہ دیو رائے ہمیں ہمارے خیمے تک پہونچائے گا۔ یہ راستے میں سے کیوں پلٹ گیا؟" اسکے بعد آپ ہی دل میں کچھ سوچ کے کہا "خیر مضائقہ نہیں۔ سمجھا جائے گا" سلطان کے یہ الفاظ راجہ دیو رائے کے گوش گذار ہوئے تو طیش میں آکے اور بگڑا۔ اور کچھ اور سخت و سست الفاظ زبان پر لایا۔ بہرحال انجام یہ ہوا کہ ایسی قرابت ہو جانے اور مہمان داری و دعوت میں ایسی فیاضی دکھانے پر بھی دونوں تاجداروں کے دل نہ صاف ہوئے۔ مگر بہرحال صرف دلوں میں رہا اسوقت کوئی اور جھگڑا نہیں پیدا ہوا۔ صلح کے تمام شرائط پر عمل درآمد ہو گیا۔ اور سلطان نے اپنے خیل و حشم اور نئی دولھن کے ساتھ اپنے دارالسلطنت فیروزآباد کی راہ لی۔

چونکہ یہ سب واقعات پرتھال ہی کے حسن عالم آشوب کے کرشمے تھے اس لیے ہم نے ان کو تفصیل سے بیان کر دیا۔ اور اُن کے بیان میں اس درجہ مصروف ہوئے کہ پرتھال کا خیال ہی ذہن سے اُتر گیا۔ اور یہ کوئی تعجب کی بات نہیں۔ اس لیے کہ لڑائی کی شورش میں راجہ دیو رائے بھی اُسے بھولا ہوا ہے۔ مگر ہمیں افسوس تو اس بات کا ہے کہ اتنا سب ہوا۔ ہزارہا خلقت کٹ گئی۔ اور

راجہ دیورائے کی راج دلاری تک سلطان فیروز شاہ کی دولھن بن گئی مگر دیورائے کی آرزو نہ بر آئی۔ اُسے کسی طرح اُس مہ پارہ سُنارن کا جلوہ دیکھنا نہ نصیب ہوا۔

سلطان کو اثنائے فوج کشی مین معلوم ہوگیا تھا کہ راجہ نے بہمنی قلمرو مین ملک گیری کے خیال سے نہین بلکہ پرتھال کے شوق وصال مین قدم رکھا تھا جس سے محروم رہا۔ گھر پہونچ کے اُسے شوق ہوا کہ گل کے سُنار کی اُس خوبصورت لڑکی کو دیکھے۔ فوراً ایک سردار تھوڑی سی فوج کے ساتھ بھیجا گیا جو عزت اور قدر و منزلت کے ساتھ پرتھال اور اُس کے ماں باپ کو لے آیا۔ فیروز شاہ نے جو اس کافر ادا جوان لڑکی کی صورت دیکھی اور اُس کا گانا سُنا تو عش عش کر گیا بے اختیار اُس کی زبان سے نکلا "تبارک اللہ احسن الخالقین" اور دیر تک اُس کے حسن و جمال کی تعریف کرتا رہا۔ اسکے بعد کہا "مین اب بوڑھا ہون۔ اس لیے اگر اپنے محل مین رکھون تو اس پر اور اسکے عدیم المثال حسن و جمال پر ظلم ہوگا۔ اس لڑکی کا ابھی عنفوان شباب ہے اور اسی طرح میرے فرزند حسن خان کی رگون مین بھی جو نہایت ہی خوش جمال ہے۔ آغاز جوانی کا پُر جوش خون دوڑ رہا ہے۔ لہذا مین چاہتا ہون کہ اس لڑکی کی شادی اُسی کے ساتھ کر دی جائے۔

یہ تجویز کرتے ہی سلطان نے پرتھال کو اپنی چچی کے حوالے کیا کہ اسکی شادی کا اہتمام شاہانہ شان و شوکت سے کرے اور عقد کی تاریخ مقرر کر کے خود حسن خان کو بڑے کروفر اور حشمت و شکوہ سے دولھا بنا کے چچی کے گھر برات لے گیا۔ اور مہ جمال پرتھال کو سلطنت بہمنیہ کی عالی مرتبہ بہو بنا کے بیاہ لایا۔ پرتھال کو معلوم ہوا کہ میرے خواب کی تعبیر تھی۔ اور آرزومندی و مقصدوری کے ساتھ عالیمرتبہ مسلمان شاہزادیون کی سی زندگی بسر کرنے لگی۔ جس کی طرف اُس کے دل کو پہلے ہی سے رجحان تھا۔ اور خود ہی پردہ کرنے لگی تھی۔

شاید ایسی عدیم المثال اور بے نظیر دولھن کے ملنے ہی کا نتیجہ تھا کہ حسن خان کو بجز عیش و عشرت اور رقص و سرود کے دنیا و مافیہا سے کوئی سروکار نہ تھا۔ رات دن محبوبۂ مہ جبین کے آغوش مین بیٹھا رہتا اور اُس کے ناز و ادا کا لطف اُٹھایا کرتا۔ نہ سلطنت سے سروکار تھا نہ حکمرانی کی لیاقت اُس مین

پیدا ہو سکی - فیروز شاہ نے آخر زندگی میں بہت سر مارا اور اُسے اپنا ولیعہد بنا دیا مگر سلطنت اس کی تقدیر میں نہ تھی - فیروز شاہ کا بھائی خانخانان اُس کی زندگی میں بادشاہ بن گیا - بیٹے کی محبت میں بادشاہ بھائی کا دشمن ہو گیا - اور خود فوج لے کے اُس کے سامنے صف آرا ہوا - فیروز شاہ اُن دنوں سخت بیمار تھا - اثنائے جنگ میں اتفاقاً اُسے غش آیا - لشکر میں اُس کی موت کی خبر اُڑ گئی - اور خود اُس کی فوج والے اُس کا اور ولیعہد کا ساتھ چھوڑ چھوڑ کے خانخانان سے جا ملے - ہوا کا رُخ پلٹا دیکھ کے حسن خان اور دیگر سردار بادشاہ کے سیانے کو قریب کے ایک قلعے میں اُٹھا لے گئے - اور خانخانان نے بڑھ کے اُس قلعے کا محاصرہ کر لیا -

اب فیروز شاہ ہوش میں آیا - اور واقعات جنگ سُنے تو اپنی بے دستوری پر متعجب ہوا - اور فرزند سے کہا "بیٹا - میں نے بہت کوشش کی - مگر اس کو کیا کروں کہ سلطنت تمہاری قسمت میں نہیں ہے - اب بھائی سے لڑنا سخت سے لڑنا ہے - قلعے کے پھاٹک کھول دو - اور خانخانان سے کہو کہ خانخانان سے اندر آئے" اس حکم پر عمل کیا گیا - اور خانخانان آ کے صاحب تاج و سریر بھائی کے سرہانے کھڑا ہو گیا - بیمار و ناتوان بادشاہ سرکش بھائی کی صورت دیکھتے ہی زار و قطار رونے لگا - اور کہا "تاج و تخت تمہیں مبارک - محبت پدری کے تقاضے سے میں نے اپنے فرزند کے لیے ولیعہدی کی کوشش کی - مگر چونکہ خدا کو منظور نہ تھا اس لیے ناکام و نامراد رہا - بس اب آج سے تم ہی صاحب تاج و دیہیم ہو - اور میں اپنے فرزند حسن خان اور ساری رعایا کو تمہارے سپرد کرتا ہوں"

بس اُسی دن یعنی ۵ - شوال ۷۲۵ھ کو خانخانان نے تاج شاہی سر پر رکھا - اور "احمد شاہ بہمنی" کے لقب سے حکومت کرنے لگا - دس دن بعد یعنی اُسی مہینے کی ۱۵ تاریخ فیروز شاہ نے دنیا کو رخصت کیا - اور اُس کی وصیت کے مطابق نئے فرمان روا احمد شاہ بہمنی نے سوچنا شروع کیا کہ بھتیجے یعنی حسن خان کے ساتھ کیا سلوک کرے - بعض مشیروں نے رائے دی کہ اس شاہزادے سے مطمئن نہ رہنا

چاہیے - اُسے یا تو قتل کرنا چاہیے - یا اُس کی آنکھیں نکلوا ڈالی جائیں - مگر احمد شاہ نے اس صلاح کو نہ مانا - بلکہ بھتیجے کو پانصدی عزت سے سرفراز کیا - اُس کے ساتھ دریائے تنگ بھدرا کے کنارے قلعۂ فیروزآباد اُسے بطور جاگیر عطا کیا - اور کہا اُس خوش سواد قلعے میں جس کی فضا میں دریائے تنگ بھدرا نے جان ڈالدی ہے بیٹھ کے تم عیش کرو - اپنی محبوبہ کے حسن سے لطف اُٹھاؤ - قلعے کے بُرجوں سے عالم کی بہار دیکھو - سیر و شکار کا شوق ہو تو گرداگرد دو فرسخ تک جا کے لطف شکار اُٹھا سکتے ہو - اور اس سے زیادہ دُور جانے کو جی چاہے تو مجھ سے اجازت لے لینا۔

حسن خان بھی دل سے یہی چاہتا تھا - اس خلوت کدۂ عیش میں بیٹھا تو پھر مرکے وہاں سے نکلا - اور نہیں نہیں معلوم کہ اسکے بعد اُس کا اور اُسکی مہ جبین محبوبہ پرتھال کا کیا حال ہوا -

ویدون (ملکۂ سور)

ہم میں بہت کم لوگ ہیں جنھوں نے "سریانی" زبان کا نام نہ سنا ہو - مگر یہ کوئی نہیں جانتا کہ یہ زبان کہاں کی اور کس قوم کی تھی - ارض شام کے ساحلی شہروں میں "طائر" نام ایک شہر ہے جو اگلے دنوں "سور" کے نام سے مشہور تھا - یہاں قدیم الایام میں ایک قوم آباد تھی جو "فینیقی" لوگ کہلاتے تھے - انھیں لوگوں کا دارالسلطنت یہ قدیم شہر سور تھا - یہ لوگ بنی اسرائیل کے رقیب اور اُن سے پیشتر سے یہاں آباد تھے - دنیا میں سب سے پہلے اسی قوم نے تجارت کے ذریعے سے زبردست سلطنت پیدا کی - اور جہازرانی میں کمال حاصل کیا - اسی قوم اور اسی شہر سور کی قدیم زبان سریانی تھی اور یہیں کی ملکہ ویدون تھی جس کا زمانہ حضرت رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم سے ۱۴۳۱ برس پیشتر تھا -

ویدون سوریہ یعنی علاقۂ سوریا کے بادشاہ بقلوس کی بیٹی اور مقام ہرقلیس کے دولتمند کاہن ستیہ کی جورو تھی - حسن و جمال میں ملکوں ملکوں اُس کا شہرہ تھا - اور مروت و اخلاق میں اپنی ساری قوم کی سرتاج تھی - ویدون کے بھائی بکالیون نے جاہ و دولت کی ہوس میں اُس کے شوہر کو مار ڈالا - شوہر کے ماتم میں سوگوار تھی کہ خواب میں

دیکھا آنجہانی شوہر آکے کہہ رہا ہے "تم سُور چھوڑ کے کہیں اور چلی جاؤ" محبت والی جورو کے لیے اتنا اشارہ کافی تھا۔ پہلے پوشیدہ پوشیدہ اپنا تمام قیمتی مال واسباب اور اپنی ساری دولت کرتا تام ایک مقام میں پہونچادی جو سور اور صیداء کے درمیان واقع تھا۔ پھر اپنے دوستوں اور طرفداروں کو لے کے جہاز پر سوار ہوئی۔ لنگر اُٹھا دیا۔ اور شمالی فینقیہ کا رخ کیا۔

اثنائے سفر میں جزیرۂ صقلیہ پر گذر ہوا۔ وہاں ایک عید کا دن تھا۔ ساحل پر میلا لگا تھا۔ اور شہر کی حسین و نازنین لڑکیاں کھیل کود رہی تھیں کہ ناگہاں مردوں نے پری جمالوں کے جھرمٹ پر نرغہ کر دیا۔ اور جسے جو لڑکی پسند آئی اسکو بے تکلف پکڑ لے گیا۔ یہ تماشا دیکھ کے ویدون نے یہاں سے بھی کوچ کیا۔ اور آگے کی راہ لی۔

اب اُس کے جہاز جزیرۂ صقلیہ کے محاذی ساحل زوجیتا میں پہونچے جو اُن دنوں افریقیہ کا ایک ساحلی علاقہ تھا۔ یہاں کا فرمان روا ایاریاس نام ایک بیدار مغز بادشاہ تھا۔ ویدون نے اُس کی قلمرو میں لنگر انداز ہو کے اُس سے ایک قلعہ تعمیر کرنے کی اجازت مانگی۔ ایاریاس نے باج گذار بن کے رہنے کا وعدہ لے کے اجازت دیدی۔ اور ویدون نے بصرہ نام ایک قلعہ تعمیر کیا۔ سُریانی قلعہ کو بصرہ کہتے تھے مگر یونانیوں نے چند روز بعد بصرہ کو اُلٹ کے برسہ بنا دیا۔ جسکے معنی اُن کی زبان میں بیل کے چمڑے کے ہیں۔

چند روز بعد ویدون نے ساحل موریطانیہ (مراکو) پر وہاں کے بادشاہ سے ایک قطعۂ زمین مول لے کے اُس پر مشہور تاریخی شہر قرطاجنہ آباد کیا۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ ویدون قرطاجنہ (کارتھیج) ہی نہیں کارتھیج کی زبردست سلطنت کی بھی بانی ہوئی۔

اسی زمانے میں شاہ ایاریاس اُس کا عاشق شیدا ہو گیا۔ بہ رضا و رغبت یا بہ جبر و اکراہ اُس سے شادی کرنے پر آمادہ ہوا۔ اور بار بار پیام دینے لگا۔ اس شاہی پیام کی وجہ سے ویدون عجب مشکل میں پڑ گئی۔ ایک طرف تو اُس نے اپنے آنجہانی شوہر سے قسم کھا کے وعدہ کیا تھا کہ تمھارے بعد میں کسی اور کی نہ ہوں گی۔

دوسری طرف بادشاہ وقت پیچھے پڑا ہوا تھا کہ جس طرح ہو سکے میری ملکہ بنو۔ جب اس تحریک میں اصرار ہوا تو اُس نے مجبوراً نکاح کا وعدہ کر لیا۔ مگر تقریب شادی کا سامان کرنے کے لیے تین مہینے کی مہلت مانگی۔ شاہ ایاریاس نے یہ مہلت منظور کی۔ اور ویدون بُٹنہ لگانے اور شادی کا سامان کرنے لگی۔ یہاں تک کہ تین مہینے گذر گئے۔ رعایا کو دھوم کے جلسے دیکھنے اور بادشاہ کو وصال محبوبہ سے شاد کام ہونے کا وقت آیا تو مدت معہودہ کے آخری دن ویدون ایک بلند پہاڑی پر چڑھ گئی۔ اور اُس کی چوٹی پر کھڑی ہو کے اپنے کلیجے میں خنجر بھونک لیا۔ اور شہر قرطاجنہ کے ساتھ عورتوں کی وفاداری کا ایک بے نظیر نمونہ اپنی یادگار چھوڑ گئی۔

ویدون کے حالات بتا رہے ہیں کہ وہ کوئی معمولی عورت نہ تھی۔ وہی تھی جس نے سواحل شام سے جا کے شمالی افریقہ میں وہ زبردست سلطنت قائم کی جو مدت دراز تک رومی عظمت و جبروت کی حریف مقابل رہی۔ ہنی بال کے کارنامے اصل پوچھیے تو اسی ویدون کے حسن و جمال اور زلف گرہ گیر کے آخر نمونے تھے دنیا کو اُس مکاری کے تمدن سے بچانا چاہتے تھے جو رومیوں کی ترقی سے پیدا ہوا۔ اور جس نے کامیاب ہو کے ساری دنیا کے اخلاق کو خراب اور غارت کر ڈالا۔

ارشدامیہ

(یونان کی ایک بہادر خاتون)

حضرت سرور کائنات علیہ السلام سے ساڑھے آٹھ سو برس پیشتر یونان کا آخری اور زوال پذیری کا زمانہ تھا۔ اُن دنوں رومی جزیرہ نمائے ایطالیہ میں اپنی قوت بڑھا رہے تھے۔ اور یونان کی تہذیب و شجاعت کی تاریخ ختم ہو چکی تھی۔ اُسی زمانے میں ایپارس میں پیرہوس نام ایک عیش طلب فرمان روا تھا۔ جس کا عہد سلطنت ۲۶۶ قبل محمد سے شروع ہوا۔ وہ محض اس لیے کہ اسکے آبا و اجداد سکندر اعظم کی ماں کے ہم نسب تھے۔ چاہتا تھا کہ اپنے آپ کو دوسرا سکندر ثابت کرے۔ مگر حوصلہ ہی حوصلہ تھا۔ سکندر کا سا استقلال اور اُس کی سی دانائی و فراست

کہان سے لاتا؟ ممالک غیر پر حملہ کرنا درکنار یونان کے قدیم نامی شہرون پر بھی قبضہ نہ پا سکا۔

یونان اِس زمانے میں مٹ چکا تھا۔ نہ ایتھنز میں وہ اگلا علم و فضل تھا اور نہ اسپارٹا میں وہ اگلی شجاعت۔ مگر اسپارٹا پر حملہ کیا تو وہاں کے لوگ اپنی گذشتہ عظمت کو یاد کرکر کے لڑنے اور مرنے مارنے پر تیار ہو گئے اور انھون نے قطعی ارادہ کرلیا کہ اپنی تمام عورتون کو محفوظ رکھنے اور حریف کی دست بُرد سے بچانے کے لیے جزیرہ اقریطش (کریٹ) مین بھیجدین اور خود وطن کی حمایت مین جان پر کھیل جائین۔

اسی نازک زمانے مین یہ مذکورہ یونانی خاتون اسپارٹا مین تھی اور اپنے شہر کی اُن گذشتہ ناموریون سے واقف تھی جو لوح زمانہ پر ثبت تھین۔ اسپارٹا کی سینٹ یعنی مجلس حکمرانی نے جیسے ہی یہ فیصلہ کیا کہ ساری عورتین حفاظت کے لیے کریٹ مین بھیجدی جائین۔ ارشدامیہ کو طیش آ گیا۔ جوش کے ساتھ ایک تلوار اُٹھالی۔ اُسے کھینچے ہوے قصر حکومت مین گھس پڑی۔ اور ارکان مجلس سے جوش و خروش کے لہجے مین کہا "اسپارٹا کی عورتین اپنے ملک کی تباہی کے بعد زندہ نہین رہنا چاہتین۔ بلکہ وہ بھی مردون کی طرح وطن کی حمایت مین لڑین گی۔ اور کامیاب نہ ہوئین تو لڑکے مرجائین گی۔"

اُس کی ہیئت کذائی۔ اُس کے جوش و خروش۔ اُس کی شعلہ بار آنکھون۔ اُسکے تمتماتے ہوے سرخ گالون کو دیکھ کے تمام ارکان مجلس سناٹے مین آگئے۔ دیر تک خاموشی رہی۔ پھر ارکان حکومت نے اُس کو اِس ارادے سے روکنا چاہا اور سمجھایا۔ مگر جو جو سمجھاتے ارشدامیہ کا جوش بڑھتا جاتا۔ اور آخر نظر آیا کہ اُس کا جوش شجاعت ایک برقی لہر کی طرح اسپارٹا کی تمام عورتون مین دوڑ گیا ہے۔ اور سب اُس کی ہم خیال و ہم آہنگ ہین۔ اب بھلا کیونکر ممکن تھا کہ ایسی فدائے وطن عورت اور اُس کی جان باز ساتھ والیان ایسے نازک وقت پر اپنی مرضی کے خلاف اپنے محبوب وطن سے جدا کی جائین؟ چنانچہ وہی سینٹ جس نے ابھی ابھی یہ قانون پاس کیا تھا کہ عورتین کریٹ مین بھیجی جائین اُسی نے اپنی اس تجویز کو منسوخ کیا۔ اور کہا گیا کہ "عورتین چاہتی ہین تو اُنھین لڑنے دو۔"

اس حکم کو منسوخ کرانے کے بعد ارشدامیہ نے اسپارٹا کی بہادر و جانباز اور سرفروش و سرکفت عورتوں کو جمع کرکے اُن کا ایک لشکر مرتب کیا۔ اُنھیں دو ہی چار روز میں لڑنے کے قابل بنا لیا۔ اور جب پیرہوس کا لشکر اسپارٹا پر آیا ہے۔ اور اسپارٹا چاروں طرف سے محصور ہو گیا ہے تو وہاں کے دلیر و شجاع مردوں کے دوش بدوش یہ عورتیں بھی جوہر شجاعت دکھا رہی تھیں۔ یا تو اس زبردست حملہ آور کی دہشت سے اسپارٹا والوں کا یہ حال تھا کہ عورتوں اور بچوں کو ایک دوسرے جزیرے میں بھیجے دیتے تھے اور یا عورتوں کی مدد سے اُنھوں نے دشمنوں کو متواتر شکستیں دیں۔ اور اس قدر پریشان کیا کہ آخر پیرہوس عاجز آکے ناکام و نامراد واپس گیا۔ اور اہل شہر کو تسلیم کر لینا پڑا کہ اس موقع پر حمایت وطن کا نہایت ہی اعلیٰ جوہر ارشدامیہ اور اُس کی زنانی فوج سے ظاہر ہوا۔

اسپارٹا سے نامراد واپس جانے کے بعد ۸۴۴ء قبل محمد میں پیرہوس نے یونان کے شہر ارغوس پر حملہ کیا۔ اس مہم میں وہ نہایت ہی شجاعت سے حملہ کرکے شہر کے اندر گھس پڑا۔ اور سڑکوں پر لڑائی ہو رہی تھی کہ ایک مقام پر پیرہوس کو دلیری سے شمشیر زنی کرتے دیکھ کے ایک عورت نے کوٹھے پر سے ایک بڑا سا کھپرا اُسکو کھینچ مارا۔ جس نے آہن پوش پیرہوس کے ساتھ وہی کام کیا جو حضرت داؤدؑ کی گوپھن کے پتھر نے زبردست فنیقی پہلوان جالوت کے ساتھ کیا تھا۔ یہ کھپرا پڑتے ہی پیرہوس گرا اور وہیں ڈھیر ہو گیا۔

غالباً یہ کھپرا بھی اُسی برقی لہر کا ایک کرشمہ تھا جو ارشدامیہ کی تحریک سے تمام یونانی عورتوں کے دلوں میں دوڑ گئی تھی۔ خلاصہ یہ کہ عورتوں ہی کی مستعدی نے پیرہوس کے حملے کو ناکام و مسترد کیا۔ اور آخر اُنھیں کے ہاتھ سے وہ مارا گیا۔

مہ جبین رُوم لُقریطیہ

لُقریطیہ رومۃ الکبریٰ کے عہد قدیم کی ایک نامور حسینہ و عفیفہ تھی۔ حاکم روم لقریطیوس کی بیٹی اور فلاطینوس نام ایک رومی سردار کی بیوی تھی۔ اُن دنوں روم پر ایک بیرونی قوم و نسل کے بادشاہ طارکوئین کا قبضہ تھا جس نے رومیوں کو اپنا

غلام بنا کے نہایت ہی ذلیل و خوار کر رکھا تھا۔ مگر لقریطیہ کے شوہر قلاطینوس سے شاہ طارکوئن سے قرابت تھی جس کے باعث دونوں میاں بیوی نہایت معزز سمجھے جاتے۔ اور شاہزادوں اور شاہزادیوں کے ہم مرتبہ تھے۔

اتفاقاً طارکوئن کے حکم سے قلعۂ آردیہ کا محاصرہ کیا گیا جو روسہ سے ایک منزل سے زیادہ مسافت پر نہ تھا۔ وہاں طارکوئن کے تین بیٹے اور لقریطیہ کا جوان سالی شوہر قلاطینوس محاصرہ کیے پڑے تھے کہ ایک رات کو کھانے پر چاروں میں اپنی اپنی بیویوں کی دانائی و قابلیت پر بحث ہوئی۔ ہر ایک اپنی بیوی کی خوبیاں بڑھا بڑھا کے بتاتا۔ اور اُسے سب کی بیبیوں پر ترجیح دیتا۔ آخر یہ طے قرار پائی کہ علی الصباح چاروں گھوڑوں پر سوار ہو کے روسہ میں جائیں اور دیکھیں کہ اُن کی بیویاں اپنے گھروں میں کیا کر رہی ہیں۔ اور کن کاموں میں مشغول ہیں؟

دوسرے دن چاروں روسہ میں پہنچے۔ اور چاروں نوعمر بیبیوں سے ملے۔ شاہ طارکوئن کی تینوں بہوئیں تو اپنی سہیلیوں کے ساتھ کھیلتی اور لہو و لعب میں مصروف تھیں مگر لقریطیہ کو دیکھا کہ اپنی ہم سن سہیلیوں کے ساتھ بیٹھی ایک سادگی و نازنینی کی ادا سے اُن کو بات کر رہی ہے۔ اس امتحان کے نتیجے میں سب کو تسلیم کر لینا پڑا کہ چاروں عورتوں میں اچھی اور قابل قدر لقریطیہ ہے۔ اور اُس کی خوبی کا اعتراف کر کے چاروں نوجوان پھر قلعۂ آردیہ کے گرد اپنے پڑاؤ میں چلے گئے۔

لیکن اس دلگی دلگی کے مناظرے اور جوروؤں کے مقابلے میں ایک نیا فتنہ اُٹھ کھڑا ہوا۔ وہ یہ کہ جھگڑے کے فیصلے کے لیے چاروں نوجوانوں نے ایکدوسرے کی جوروؤں کو دیکھا تو طارکوئن کا بڑا بیٹا سکستوس جو ایک ضدی نفس پرست اور خواہشات نفسانی کا بندہ تھا۔ لقریطیہ کا جمال جہان آرا دیکھتے ہی ایک جان چھوڑ ہزار جان سے اُس پر فریفتہ ہو گیا۔ اور دل میں ٹھان لی کہ چاہے آبرو جائے یا رہے۔ بدنامی ہو یا نیکنامی۔ اور اصول اخلاق کے موافق ہو یا مخالف۔ میں اس بے نظیر پری وش کے حُسن کا مزہ ضرور لوٹوں گا۔

چنانچہ دو چار روز بھلاوے کے ایک دن چپکے سے محاصرے کے پڑاؤ

سے رومہ مین آیا۔ اور سیدھا لقریطیہ کے پاس جا کے اُس کا مہمان ہوا۔ لقریطیہ شہزادہ سمجھ کے اُس سے بڑے تپاک سے ملی۔ نہایت ہی خاطر تواضع سے پیش آئی اور اُس کے ٹھہرانے کے لیے بہت تکلف کا سامان کیا۔ رات کو کھانا اُسکے ساتھ کھایا۔ اور جب سونے کا وقت آیا تو اُسے اُس کمرے مین پہونچا کے جو اُس کے لیے آراستہ کیا گیا تھا اپنی خواب گاہ کے کمرے مین گئی۔

جب آدھی رات سے زیادہ گذر گئی اور سکسطوس کو یقین ہوا کہ سب گھر والے سو گئے ہین شمشیر برہنہ ہاتھ مین لیے ہوے اپنے کمرے سے نکلا۔ اور دبے پانوں جا کے لقریطیہ کے کمرے مین گھس پڑا۔ آہستہ سے اُسے جگایا۔ اور اظہار عشق و فریفتگی کر کے اُسے بہلانے پھسلانے لگا۔ مگر صاحب عفت لقریطیہ نے صاف انکار کیا۔ اور پہلے تہذیب و ادب سے پھر ناراضی و ناگواری سے اُسے سمجھانے لگی کہ "اس ارادے سے باز آ"۔ مگر ضدی سکسطوس پر کیا اثر ہو سکتا تھا؟ جب لقریطیہ کو یون راضی نہ پایا تو ڈرانے دھمکانے لگا۔ مگر دھمکی بھی کارگر نہ ہوئی۔ ادھر سے جس قدر اصرار ہوتا تھا اُسی قدر اُدھر سے ضد اور نفرت بڑھتی جاتی تھی۔ آخر سکسطوس نے طیش کے لہجے مین کہا "تم نے میرا کہنا نہ مانا تو تمھین اسی وقت مار ڈالون گا"۔ لقریطیہ نے غیر معمولی استقلال سے اس کا یہ جواب دیا کہ "مار ڈالو۔ مین جان دونگی مگر آبرو نہ دون گی"۔ سکسطوس اب اور برافروختہ ہوا اور بولا "اچھا مین تمھاری جان بھی لون گا اور آبرو بھی۔ پہلے تم کو قتل کرون گا۔ پھر تمھارے حبشی غلام کو جو دوسرے کمرے مین موجود ہے مارون گا۔ اور اُس کی لاش کو تمھاری لاش کے برابر لٹا کے غل مچا دون گا کہ مین نے تم کو اپنے سیہ فام غلام کے ساتھ ہم آغوش دیکھا۔ اور مارے غیرت کے دونون کو مار ڈالا۔ انجام یہ ہوگا کہ میری سب مین تعریف ہوگی۔ اور تم پر سارے شہر مین تھڑی تھڑی اپنے شوق اور اپنی آرزو مین نامراد البتہ رہون گا۔ مگر تمھارے اس خوبصورت چہرے مین بھی قیامت تک کے لیے بے عصمتی و رسوائی کی کالک لگا دون گا"۔

یہ اس بلا کی دھمکی تھی کہ لقریطیہ کانپ گئی۔ چنانچہ اس موقع پر اُسکی اخلاقی شجاعت نے کمزوری دکھائی۔ اور اُس کے پائے استقلال کو لغزش

ہو گئی - ہاتھ پانوں ڈال دئے - اور مجبور ہو کے بد اخلاق دشمن عصمت کو اپنی خواہش پوری کرنے کا موقع دیدیا - غرض سکسطوس اپنی ضد پوری کرکے اپنے کمرے مین گیا - اور صبح ہوتے ہی خوش خوش اپنی کامیابی پر ناز کرتا ہوا کیمپ مین واپس گیا -

اُسی صبح کو لُقریطیہ نے آدمی بھیج کے اپنے سُسرے اور شوہر کو بلا بھیجا - اور جیسے ہی آئے اُن کے سامنے رات کی سرگذشت بلا کم و کاست بیان کردی دونون کو بیحد صدمہ ہوا - سکسطوس سے انتقام لینے کا وعدہ کیا اور اُس کے شکستہ دل کو تسلی دینے لگے - مگر دیکھا تو اُس کی وحشت کسی طرح کم ہونے کو نہین آتی - آخر کمال یاس کے لہجے مین بولی "تم بے شک انتقام لے لوگی - مگر تمھارے انتقام لینے سے مجھے اپنی کھوئی ہوئی آبرو نہین مل سکتی" - یہ کہتے ہی جوش کے ساتھ خنجر کھینچ لیا - جسے پہلو مین چھپائے ہوے تھی - اور ایک ہی ہاتھ مین سینہ اور دل چاک کرکے گری اور تڑپ کے مرگئی -

اس واقعے نے لقریطیہ کے شوہر اور سسرے کو ایسا جوش دلایا کہ اُسی وقت انتقام لینے کو اُٹھ کھڑے ہوے - تمام رومی رعایا نے اُن کا ساتھ دیا - اور طارکوئین کے لیے یہ ایسا بدنام کرنے والا واقعہ تھا کہ خود اُس کا سگا بھتیجا برو جوس بھی لُقریطیہ کے خون کا انتقام لینے والون مین آکے شریک ہوگیا - آخر شاہ طارکوئین کے خلاف لوگون مین ایسا جوش و خروش پیدا ہوا کہ اُس سے اور اُسکے تمام خاندان والون سے سوا بھاگ کھڑے ہونے کے کوئی تدبیر نہ بن پڑی - اُس کے جاتے ہی رومیون مین جمہوری سلطنت قائم ہوگئی - اور وہ بادشاہون کی غلامی کرنے سے آزاد ہوگئے - جو دراصل اُسی لُقریطیہ کی عصمت و شرافت کی برکت تھی -

۵۰۸ قبل محمدؐ مین لُقریطیہ نے جان دیدی تھی اور ۵۰۳ قبل محمدؐ مین خاندان طارکوئین کا کہین پتہ نہ تھا - اور رومی قوم جمہوریت کے آغوش مین پرورش پا رہی تھی -

نینون لانکلون

یعنی انکلون والی "نینون" یہ ایک عجیب مذاق اور عجیب و غریب قابلیت کی

نامور فرانسیسی خاتون تھی - جو آج سے تین سو برس پیشتر ۱۶۱۶ء مین خاص دار السلطنۃ فرانس پیرس مین پیدا ہوئی تھی - بچپن ہی مین ایسی حسینہ و جمیلہ اور پر جمال و حور مثال تھی کہ دیکھنے والے عش عش کر جاتے - اسکے ساتھ ایسی شوخ چلبلی اور عشوہ ساز تھی کہ جو دیکھتا بیساختہ زبان سے نکل جاتا ع اب تو قیامت ہے کوئی دن مین قیامت ہوگی -

ماں چاہتی تھی کہ کسی خانقاہ رہبان کی تعلیم گاہ مین داخل کرکے اُسے مذہبی زندگی کی تعلیم دلائے - مگر باپ عیاش طبع رنگین مزاج اور ریاکار پادریوں کے خلاف تھا - بیٹی کے لیے تقاہت کی راہبانہ زندگی نہ پسند کی - اور اس کی تعلیم کے لیے دوسرے ذرائع اختیار کیے - لیکن پندرہ ہی سال کی تھی کہ سر پر سے ماں باپ دونوں کا سایہ اُٹھ گیا - اور اپنی دنیوی زندگی کے لیے اُسے بغیر کسی رہبر کے خود ہی اپنا راستہ نکالنا پڑا -

بلوغ کے بعد ہی اُس کا حسن و جمال یک بیک ایسا نکھر آیا اور اُسکے ناز و انداز مین ایسی دلربائیان پیدا ہوگئین کہ اُس کی چشم فتان کا تیر جس پر پڑ جاتا کلیجے کے پار ہوتا - یک بیک سارے فرانس مین اُسکی کافر ادائی کا چرچا ہونے لگا اور فرانس کے وضعدار اور شوقین امیرزادے اس خداداد حسن کی [illegible] کو تیار ہوگئے - اعلیٰ ترین رُتبے اور دولت کے کئی امیرون نے اُس پر اپنے شوق کی کمندین پھینکنا شروع کین - اور جو تھا چاہتا تھا کہ اُسے اپنا بنالے - مگر نیون نوعمری ہی سے ایسی انجام بین اور زمانہ شناس تھی کہ کسی کی نہ ہوئی - بڑے بڑے دولتمندون نے لاکھ سر مارا - اظہار عشق کیا مگر وہ کسی کے ہاتھ نہ آئی - دراصل خودداری و خود پرستی نے اُسکے دل مین یہ بات ڈال دی تھی کہ مین کسی کی جورو بن کے اُس کی تابع فرمان اور محکوم نہ بنون گی -

لیکن کمال یہ تھا کہ اس خودداری و بے پروائی کے ساتھ اُس مین خشک مزاجی رُکھاوٹ یا زاہدانہ بے تعلقی کہین نام کو نہ تھی - کوئی شوق سے ملتا تو اُس سے زیادہ شوق سے وہ اُس سے ملتی - پیاری باتون - شوخی کی حرکتون اور طرح طرح کی اداؤن سے اُس کی دلربائی کرتی - لیکن جہان کوئی اس حد سے آگے قدم بڑھاتے

کا ارادہ کرتا تو کوئی ایسی حرکت کرتی کہ وہ اپنا سا منہ لے کے رہ جاتا - اور سمجھ جاتا کہ
؎ پھول اگرچہ حسن و خوبی مین لاجواب ہے مگر اُس تک میرا ہاتھ نہین پہونچ سکتا -
ان قدرتی و مزاجی محاسن کے ساتھ وہ اعلیٰ درجے کا علمی و ادبی کمال رکھتی تھی - اُس مین غیر معمولی ذکاوت و فراست تھی - اور اُس نے اعلیٰ درجے کی طبع رسا پائی تھی - بذلہ سنج تھی اور سخن فہم - جس کا نتیجہ یہ تھا کہ اُس دور کے نامور شعرا فرانس موکیر اور فونتنل اُسکی دوستی کا دم بھرتے اور روز اُسکے دروازے پر کھڑے رہتے تھے - اسی قدر نہین اُس عہد کے بہت سے صاحب کمال انشا پرداز و شاعر اپنے کلام مین اُس سے اصلاح لیتے تھے - اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ اسکے ادبی و علمی کمال نے اُس کے حسن اور اُسکے جمال مین کیسا چلتا ہوا جادو پیدا کر دیا ہوگا -

اس علمی ذوق کے ساتھ اُسے خود آرائی کا بھی بیحد شوق تھا - بغیر سنورے اور خوب نکھار کیے گھر سے باہر قدم نہ نکالتی - لباس کی تراش خراش اور سجاوٹ مین اور حسن کی آرایش و زیبایش مین اس قدر اہتمام کرتی کہ اُس کے زمانے مین لوگ اُس کا ایک جلوہ دیکھتے ہی دیوانے ہو جاتے - اور آج تک فرانس مین بہت سے اُبٹنے اور پوڈر اُسی کے نام سے مشہور کیے جاتے ہین - کہا جاتا ہے کہ اپنے خود آرائی کے کمال سے اُس نے عہد شباب کے گذر جانے کے بعد بھی بہت تک اپنے آپ کو جوان و پری تمثال بنائے رکھا -

لیکن باوجود ان تمام لگاوٹون - ناز آفرینیون - اور خود آرائیون کے اُسنے اپنے دامن عصمت مین کبھی دھبہ نہ لگنے دیا - چنانچہ اُس کے حالات بیان کرنیوالے دعوے کے ساتھ کہتے ہین کہ "اُس کا مذاق قوایِ کورس کا تھا مگر زندگی لائس کی تھی" جس کا مطلب ہماری زبان مین یہ ہوا کہ "مذاق شہوت پرستی کا تھا اور زندگی خدا پرستی کی تھی"

اُس نے اپنے عہد شباب مین [illegible] کا کھیل کھیلا مگر اُس عشقبازی مین نہ کوئی غرض تھی اور نہ کوئی شخص اُس کا مقصود و مطلوب تھا - اسکے ساتھ یہ بھی تھا کہ اُس کی پاک و بے غرض محبت و الفت کو فقط ہم مذاقی و لطف صحبت سے تعلق تھا

حصول دولت کے لیے اُس نے کبھی کسی کی طرف رُخ نہین کیا۔

بناؤ چناؤ اور خود آرائی کرتی مگر اس بناؤ مین کچھ ایسی شریفانہ سادگی اور پاکدامنی کی ادا ہوتی کہ فرانس کی پاکدامن و عفیفہ عورتین جو باہر کی ملنے جلنے والیون سے حتی الامکان گریز کرتین اُس کی دیوانی ہو رہی تھین۔ اور اُس سے میل ملاپ پیدا کرنے کو اپنا فخر سمجھتین۔

ذی علم لوگ اور ادیبان زمانہ اُس کی بڑی عزت کرتے تھے۔ اور اپنے کلام مین جب تک اُس سے اصلاح نہ لے لیتے ہرگز شایع نہ کرتے۔ خود اس کے تصانیف بہت کم شائع ہوے۔ اور جو اُس کی جانب منسوب ہین اُسکے نہین۔ اُسنے عمر بہت زیادہ پائی۔ اور ۱۰۰ سنہ مین نوے برس کی ہو کے مری۔

ہائی پے شیا

تاریخ مین عیسائیون اور یہودیون کے تعصب اور مذہبی عداوت کے بیشمار نمونے موجود ہین لیکن عیسائیون سے جیسی بے رحمی اس حسین اور صاحب جمال خاتون ہائی پے شیا کے معاملے مین ظاہر ہوئی شاید اور کبھی نہ ہوئی ہوگی۔ اور اُسی کی حسرت آلود داستان آج ہم اپنے ناظرین کو سُنانا چاہتے ہین۔

تھیوڈوسیوس قیصر کے زمانہ مین یہ مشہور یہودیہ عورت مقام اسکندریہ مین پیدا ہوئی۔ یہ پریوش نازنین حسن و جمال۔ علم و فضل اور فصاحت و بلاغت مین اعجوبۂ روزگار تھی۔ اس کے باپ کا نام تھیون تھا جو اُس زمانے کا مشہور ریاضی دان تھا۔ ہائی پے شیا نے اپنے باپ سے تعلیم پائی اور فقط ریاضی ہی مین نہین بلکہ ہیأت اور فلسفے مین وہ درجہ حاصل کیا کہ بہت سی کتابین لکھین اور اثینیہ اور اسکندریہ مین فلسفے کا درس دینے لگی۔

اس زمانے مین اُس کے وطن اسکندریہ کا حاکم ایک نہایت بدباطن اور متعصب شخص سائیرل تھا۔ مذہبی تعلیم حاصل کرنے کے بعد اُس نے رہبانیت اختیار کر لی تھی۔ آبادی چھوڑ کے جنگلون اور کہسارون مین رہنے لگا۔ لیکن اُسکی نظرین دنیا ہی کی جانب لگی ہوئی تھین۔ اُس کا چچا تھیوفلوس اسکندریہ کا بڑا پادری تھا۔

اُس نے سائرل کو بلایا اور وہ فوراً اُسکے پاس چلا آیا اور اپنے چچا کی جگہ گرجون مین وعظ کہنے لگا - چونکہ قابل تھا بہت جلد سارے شہر مین مشہور ہوگیا - چند روز بعد تھیوفلوس مرگیا - اب سائرل کے لیے میدان خالی تھا - لیکن بڑی مشکل یہ تھی کہ اسکندریہ کے پادریون مین اختلاف تھا - فوجی سپاہیون اور حکام نے ایک اور پادری کی طرفداری کی - مگر عوام نے سائرل کو ترجیح دی اور ایسے جوش و خروش کے ساتھ کہ نظر آتا اگر اُنکے خلاف آیا گیا تو ہنگامہ کردین گے - لہذا تھیوفلوس کی جگہ سائرل کا انتخاب ہوگیا -

اب سائرل کو اپنے دل کے حوصلے نکالنے کا موقع ملا - سلطنت کمزور ہو رہی تھی - اسکندریہ دارالسلطنت سے بہت دور واقع ہوا تھا - چند روز مین سائرل نے دیوانی اور فوجداری اختیارات حاصل کرلیے - اور سارے شہر کا انتظام اب اُسی کے اختیار مین تھا - عوام بالکل اُسکے ہاتھ مین تھے - جب چاہتا انھین جوش دلا دیتا اور جب چاہتا اُن کے غصے کو فرو کردیتا - سب لوگ اُسکے احکام پر آنکھین بند کرکے عمل کرتے -

اسکندریہ مین یہودی بھی تھے جنھین خود اسکندر نے لاکے وہان آباد کیا تھا - قیصرون نے اُنکے حقوق تسلیم کرلیے تھے اور اب تک وہ امن کے ساتھ زندگی بسر کرتے رہے تھے - اس وقت اس شہر مین اُنکی تعداد چالیس ہزار سے زیادہ تھی - اسی زمانے مین ہائی پے شیا کی شہرت ہوئی - اُس نے علم و فضل مین وہ درجہ حاصل کرلیا تھا کہ اپنے اخلاق اور فصاحت بیانی کی بدولت عوام ہی کو نہین بلکہ بڑے بڑے علما اور فضلا کو مسخر کرلیتی - اسکندریہ مین روزانہ لوگون کا ہجوم رہتا جو اُسے دیکھنے اور اُس سے ملنے کے لیے یونان اور ایشیا کے مختلف صوبجات سے آیا کرتے - ہم بیان کرچکے ہین کہ سائرل بڑا بدباطن اور مغرور شخص تھا - ہائی پے شیا کے دروازے پر شاگردون - غلامون - نوکرون اور گھوڑون کا ہجوم دیکھ کے اُسے اُس کی شہرت اور ہر دلعزیزی پر حسد معلوم ہوا - چند روز دل ہی دل مین سوچتا رہا کہ کس طرح اس ماہوش نازنین کو اپنے قبضے مین لاؤن؟ آخرکار اس کی کوئی صورت اُس کے خیال مین نہ آئی - وہ عیسائی تھا - اور پھر

پادری - جو شادی بھی نہیں کر سکتا - ہائی پے شیا ایک اسرائیلیہ عورت تھی - رفتہ رفتہ اُسکے عشق نے عداوت اور دشمنی کی صورت اختیار کرلی - اور اُس نے دل مین ٹھان لیا کہ جس سے مین نہ فائدہ اُٹھا سکون اُس سے کوئی اور بھی نہ فائدہ اُٹھانے - یہ خیال کرتے ہی وہ عام طور پر یہودیون کا دشمن ہوگیا اور اُن پر طرح طرح کے مظالم کرنے لگا - اب اُس نے ارادہ کیا کہ سارے یہودیون کو اسکندریہ سے نکال دے - اور اسکے لیے عجیب و غریب بہانے ڈھونڈھتا - ایک دن کھیلون اور تماشون مین عیسائیون اور یہودیون کے درمیان کچھ اختلاف پیدا ہوا - اور اس قدر بڑھا کہ سارے شہر مین ہنگامہ ہوگیا - اب سائرل کو اپنا بغض نکالنے کا کافی موقع مل گیا - کیونکہ یہودی باغی قرار دیدیے گئے -

عیسائیون مین بھی اس زمانے مین سخت اختلاف تھا - اور مذہبی تعصب اس قدر بڑھا ہوا تھا کہ ایک جماعت دوسرے کے خون کی پیاسی ہو رہی تھی - اتفاقاً اس زمانے مین اسکندریہ کا حاکم جو قیصر تھیوڈوسیوس کی جانب سے مقرر ہوا تھا سائرل کا ہمخیال نہ تھا - بلکہ اُسکے عقائد اس کے خلاف واقع ہوے تھے - ہائی پے شیا کے علم و فضل کا حال وہ پہلے ہی سُن چکا تھا - یہان آتے ہی اُس سے ملا - اور دونون مین باوجود مذہبی اختلاف کے بہت گہری دوستی قائم ہوگئی -

سائرل کے غصے کی کوئی انتہا نہ تھی - یہی کیا کم تھا کہ اُس کے اختیارات مین مداخلت کی گئی - اور ایک شخص شہر کا حاکم بنا کے بھیجدیا گیا - پھر جب اُس نے دیکھا کہ یہ شخص میرے خلاف ہائی پے شیا کا دوست ہے تو اُس سے نہ رہا گیا - اور طرح طرح کے بہانے ڈھونڈھنے لگا -

حاکم شہر نے ایک شخص کو جو سائرل کا طرفدار تھا پکڑ لیا اور اُسے تکلیفین دی گئین تاکہ اس ہنگامے کا حال بتادے جو یہودیون اور عیسائیون مین ہوا تھا - سائرل کے لیے یہ بہانہ کافی تھا - اُس نے عوام کو جوش دلایا اور یہودیون کے سنگاگ (عبادت گاہون) پر حملہ کردیا - یہودیون کے پاس نہ اسلحہ تھے اور نہ وہ اس حملے کے لیے تیار تھے - انکے عبادت خانے منہدم ہوگئے - مکان لوٹ لیے گئے اور پادری صاحب نے حکم دیدیا کہ یہودی شہر سے نکال دیے جائین -

شہر کا عامل ہائی پے شیا کا دوست تھا۔ اُس نے یہودیون کی طرفداری کی اور قیصر کے دربار مین شکایت کردی۔ لیکن سلطنت کی کمزوری کا زمانہ تھا۔ ایسے زبردست پادری کے خلاف کوئی کارروائی نہ کی جا سکی۔ اور کوشش کی گئی کہ دونون مین صلح ہو جائے۔ لیکن ابھی یہ معاملہ طے نہین ہونے پایا تھا کہ ایکدن عامل کی گاڑی شہر مین سے گذر رہی تھی کہ سائرل کے طرفدارون نے اُسپر حملہ کردیا۔ عامل کے ہمراہی سپاہی اُسے چھوڑ کے بھاگ گئے۔ لیکن شہر کے وفادار لوگون نے اُس کا ساتھ دیا اور پادریون کو مار کے ہٹا یا۔ اس ہنگامے مین عامل زخمی ہوا اور ایک پادری جو دُور سے کھڑا ہوا اُسکی طرف پتھر پھینک رہا تھا لوگون کے ہاتھ مین گرفتار ہوا۔ عوام نے جوش مین آکے اُسے قتل کر ڈالا اور اُسکی لاش ایک سولی پر لٹکا دی۔ پادری کے طرفدار اپنی یہ توہین نہ دیکھ سکے۔ جا کے اُسے اُتار لائے۔ اور بڑی شان و شوکت سے تجہیز و تکفین کا سامان کرنے لگے۔ خود سائرل نے اُس کی لاش کے پاس کھڑے ہو کے ایک تقریر کی جس مین بتایا کہ "یہ شخص خدا کی راہ مین شہید ہوا ہے"۔

مگر سائرل اب ہائی پے شیا کا سخت دشمن اور اُس کی تباہی کے درپے ہو گیا۔ لوگون مین مشہور ہوا کہ پادری اور عامل کے درمیان مین جو مخالفت ہے وہ ہائی پے شیا کی وجہ سے ہے۔ لہذا سائرل نے اپنے دل مین ارادہ کر لیا کہ ہائی پے شیا کسی طرح مار ڈالی جائے۔ اور اس کام کے لیے اُس نے گرجے کے ایک واعظ بطرس کو منتخب کیا۔ اور دینی جوش مین وہ اُس کے قتل کرنے پر آمادہ ہو گیا۔

اب ہائی پے شیا کا گھر سے نکلنا مشکل تھا۔ جس وقت وہ کہین جاتی لوگ اُس پر حملہ کرتے۔ لیکن شہر مین عامل کے طرفدار بھی موجود تھے جو اکثر بچا لیا کرتے۔ ایک روز وہ اپنے مکان سے کہین گئی تھی۔ بطرس کو اسکی خبر ہو گئی۔ بدمعاشون کی ایک جماعت کے ساتھ وہ اُس مکان کے دروازے کے پاس کھڑا ہو گیا۔ اور جیسے ہی ہائی پے شیا گاڑی سے اُتر کے مکان کے اندر جانے لگی اُسے پکڑ لیا اور گھسیٹتے ہوے ایک قریب کے گرجے مین لے گئے۔ سائرل کے حکم سے اُسی گرجے مین

بطرس نے ہائی پیے شیا پر طرح طرح کے مظالم کیے اور نہایت بے رحمی کے ساتھ اُسکے جسم کے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالے - پھر اُس کا گوشت ہڈیوں سے جدا کیا گیا اور اُسکی پھڑکتی ہوئی بوٹیاں آگ میں ڈال دی گئیں -

اس طرح ایک گئی اذام عالمہ و فاضلہ کا اپنے حسن کی بدولت خاتمہ ہوا -

عُلیّہ بنت مہدی

یہ آل عباس کے خاندان خلافت کی ایک صاحب جمال اور بڑی نامور خاتون تھی - خلیفہ مہدی عباسی کی بیٹی اور دو خلیفوں ہادی اور ہارون رشید کی بہن تھی - اُس کے سگے بھائی ابراہیم بن مہدی نے بھی بعہد مامون رشید خلافت کا دعویٰ کیا تھا - بلکہ مامون خراسان میں تھا کہ وہ بغداد میں مسند نشین خلافت ہو گیا - مگر اُس کی واپسی پر سطوت مامونی سے گھبرا کے بھاگا - ادھر اُدھر چھپتا پھرا - آخر گرفتار ہو کے آیا - اور اُس کا قصور معاف کیا گیا -

عُلیّہ اور ابراہیم کی ماں مکنونہ نام ایک عربیہ کنیز تھی جو موسیقی میں بڑا کمال رکھتی تھی - اور مروان نام ایک شوقین مغنی کی تیار کی ہوئی لونڈیاں جو گانے میں مستند سمجھی جاتی تھیں اور "جواری مروانیہ" کہلاتی تھیں اُنھیں میں اُسکا بھی شمار تھا - مگر اُن سب میں زیادہ حسین و نازنین وہی کہی جاتی تھی - مکنونہ پہلے عبید اللہ بن عباس کے پوتے حسین بن عبد اللہ کے پاس تھی - مدینے میں اُن کا قیام تھا - اور وہاں کے تمام گھروں میں شہرت تھی کہ مدینے کی کوئی لونڈی مکنونہ کے حسن و جمال کو نہیں پہونچ سکتی - اُسکے بعد وہ ابو جعفر منصور کی زندگی ہی میں اُس سے چھپا کے اُسی کے فرزند مہدی کے لیے ایک لاکھ درہم پر خریدی گئی - مہدی کی صحبتِ عیش میں آتے ہی اُسکے دل و دماغ پر اس قدر حاوی ہو گئی کہ محل کی تمام حرمیں اُسکی نظر سے گر گئیں - یہاں تک کہ اُس کی خاص ملکہ خیزران جو دو وارثانِ سلطنت ہادی اور رشید کی ماں تھی اکثر کہا کرتی تھی "مکنونہ سے زیادہ میرے حق میں کوئی عورت سخت و ناگوار نہ تھی" جب تک منصور زندہ رہا مہدی نے اُسے باپ کی نظر سے چھپایا - اور اُسے خبر بھی نہ ہونے دی کہ میرے مشکوے سلطنت میں ایک ایسی

پر یکمال و نادرۂ روزگار مہ جبین ہے۔

عُلیّہ اُس کے بطن سے ۱۷۸ھ میں اور اپنے باپ مہدی کے خاص ایام مسند نشینی خلافت میں پیدا ہوئی۔ ماں کی طرح وہ بھی نہایت ہی خوبصورت خوش وضع طلعت تھی۔ اچھی تعلیم کی وجہ سے بڑی صاحب ذوق تھی۔ بہت اچھے شعر کہتی تھی۔ اور شاعری و علمی تعلیم کے علاوہ ماں نے اُسے اور اُس کے بھائی ابراہیم کو موسیقی کی نہایت اعلیٰ درجے کی تعلیم دی تھی۔ عُلیّہ موسیقی میں کمال رکھنے کے علاوہ بڑی بذلہ سنج و سخن سنج تھی۔ خود ہی شعر کہتی اور اُن شعروں میں اپنی ذہانت و طباعی سے ایسی دُھنیں قائم کرتی کہ جو سنتا سر دُھننے لگتا۔ اُس کی شادی خاندان بنی عباس میں موسیٰ بن عیسیٰ کے ساتھ ہو گئی تھی۔ اُنھیں کے عقد نکاح میں رہی۔ اور اُس کی زندگی کا کوئی ایسا واقعہ نہیں ہے جس سے ظاہر ہوتا ہو کہ اُنھیں اُس سے یا اُس کو اُن سے کوئی شکایت تھی۔ عُلیّہ کی جبین نازنین ایک مسہ تھا جو کسی قدر عیب دیتا۔ اور خوبصورت گورے کھڑے پر چاند کا دھبا کلف بن کے نمودار ہوتا۔ اس عیب کے چھپانے کے لیے اُس نے اجوبۂ روزگار نظر فریب و مکلل جواہر سر پیچ ایجاد کیے جو اُس وقت کی سوسائٹی میں ایسے بھلے اور دلکش معلوم ہوئے کہ تمام شوقین و حسین امیر زادیوں کی وضع میں داخل ہو گئے۔ اور مؤرخوں میں سے اکثر مبصرین کا مقولہ تھا کہ "عورتوں نے فیشن اور وضع و لباس میں جتنی ایجادیں اور اختراعیں کی ہیں اُن میں ان سر پیچوں سے زیادہ بانکی اور مہذب کوئی چیز نہیں ہے"۔

اس حسن و جمال۔ اس بانکپن۔ اس خود آرائی۔ اس شاعری۔ اور اس سرود و غنا پر عُلیّہ نہایت ہی دیندار۔ متقی و پرہیزگار۔ اور پابند صوم و صلوٰۃ تھی۔ چنانچہ اُس کا معمول تھا کہ جب نماز سے معذور ہوتی اُس زمانے میں گاتی اور نبیذ پیتی۔ جو اُن دنوں بڑے بڑے مقدس لوگوں میں مروج ہو کے اُس عہد کی "شراب الصالحین" بن گئی تھی۔ غسل کرتے ہی فوراً تلاوت قرآن اور مطالعۂ کتب میں مصروف ہو جاتی۔ ان مشاغل سے جو وقت بچتا اُس کو شعر گوئی میں صرف کرتی۔ اس لیے کہ شاعری میں اُسے بڑا لطف آتا تھا۔ یہ اسکے مقررہ و معینہ اوقات

وشاغل تھے۔ جن کو خلیفہ کے حکم کے سوا اور کوئی چیز نہ بدل سکتی۔ اس لیے کہ جب خلیفہ بلاتا تو سو کام چھوڑ کے جانا پڑتا اور کوئی عذر کارگر نہ ہوتا۔ عُلیہ اکثر کہا کرتی کہ "خدا نے کوئی چیز حرام نہیں کی جس کا کوئی بہترین بدل حلال چیزوں میں سے نہ عطا کر دیا ہو۔ پھر بھلا گناہ اور مبتلائے معاصی اُس کے سامنے کیا عذر کر سکتا ہے؟" یہ بھی اُس کا قول تھا کہ "زندگی میں اگر میں نے کبھی کوئی فحش کام کیا ہو تو خدا میری نجات نکرے۔ اور میں جو یہ شعر کہا کرتی ہوں یہ بھی فقط تفنن طبع کے لیے ہے"

عُلیہ چونکہ ایک شاعرہ صاحب کمال تھی لہذا سنت شعرائے عرب کی تکمیل کے لیے یہ بھی ضروری تھا کہ کوئی خاص اُس کا معشوق ہو۔ جسکے خیال و جمال سے مدد لے کے وہ زور طبع دکھائے۔ شعرائے عرب کا معمول تھا کہ اول تو اُن کی خاص کوئی مقررہ معشوقہ ہوتی جس کا نام لے لے کے وہ اپنے اشعار میں اظہار ذوق وشوق کیا کرتے۔ دوسرے فطرت کے سچے تقاضے کے مطابق اُن کی معشوقہ کوئی پریجمال عورت ہوتی۔ شعرائے ہند و فارس کی طرح معشوق ایک عام حسین بے ریش و بروت امرد لڑکا نہ ہوا کرتا۔ یہاں تک کہ عجم و ہند کی عورتیں شعر کہتی ہیں تو وہ بھی اشعار میں اپنے آپ کو مرد ظاہر کرتی اور دیگر مرد شعرا کی طرح ایک کمسن لڑکے کی عاشق بن جاتی ہیں۔

غرض عُلیہ کے لیے بھی ضرور تھا کہ شاعری کی دنیا میں وہ ایک عاشقہ بنے۔ اور اپنا معشوق کسی خاص مرد کو قرار دے۔ چنانچہ رشید کے غلاموں میں سے طل اور رشا نام دو خوبصورت لڑکوں پر اظہار عشق کیا کرتی۔ اور اُن سے نظم میں مراسلت کرتی۔ مگر باوجود اسکے اُس زمانے کے کسی شخص کو کبھی اُسکی پاکبازی۔ پاکدامنی۔ اور عفت و عصمت میں شک و شبہ نہیں ہوا۔ اور سب جانتے تھے کہ یہ فقط سنت شاعری ادا کرنے۔ شعر و سخن میں عاشقانہ اثر پیدا کرنے۔ اور بقول اُسی کے محض تفنن طبع کے لیے تھا۔ رشا کی طرف مخاطب ہو کے اُس نے جو نظمیں کہی ہیں اُن میں سے بعض میں رشا کے عوض "زینب" کا فرضی نام ڈال دیا ہے۔ مگر طل کی نسبت اپنا شوق محبت کھلے الفاظ میں اور اُس کا نام لے کے کہا۔ طل کے معنی ہلکی پھوار کے ہیں اور مرد خوبرو کو بھی کہتے ہیں۔ طل کے ساتھ اُسکو اس قدر شغف

تھا کہ کبھی اسے اپنے عاشقانہ اشعار جو اُسی کی مدح مین ہوتے لکھ بھیجتی اور کبھی قریب بُلا کے اُس سے باتین کرتی۔ ایک دن قصر کے ایک پرنالے کے پاس جا کے کھڑی ہوئی۔ طل کو بُلایا۔ اور اپنے دو شعر اُسے سُنائے۔ اس کی خبر رشید کو پہونچ گئی۔ وہ اُس سے ملا اور کہا "بہن۔ دیکھو مین تمھین سمجھائے دیتا ہون کہ پھر کبھی طل سے نہ ملنا۔ نہ باتین کرنا۔ اور نہ کبھی اُس کا نام زبان پر لانا" علیہ نے قسم کھا کے اقرار کیا کہ مین آپ کے اس حکم کو بجا لاؤن گی۔ یہ قسم لینے کے بعد بھی رشید کے دل سے شبہہ نہ نکلتا تھا۔ اکثر خاموشی کے ساتھ علیہ کے کمرے کے پاس جاتا۔ اور کان لگا کے سنتا کہ کیا باتین کر رہی ہے اور کس سے باتین ہو رہی ہین؟ ایک دن گیا تو علیہ تلاوت کلام مجید مین مصروف تھی۔ اور ایسی خوش گوئی سے قرأت کر رہی تھی کہ رشید کا دل لگ گیا۔ دیر تک چپکا کھڑا سنتا رہا۔ علیہ سورۂ بقرہ پڑھ رہی تھی۔ پڑھتے پڑھتے جب اس آیت پر پہونچی "فان لم یصبھا وابل فطل" تو ساری آیت پڑھ گئی مگر "فطل" کے لفظ پر پہونچ کے بے اختیار اُس کی زبان سے نکلا "فالذی منعنا منہ امیر المومنین"۔ یعنی وہی جس سے امیر المومنین نے منع کیا ہے۔ اس واقعے کا رشید پر عجیب اثر ہوا۔ بیتاب ہو کے اندر گھس گیا۔ بہن کو گلے سے لگا لیا۔ اُسکی پیشانی چومی اور کہا "لو۔ مین نے طل تمھین کو دے ڈالا۔ اور اب اسکے بعد اُسکے ساتھ تمھارا جو چاہے سلوک رہے مین نہ روکون گا"

اس طل کے متعلق علیہ کی متعدد دلکش نظمین ہین۔ جن مین اُسی نے دھنین بھی قائم کی ہین۔ وہ سب عربی محفلون مین علی العموم گائی جاتی تھین اور بہت ہی مشہور و مقبول تھین۔

رشید کو علیہ سے بڑی محبت تھی۔ اور اکثر بغیر اُسکے لطف نہ آتا تھا۔ چنانچہ اُسکے عہد مین علیہ حج کو گئی تو رشید کو اُس کی مفارقت بہت گران گذری۔ واپسی مین وہ مقام طیرتاباذ مین کسی ضرورت سے دو چار روز ٹھہر گئی تو رشید ناراض ہوا۔ چنانچہ واپس آ کے علیہ نے معذرت مین چار شعر کہے جو ایک ہی بحر مین تھے۔ مگر دھن پہلے دو شعرون مین اور قائم کی اور دوسرے دو شعرون مین اور۔ ان اشعار کو اُن دنون مین علیہ کی خوش گلو اور موسیقی دان لونڈیون نے سُنایا تو رشید

بہت خوش ہوا۔ اور ساری خفگی بھول گیا۔

ابراہیم بن مہدی یعنی عُلیہ کے سگے بھائی کا بیٹا عبداللہ کہتا ہے کسی ضرورت سے رشید کو شہر رقہ میں جانا پڑا۔ وہاں پہونچ کے میری پھوپھی عُلیہ یاد آئیں۔ اُسی وقت اُنکے ماموں یزید بن منصور کو لکھا کہ "بہن عُلیہ کو یہاں میرے پاس بھیجدیجئے" یہ تحریر پہونچتے ہی پھوپھی اپنی محل میں سوار ہوکے شان و شکوہ سے روانہ ہوئیں۔ راستے میں اُنھوں نے دو شعر کہے جن میں سے پچھلے شعر کا مضمون یہ تھا کہ جس کے دیدار کی تمنا ہے اُس سے ملنے کا شوق نہ ہوتا تو میں اس دہشت و مشقت کے ساتھ بغداد سے نہ نکلتی"۔ یہ اشعار سُن کے رشید بہت خوش ہوا۔ اور اُس سے اور زیادہ محبت کرنے لگا۔

رشید کو عُلیہ کی شاعری و سخن فہمی کا تو پورا علم تھا مگر ابھی اس کی خبر نہ تھی کہ فن موسیقی میں بھی وہ اپنا جواب نہیں رکھتی ہے۔ اس سے واقف ہونے کا باعث یہ ہوا کہ ایک دن رشید کو بیٹھے بیٹھے ابراہیم موصلی سے ملنے کا شوق ہوا۔ جو اُس عہد کا سب سے بڑا صاحب کمال مغنی تھا۔ اور دربار میں اُس کی عزت علما و فضلا اور اکابر امرا کے برابر ہوتی تھی۔ بجائے اسکے کہ اُسے بُلوا بھیجے محل سے نکل کے سیدھا ڈیوڑھی پر گیا۔ پھاٹک سے باہر ہوتے ہی ایک چھوٹے گدھے پر سوار ہوا اور ابراہیم کے گھر کی راہ لی۔ خدام اور غلام دوڑتے ہوئے ساتھ چلے۔ ابراہیم کے دروازے پر پہونچا تو وہ باہر نکل آیا۔ دوڑ کے قدم چومے اور لیجا کے بٹھایا۔ یہاں رشید نے بعض لڑکیوں کی جھلک دیکھی جو اُسکے آتے ہی بھاگ گئی تھیں۔ ساتھ ہی نظر آیا کہ کئی سرود زمین پر بے قرینے پڑے ہیں۔ پوچھا "یہ سرود کیسے اور کس کے ہیں؟" ابراہیم نے پہلے ٹالا۔ مگر جب رشید کی طرف سے زیادہ اصرار ہوا تو عرض کیا "امیرالمومنین۔ دو لڑکیاں ہیں اُن کو میں موسیقی کی تعلیم دیتا ہوں۔ وہی یہ سرود چھوڑ کے بھاگ گئیں"۔ رشید نے کہا "اُنکو بلاؤ"۔ ابراہیم نے دونوں کو لاکے پیش کر دیا۔ رشید نے دیکھا تو وہ نہایت ہی خوش جمال و جادو نگاہ تھیں۔ ایک کو قریب بُلا کے کہا "کچھ گاؤ۔ دیکھوں تم نے کیا سیکھا ہے؟" اُس نے ایک راگ بہت ہی سنبھل کے گایا۔ رشید کو اُس کی دھن بے انتہا پسند آئی۔ ابراہیم

کی طرف دیکھ کے کہا "ابراہیم - کیا اچھے شعر ہین اور کیسی اچھی دھن ہے - یہ کس کے ہین؟ ابراہیم بولا "حضور مین نہین جانتا" تب اُس نے اُس لڑکی سے پوچھا تم بتاؤ یہ شعر کس کے ہین؟ اور یہ دُھن کس کی ہے؟" بولی "دونون میری بیوی کی ہین" پوچھا "تمھاری بیوی کون؟" عرض کیا "امیر المومنین کی ہمشیرہ عُلیہ" حیرت سے پھر پوچھا "نظم اور دُھن دونون اُن کی ہین؟" بولی "جی حضور دونون اُنھین کی" اس جواب پر رشید نے متاثر ہو کے سر جھکا لیا - اور تھوڑی دیر کے بعد سر اُٹھا کے دوسری کنیز سے کہا "اب تم اپنا گانا سناؤ" اُس نے ایک دوسرا نغمہ گایا - اُس کی نسبت بھی یہی واقعات پیش آئے - ابراہیم نے ٹالا اور چھپایا اور کنیز کے بیان سے کھُلا کہ وہ نظم اور نغمہ بھی عُلیہ ہی کے ایجاد ہین -

اس کے بعد رشید اُٹھ کے محل مین واپس آیا اور آتے وقت ابراہیم سے کہا "ان دونون کنیزون کو احتیاط اور حفاظت سے رکھنا" گھر پہونچ کے بجائے اپنے قصر مین آنے کے سیدھا عُلیہ کی محلسرا مین گیا - اُس کے پاس بیٹھ گیا اور کہا "بہن آج جی چاہا کہ تمھارے پاس بیٹھ کے نبیذ پیون" حکم کی دیر تھی - محفل عیش قائم ہو گئی - اور عُلیہ کی کنیزین حاضر ہو کے گانے بجانے لگین - رشید تھوڑی دیر تک تو اُن کا گانا سنتا رہا - پھر ایک مغنیہ لڑکی کے آغوش سے سر و اُٹھا کے اُس نے علیہ کی گود مین رکھ دیا - یہ دیکھ کے عُلیہ بہت گھبرائی - آج تک کبھی رشید کے سامنے نہین گائی تھی - کسی طرح جرأت نہ ہوتی تھی کہ صاحب تاج و تخت بھائی کے سامنے بیٹھ کے گائے - اسے متامل دیکھ کے ہارون رشید نے کہا "بہن تمھین والد مرحوم (مہدی) کی تربت کی قسم ضرور گاؤ" پوچھا "کیا گاؤن؟" رشید نے وہ چیز اور دُھن بتادی جو ابراہیم کے مکان پر پہلی کنیز کے گلے سے سُنی تھی - اب عُلیہ سمجھ گئی کہ بھائی کو میرے شوق موسیقی کی خبر ہو گئی - وہ اشعار گائے - اور جہان تک بنا محنت اور کوشش سے گائے - اسکے بعد رشید نے دوسری لونڈی والا گیت گوایا - اُس کو بھی گانا پڑا - اپنی عزیز بہن کی ایجاد کی ہوئی دُھنین خاص اُسی کے گلے سے سُن کے رشید اُٹھا - بہن کے سر پر بوسہ دیا - اور کہا "مجھے یہ خبر نہ تھی کہ تمھین یہ کمال بھی حاصل ہے" اور یہ سارا دن اسی صحبت

مین بسر کرکے واپس گیا۔

اس کے بعد رشید کا معمول ہو گیا تھا کہ جب جی گھبراتا عُلیہ کے پاس آکے کہتا "بہن کوئی نئی چیز سناؤ"۔ چنانچہ ایک دن ایسے ہی موقع پر عُلیہ نے کہا "آپ کی جان کی قسم مین کوئی اور چیز نہ سناؤن گی۔ مگر آپ کی مدح مین خود ہی شعر کہونگی۔ اور خود ہی اُن مین دُھن قائم کرکے سناؤن گی"۔ چنانچہ اسی وقت فی البدیہہ تین شعر کہے۔ اُن مین دُھن قائم کی۔ اور سنایا تو رشید کی یہ حالت تھی کہ محو ہو گیا۔ اور آپے سے باہر ہو گیا۔

رشید نے رے کا سفر کیا تو محض دلچسپی کے خیال سے عُلیہ کو ساتھ لے لیا۔ مقام فرج تک پہونچا تھا کہ عُلیہ کو گھر چھوٹنے کی تکلیف محسوس ہونے لگی۔ وطن اور صحبت ہاے وطن کی یاد مین دو پُرسوز و گداز شعر کہے جن کا مضمون یہ تھا کہ "غریب الوطن مقام فرج مین حسرت و الم کے ساتھ رو رہا ہے۔ یاران وطن اُسکی نظر سے اوجھل ہین۔ اور وطن کی طرف سے جب کوئی سوار آجاتا ہے تو وہ اُسکے پاس جا جاکے سونگھتا ہے کہ شاید بوے وطن آجائے"۔ یہ شعر ایسی مناسب موزون دُھن مین اُس نے خاص اپنے گلے سے رشید کو سنائے کہ وہ سمجھ گیا کہ بہن کو سوادِ عراق یاد آگئی۔ اور اُسی منزل سے اُسکو واپس کر دیا۔

ایک دن رشید کی خدمت مین ایک ایسی صاحب جمال و آفت روزگار کنیز پیش کی گئی جو خوبی و رعنائی اور تمیزداری و شائستگی مین نظیر نہ رکھتی تھی۔ رات کو وہ رشید کی صحبت عیش مین رہی۔ اور ایک ہی رات مین اُسکا ایسا اثر پڑا کہ صبح اُٹھتے ہی رشید نے حکم دیا کہ حریم خلافت مین جتنی گانے والی کنیزین ہین سب حاضر ہون۔ دم بھر مین تقریباً دو ہزار پری جمال مہ طلعتین جمع ہو گئین جو بہترین لباس پہنے تھین۔ مرصع زیورسے آراستہ تھین۔ اور سب سے کافر ماجرائی کی شان عیان تھی۔ ان مین سے کچھ تو ساقیہ تھین جو نبیذ کے جام پلاتین۔ باقی سب مغنیہ تھین۔ اس جشن طرب مین رشید اس نئی محبوبہ کے ساتھ بیٹھ کے جام عیش پینے لگا۔ اُمّ جعفر یعنی زبیدہ خاتون کو یہ حال معلوم ہوا تو دل ہی دل مین بہت کڑھی اور عُلیہ کو خبر کی کہ دیکھو تمھارے بھائی کا یہ رنگ ہے۔ ایک نئی عورت کے دام فریب مین ایسے پھنسے ہین

کہ سارے شکوے تعلقات بھلا دیے۔" عُلیّہ نے جواب میں کہلا بھیجا "بھابھی۔ آپ اپنا دل نہ تھوڑیے کیجیے۔ میں انھیں پھر آپ کا بنا دونگی۔ مگر آپ ایک کام کیجیے۔ اپنی تمام پرمال کنیزوں کو بھاری پوشاکیں پہنا کے میرے پاس بھیج دیجیے۔" زبیدہ نے یہی کیا۔ عُلیّہ نے دو نہایت ہی پُرجوش شعر کہے۔ اور ان میں اپنی طباعی سے ایسی دُھن قائم کی کہ سننے والے سنتے ہی بیتاب و از خود رفتہ ہو جائے۔ پھر وہ شعر اور دُھن زبیدہ کی اور اپنی تمام لونڈیوں کو خوب ازبر یاد کرا دیے۔ اور سب کو اپنے انتخاب سے خاص قسم کی بانکی پوشاکیں پہنائیں۔

اب عصر کا وقت ہو گیا تھا۔ اور رشید اُسی طرح اُس نئی محبوبہ کے ہم پہلو جشن طرب میں بیٹھا محو عیش تھا کہ ناگہاں ایک طرف سے عُلیّہ اور دوسری طرف سے زبیدہ اُس محفل میں برآمد ہوئیں۔ اور دونوں کے ساتھ دو ہزار رنگت دونگا ماہ پیکر کنیزیں تھیں اور ایسی عجیب و غریب وضع میں تھیں کہ رشید بہوت ہو گیا۔ وہ بہوت ہی تھا کہ اُن ماہ پیکر کنیزوں نے ستار بجا بجا کے اور سُر ملا کے وہ نغمہ گانا شروع کیا۔ اُس نغمے کا مضمون یہ تھا کہ "او بیوفا۔ تو نے مجھے چھوڑ دیا۔ مگر میرا دل تجھے نہیں چھوڑتا۔ اے آج مجھے چھوڑنے والے بتا تو سہی کہ اب کس سے ملنے کا ارادہ ہے؟" یہ نغمہ ہوش رُبا سنتے ہی رشید بیتاب و بیقرار ہو کے اُٹھ کھڑا ہوا اور عُلیّہ اور زبیدہ کے پاس آ کے کہنے لگا "آج سے زیادہ مسرت مجھے زندگی بھر نہیں نصیب ہوئی تھی۔" اور اس گھڑی اسیامت و بیخود ہو رہا تھا کہ بے اختیار حکم دیدیا کہ "خزانے میں جو کچھ ہو لُٹا دیا جائے۔ خبردار ایک درہم بھی باقی نہ رہے۔" چنانچہ کہتے ہیں کہ اُس تاریخ میں چھ کروڑ درہم لُٹائے گئے۔ جیسا کہ اُس وقت تک کسی تاجدار کے زمانے میں نہیں سنا گیا تھا۔

یحییٰ بن خالد کا پوتا بیان کرتا ہے کہ ایک دن میرے والد خلیفہ وقت کی تنہائی میں دادا جان سے بیان کر رہے تھے کہ رشید کی میرے حال پر کیا عنایتیں تھیں؟ اسی سلسلے میں ایک دن کا واقعہ انھوں نے یہ بیان کیا کہ میں چھوٹا اور کمسن لڑکا تھا۔ امیر المومنین رشید نے میرا ہاتھ پکڑ لیا۔ اور ایک کمرے کی طرف چلے۔ اُس سے گذر کے دوسرے کمرے کے دروازے پر پہنچے تو تمام خدام اور غلام جو ساتھ تھے

واپس چلے گئے۔ سب کے چلے جانے کے بعد اُنھوں نے وہ دروازہ کھولا۔ اور مجھے اندر لیجا کے وہ دروازہ اندر سے بند کر دیا۔ اب مجھے لیے ہوئے وہ ایک شاہانہ شان کے کمرے میں پہونچے۔ اس عالیشان دیوان خانے کے صدر میں ایک شہ نشین تھا۔ اُس شہ نشین پر چڑھ کے دروازے کے پاس وہ مجھے لے کے بیٹھ گئے اور ہاتھ سے دروازے پر دستک دی۔ ساتھ ہی مجھے اندر کچھ آہٹ معلوم ہوئی۔ اور اُنھوں نے دوبارہ دستک دی۔ فوراً ساز چھڑ گیا۔ اور سرود کی صدائے خوش الحان میرے کان میں آئی۔ یہ آواز سنتے ہی امیرالمومنین نے تیسری دستک دی۔ اور اندر سے گانے کی آواز سُنی جانے لگی۔ یہ کسی عورت کی نہایت ہی دلکش اور محو کر دینے والی آواز تھی۔ اور ایسا اچھا نغمہ تھا کہ مجھے معلوم ہوا نہ دنیا میں اس سے اچھا نغمہ ہو سکتا ہے اور نہ اس سے اچھا سرود بج سکتا ہے۔ یہ عورت جو ہماری آنکھوں سے اوجھل تھی کئی گیت گا چکی تو رشید نے کہا "اب ذرا میری ایجاد کی ہوئی دھن بھی سُنا دو۔" اُس نے وہ نغمہ شروع کیا۔ اب جوشِ مسرت سے میری یہ حالت تھی کہ بے اختیار جی چاہتا دیوار سے ٹکرا کے اپنا سر توڑ ڈالوں۔ اتنے میں امیرالمومنین نے ایک اور گیت کی فرمائش کی۔ اُس نے وہ بھی گایا۔ اور اب میری اور رشید کی دونوں کی یہ حالت تھی کہ گویا ہمیں حال آگیا ہے۔ دونوں کمال بیتابی سے کھڑے ہو کے ناچنے لگے۔ یہ نغمہ بھی ختم ہوا تو رشید نے کہا "بس اب چلو۔ ایسا نہ ہو کہ محویت اس سے بھی زیادہ بیخود و ذلیل کرے۔" اب وہ مجھے ساتھ لے کے اُٹھا۔ اور جب میں اندر کی دہلیز سے اُترنے لگا تو اُس نے کہا "تم نے پہچانا بھی یہ کون گا رہا تھا؟" میں نے عرض کیا "میں کیا جانوں۔" بولا "تم دل میں حیران ہو گے۔ اور بار بار یہی سوال تمھارے دل میں پیدا ہوتا ہوگا۔ مگر اس راز کو تم چھپا نہ سکو گے۔ خیر میں بتائے دیتا ہوں۔ یہ میری بہن عُلیہ بنت مہدی تھیں۔ لیکن یاد رکھو اگر کسی کے سامنے تم نے اس واقعے کو زبان سے نکالا اور مجھے خبر ہو گئی تو تمھیں زندہ نہ چھوڑوں گا۔" یہ واقعات سُن کے دادا جان بولے "مگر اب تو تم نے یہ راز فاش کر دیا۔ اپنی جان بچانے کی فکر کرو۔ ورنہ امیرالمومنین بے قتل کیے نہ چھوڑیں گے۔"

اس دلچسپ عہد کے صاحب کمال و نامور مغنی اسحٰق موصلی کا بیان ہے کہ ہارون رشید کے زمانے مین مین نے ایک نئی دھن نکالی - وہ مجھے کچھ ایسی دلکش اور بھلی معلوم ہوئی کہ خوب مشق کرکے ارادہ کیا کہ صبح ہوتے ہی امیر المومنین کی خدمت مین حاضر ہوکے سناؤن گا - صبح کو اسی ارادے سے چلا - اور در دولت کو جا رہا تھا کہ راستے مین عُلیہ کا خادم ملا - اور سلام کرکے کہنے لگا "بیوی نے آپ کو حکم دیا ہے کہ اسی وقت اُن کی ڈیوڑھی پر حاضر ہوکے ایک کنیز کے گلے سے ایک دھن سُن لین جسے وہ بتاتی ہے کہ آپ کے والد مرحوم سے حاصل کی تھی - اور اب اُس مین کچھ شک سا پڑ گیا ہے"۔ مین فوراً اُسکے ساتھ چلا گیا - وہان ایک تنہا کمرے مین بٹھایا گیا - پہلے دسترخوان اور کھانے پینے کی چیزین لائی گئین - اور جب مین سیر ہوکے ہاتھ دھو چکا تو ایک کنیز نے آکے کہا "بیوی فرماتی ہین کہ آپ اسوقت امیر المومنین کے پاس ایک نئی ایجاد کی ہوئی دھن سنانے کو جا رہے ہین - پہلے وہ دھن مجھے سنا دیجیے - اور اسکے معاوضے مین آپ کو بہت کچھ انعام ملے گا"۔ معلوم ہوتا ہے اُنھین کسی کنیز کے ذریعے سے خبر ہوگئی جو میرے پاس تعلیم پاتی تھی - مجبوراً مین نے وہ دھن گا کے سُنائی - اور اُنھون نے اُسکو بار بار گوا کے سُنا - اسکے بعد میرے سامنے بیس ہزار درہم اور بیس تھان لاکے رکھے گئے - اور پردے مین سے خود عُلیہ نے کہا "لو یہ تمھارا انعام ہے"۔

میری اُس دھن کو پہلے کچھ دیر تک چپکے چپکے وہ خود ادا کرتی رہین - پھر بولین "لے اب اس دھن کو مجھ سے بھی سُن لو"۔ یہ کہہ کے اُس نغمے کو اُنھون نے جو گایا تو دلکشی ہی اور تھی - مین نے بخدا ایسا دلکش اور مست کرنے والا نغمہ زندگی بھر نہین سُنا تھا - سُنا کر وہ پوچھنے لگین "بتاؤ مین نے کیسا گایا؟" مین نے عرض کیا "باللہ العظیم مین نے آج وہ نغمہ سُنا ہے جیسا زندگی بھر نہین سُنا تھا"۔ اب عُلیہ نے اپنی ایک کنیز سے کہا "لو اب تم بھی انھین اِن کی یہی نئی دھن اپنے گلے سے سُنا دو"۔ اُس نے بھی سُنائی - اور جب سُنا چکی تو دوبارہ میرے سامنے بیس ہزار درہم اور بیس تھان لاکے رکھے گئے - ساتھ ہی عُلیہ پردے کی آڑ سے بولین "وہ پہلے تو انعام تھا اور یہ اُس دھن کی قیمت ہے جس کو مین نے تم سے لے لیا - اب

مین امیر المومنین کے پاس جاتی ہون۔ سب سے پہلے یہی دھن سناؤنگی اور کہون گی کہ اسے مین نے ایجاد کیا ہے۔ لیکن اگر کبھی تم نے کسی کے سامنے زبان سے نکالا کہ یہ تمھاری نکالی ہوئی دھن تھی تو فوراً قتل کرا ڈالون گی"۔

اس واقعے کے بعد مین پچھتاتا ہوا عُلیّہ کی ڈیوڑھی سے نکلا۔ مجھے انعام کی اتنی خوشی نہ تھی جتنا اس دھن کے چھن جانے کا ملال تھا۔ مگر عُلیّہ رشید کی بہن تھی اُس سے خوف بھی تھا۔ اور اُس کی ہیبت اس قدر چھائی تھی کہ اور کسی کے سامنے گلے سے ادا کرنا درکنار مجھے اُس دھن کا خیال بھی آجاتا تو کانپنے لگتا۔ کہ کسی کو خبر نہ ہو جائے۔ یہان تک کہ مامون رشید کے عہد مین عُلیّہ کا انتقال ہوگیا۔ اور اُسکے سوگ کے بعد مامون نے جو پہلی صحبت طرب قائم کی اُس مین مین نے سب کے پہلے وہی دھن گا کے سنائی۔ سنتے ہی مامون کی رنگت بدل گئی۔ اس دھن کو وہ عُلیّہ کے گلے سے سُن چکا تھا۔ غصے کے ساتھ مجھ سے پوچھا "تمھین یہ دھن کہان سے ملی؟" عرض کیا "جان کی امان ہو تو سچ سچ عرض کرون"۔ اُس نے امان دینے کا وعدہ کیا۔ اور مین نے ساری سرگذشت کہہ سنائی۔ تمام واقعات سُن کے مامون نے کہا "او کینہ ور کمظرف! اب بھی تجھے اس واقعے کا ظاہر کرنا مناسب نہ تھا۔ تو نے اُس معاوضے پر کیون نہ قناعت کی جو تجھے مل چکا تھا؟" مامون کی یہ تقریر سُن کے مین نے قسم کھائی کہ پھر کبھی اس نغمے کو نہ گاؤن گا۔

اُس دور کی نامور مغنیہ زرقا کہتی ہے ایک دن مین امیر المومنین ہارون رشید کی صحبت طرب مین تھی۔ وہ اور اُن کے بھائی منصور دونون بیٹھے نبیذ کے جام پی رہے تھے اور عیش و طرب مین مصروف تھے کہ عُلیّہ کی لونڈی غلوب آئی۔ مگر اس شان سے کہ دو خوشرو کنیزین اُسکے آگے آگے تھین جن کے ہاتھون مین نبیذ کے لبریز جام تھے۔ پیچھے بھی ایک ماہ پیکر کنیز تھی جسکے ہاتھ مین سرود تھا۔ امیر المومنین کا سامنا ہوتے ہی اُس نے سرود چھیڑا اور غلوب نے ایسی بر انگیختہ کر دینے والی مستانہ دھن مین چند شعر گائے کہ صحبت کو محو کر دیا۔ یہ نغمہ گاتے ہی گاتے اُسنے دونون بھائیون کو وہ دونون جام نبیذ دیے۔ اور ادب سے بڑھ کے ایک رقعہ رشید کے ہاتھ مین دیا۔ رشید نے پڑھا تو اُس مین لکھا تھا "یا سیدی۔ آپ کی

بہن نے آج یہ دُھن ایجاد کی ہے۔ اور لونڈیون کو اُس کی تعلیم دے کے خدمت مین پیش کر دیا۔ خدا آپ کی مسرت کو برقرار رکھے اور آپ کے عیش کو پائدار رکھے"۔

ایک دن عُلیہ نے عید کی مبارکباد مین دو شعر کہے اُن مین خود ایجاد کر کے ایک روح افزا و مسرت بخش دُھن قائم کی اور خود آکے بھائی کو خاص اپنے گلے سے ادا کر کے سنائے۔ رشید بے انتہا مسرور ہوا۔ وہ دُھن عام محفلون مین مشہور ہو گئی۔ یہان تک کہ مدتون کے بعد ایک عید کے جشن مین عریب مغنیہ نے وہ دُھن اس خوبی سے معتمد علی اللہ کو سُنائی کہ وہ مارے خوشی کے مست ہو گیا اور بیخودی مین عریب کو تیس ہزار درہم انعام مین دے ڈالے۔

رشید کے ساتھ عُلیہ کو بڑی محبت تھی۔ اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ جیسے اُس کا سارا عیش اُسی کے دم سے وابستہ ہے۔ جب ہارون رشید نے سفر آخرت کیا تو اُسے بڑا بھاری صدمہ ہوا۔ حد سے زیادہ روئی پیٹی۔ نبیذ پینا چھوڑ دی۔ اور گانا بھی چھوڑ دیا۔ مگر امین الرشید نے بہت اصرار کیا کہ پھر گائیے۔ اب وہی خلیفہ تھا اور اُس کی مخالفت اندیشے سے خالی نہ تھی۔ جبراً و قہراً گایا۔ مگر جو شعر کہے اور اُن مین جو دُھنین قائم کین دونون سے مجبوری و معذوری کے اظہار کے ساتھ بلا کی حسرتناکی ظاہر ہوتی تھی۔

مگر امین کے بعد جب مامون رشید مسند نشین خلافت ہوا تو وہ ہر علم و فن کا اتنا بڑا مربی تھا کہ اُسکے دربار مین ایک سے ایک بڑا صاحب کمال موجود تھا اور اُس کی حد سے زیادہ قدر ہوتی تھی۔ مامون نے عُلیہ کے ساتھ ایک ایسی خُردانہ محبت ظاہر کی اور اس خوبی کے ساتھ اُس کی دلدہی و قدر کرنے لگا کہ اُسے مرحوم بھائی رشید کی یاد بھولنے لگی۔ اور مامون کے خوش کرنے کے لیے پھر اُسے فن موسیقی مین اپنے کمالات ظاہر کرنا پڑے۔ مگر اسپر بھی یہ کبھی نہین ہوا کہ عُلیہ نے مامون کی خوشامد اور اُسکے خوش کرنے کے لیے کوئی قصیدہ کہا ہو یا کوئی نغمہ ایجاد کیا ہو۔ ہان اُس نے اپنا وہ نہ گانے کا عہد البتہ توڑ دیا۔

چنانچہ رشید کا بیٹا ابو احمد لکھتا ہے مین ایک دن مامون کی پرائیوٹ صحبت مین بیٹھا ہوا تھا اور میرے برابر میرے دونون چچا منصور اور ابراہیم تھے۔ اتنے

مین عُلیہ کا غلام یاسر آیا۔ اور مامون کے کان مین کچھ کہا۔ مامون نے سُن کے ابراہیم کو اشارہ کیا۔ وہ اُٹھ کے ایک پردے کے اندر چلے گئے جو حرم کی جانب دیوان خاص سے ملا ہوا تھا۔ اُنھین گئے چند لمحے ہوئے تھے کہ یکایک ایسے نغمۂ دلکش کی آواز کان مین آئی کہ مین بے اختیار جھومنے لگا۔ مامون نے پوچھا "جھومتے کیون ہو؟" عرض کیا "ایسا نغمہ سُن رہا ہون کہ آواب دربار بھی بھولے جاتے ہین۔ زندگی بھر کبھی ایسا نغمہ سنا نہین سُنا تھا۔" اُس نے کہا "یہ تمھاری پھوپھی عُلیہ تمھارے چچا ابراہیم سے ایک دُھن مین مقابلہ کر رہی ہین۔"

عُلیہ کے سگے بھائی ابراہیم بھی موسیقی مین اعلیٰ ترین کمال رکھتے تھے۔ اور اس فن مین سوا اسحٰق موصلی کے اور کوئی اُن کا مقابلہ نہ کر سکتا تھا۔ اور ان دونون بہن بھائیون کے ایسے صاحب کمال موسیقی دان ہونے کی وجہ سے اُس زمانے کے بعض اکابر اسلام کا دعویٰ تھا کہ "اسلام مین کوئی ایسے دو بہن بھائی نہین پیدا ہوے جو ایک ہی فن مین اتنا اعلیٰ پایہ رکھتے ہون۔ نہ موسیقی مین کوئی عورت عُلیہ کی ہم پلہ تھی اور نہ کوئی مرد ابراہیم کا ہم رتبہ تھا۔ اور لطف یہ کہ موسیقی کے بڑے بڑے اُستاد عُلیہ کو ابراہیم پر ترجیح دیتے تھے۔

یہی ابراہیم بن مہدی کہتے ہین کہ مجھے جیسی ندامت ایک دن بن عُلیہ کے سامنے ہوئی زندگی بھر نہین ہوئی تھی۔ وہ کچھ بیمار تھین۔ مین عیادت کو گیا۔ پوچھا "بہن کیسی ہو؟ اور کیا حال ہے؟" اُنھون نے جواب دیا "الحمد للہ اچھی ہون۔" وہ یہ کہہ رہی تھین کہ میری نظر ایک آفت روزگار و ماہ پارہ کنیز کے چہرے پر پڑ گئی جو اُنکے پیچھے کھڑی مکھی رانی کر رہی تھی۔ اُس کا پیارا مکھڑا مجھے ایسا بھلا معلوم ہوا کہ اُس کے دیکھنے مین محو اور دنیا و مافیہا سے بیخبر ہو گیا۔ اس محویت سے یکایک چونکا اور بہن کی طرف متوجہ ہو کے پھر پوچھا "آپ کیسی ہین؟ اور کیسا مزاج ہے؟" میرے اس سوال پر اُنھون نے سر اُٹھایا۔ مڑ کے اپنی اُس کنیز کو دیکھا اور پھر لیٹ کے مجھ سے کہا "ایک بار یہی تم مجھ سے پوچھ چکے اور مین اس کا جواب بھی دے چکی۔" اُن کے ان الفاظ سے مجھ پر گھڑون پانی پڑ گیا۔ اور مارے ندامت کے اُٹھ کر چلا آیا۔

ایک بار مرحوم خلیفہ ہادی کا بیٹا اسمٰعیل مامون کے پاس گیا تو وہان زنانی

حرم سرا کی طرف سے ایک ایسا نغمہ دلکش و روح افزا سنا کہ مست ہو گیا۔ اور ہوش و حواس بیگانہ رہے۔ مامون نے یہ حالت دیکھ کے پوچھا "کیوں؟ خیریت تو ہے؟" اُس نے عرض کیا "امیر المومنین۔ ایسا نغمہ سُن رہا ہوں کہ بیخود ہوا جاتا ہوں۔ آج معلوم ہوا کہ لوگ جو کہتے ہیں کہ ارغنون رومی کا نغمہ سُن کے انسان کو شادی مرگ ہو جاتا ہے بالکل صحیح ہے۔ اب مجھے اس کا یقین ہو گیا۔" مامون نے پوچھا "اور کچھ سمجھے بھی کہ یہ ہے کیا؟" مین نے عرض کیا "خدا کی قسم نہین سمجھا۔" کہا "یہ تمھاری پھوپھی عُلیہ ہین جو تمھارے چچا ابراہیم کو اپنی دھُن سکھا رہی ہین۔"

اگرچہ موسیقی نے بظاہر عُلیہ کی شاعری کو مغلوب کر لیا تھا۔ اس لیے کہ اُسکے جتنے اشعار سُنے گئے ہین سب گانے اور اُن مین دھُنین قائم کرنے کے لیے تھے۔ مگر نہین۔ وہ پوری شاعرہ تھی۔ اُسکے کلام کو موسیقی سے عُریٰ کر کے دیکھیے تو پورے کمالات شاعری کا پتہ چلتا ہے۔ وہ فی البدیہہ کہتی تھی اور بہت اچھا کہتی تھی۔ چنانچہ اپنے بھائی عُتبی بن مہدی کی بیٹی لُبابہ کی تعریف مین اُس نے دو ایسے پاکیزہ شعر کہے کہ جس نے سُنے داد دینے لگا۔

اسکی ڈیوڑھی پر ایک داروغہ تھا سباع۔ عُلیہ کو اُس کی بددیانتی کی خبر پہنچی اُسے پٹوایا اور قید کر دیا۔ محلے والون کو اُس شخص سے ہمدردی تھی سب نے مل کی اُس کی سفارش مین ایک عرضی عُلیہ کے ملاحظے مین پیش کی۔ عُلیہ نے اُس عرضی پر فی البدیہہ تین شعر کہہ کے لکھ دیے۔ جن سے جواب شافی ملتا تھا کہ "سباع قابل اعتبار نہین۔ اُس کا جُرم ثابت ہے۔ اور اُس کی سفارش بے محل اور بے وجہ ہے۔"

مامون رشید ہی کے زمانے ۲۱۰ھ مین عُلیہ نے پچاس برس کی عمر مین انتقال کیا۔ ابھی اُسکے مرنے کے دن نہ تھے۔ مگر ایک ایسا عجیب واقعہ پیش آ گیا کہ عُلیہ کو مارے غیرت کے دنیا سے منہ چھپا لینا پڑا۔ ہوا یہ کہ مامون کے اصرار سے اُس نے ایک نغمہ گایا۔ اُس کی دھُن ایسی دلکش اور بیخود کر دینے والی تھی کہ مامون بیخود ہو کے اُٹھ کھڑا ہوا اور بے اختیار پھوپھی کو گلے سے لگا کے پیار کر لیا۔

اگرچہ اس حالت میں بھی عُلیہ کے منہ پر نقاب تھی اور نامحرموں کے ہونٹ اُس کے ہونٹوں سے مَس نہیں ہوئے۔ مگر عُلیہ کے دل کو ندامت کا ایسا شدید دھچکا پہونچا کہ اُسی وقت بخار چڑھ آیا۔ اور اس بخار اور کھانسی نے تین ہی چار روز کے اندر اُس کی زندگی کا چراغ گُل کر دیا۔

سچ یہ ہے کہ ایک پاکدامن امیرزادی کے لیے اس سے زیادہ شریفانہ موت نہیں ہو سکتی۔

مگر مرنے کے بعد بھی عُلیہ ایسی مضمون عام اور نادر روزگار یادگاریں چھوڑ گئی تھی کہ خلافت عرب کی مہذب اور امیرانہ صحبتوں میں ہمیشہ اُس کی یاد تازہ رہتی اور ہر محفل طرب میں اُس کا نام عزت سے لیا جاتا۔

زمانہ مابعد میں شہرت پانے والی مغنیہ عرب غریب کہا کرتی تھی کہ میری زندگی میں سب سے بہتر اور دلکش وہ دن تھا جس دن میں عُلیہ کی صحبت میں گئی۔ اُنکے بھائی ابراہیم اور یعقوب بھی اُنکے پاس بیٹھے تھے۔ یعقوب سُر دینے میں اپنا جواب نہ رکھتے تھے۔ چنانچہ وہ سُر دینے لگے اور عُلیہ نے اُس اپنی ایجاد کی ہوئی دھنیں گانا شروع کیں۔ اُنکے بھائی ابراہیم نے چند اپنی دھنیں گائیں۔ اور یعقوب اُنکے ساتھ بھی سُر دینے لگے۔" یہ واقعہ بیان کرکے غریب کہنے لگی" ایسا نغمہ دلکش میں نے کبھی زندگی میں نہ اُس سے پہلے سُنا تھا۔ نہ اُسکے بعد سُنا۔ اور نہ آیندہ سننے کی اُمید ہے"

بعد کے بعض خلفائے آل عباس اس بات کو چھپانا چاہتے تھے کہ اُنکے خاندان کی ایک محترم خاتون گانا بجاتی تھی۔ چنانچہ موسیٰ ہادی کا پوتا محمد بن اسمٰعیل کہتا ہے ایک دن میں معتصم باللہ کی صحبت عیش میں شریک تھا۔ مشہور مغنیوں میں سے مخارق۔ علویہ۔ محمد بن حارث اور عُقید بیٹھے ہوئے تھے۔ عقید گا رہی تھی اور میں سرود چھیڑتا تھا۔ گاتے گاتے اُس نے ایک چیز گائی جس کا مضمون یہ تھا کہ" ملامت کرنے والے تھک کے سو گئے۔ اور میری آنکھ نہ لگی۔ میرے مرض سے شکایت کرنے والے تیمارداروں کو شفا ہو گئی۔ اور میری وہی حالت ہے" یہ نغمہ سُن کے معتصم انتہا سے زیادہ محظوظ ہوا۔ اور پوچھا" یہ کس کے اشعار

ہیں؟ اور کس کی بنائی ہوئی دھن ہے؟" جواب میں اور سب تو خاموش رہے مگر میں گستاخ بول اٹھا "دونوں چیزیں علیہ کی ہیں" سنتے ہی معتصم نے میری طرف سے منہ پھیر لیا۔ ساری محفل میں سناٹا چھا گیا۔ اور میں اب سمجھا کہ مجھ سے غلطی ہو گئی جو علیہ کا نام زبان سے نکالا۔ میری ندامت کو آخر معتصم نے محسوس کیا اور کہا "تم پریشان نہ ہو۔ اس کا جواب مجھ پر پڑتا ہے وہی تم پر بھی پڑتا ہے"۔

مگر خلیفہ منتصر کی یہ حالت نہ تھی۔ اس کا مذاق ہی اور تھا۔ اسکی محفل طرب میں مغنیہ نے ایک دلکش نغمہ گایا۔ جس کے اشعار کا مضمون یہ تھا کہ "قصر ترک کی ملکہ! اور بادشاہ ورنا! دونوں کی حاضر! اللہ ہمارے قتل سے درگذر۔ ہم نہ دیکھیں نہ ترک"۔ یہ نغمہ گا کے بے اختیار ہنس پڑی۔ منتصر نے پوچھا "اس میں ہنسنے کی کون بات تھی؟" عرض کیا "مجھے یہ خیال کر کے ہنسی آئی کہ اس گیت کا مصنف کتنا بڑا معزز شخص تھا۔ دھن قائم کرنے والا کس پایے کا تھا؟ اور سننے والا کتنا بڑا شخص ہے؟" منتصر نے کہا "صاف صاف بیان کرو کہ مجھے بھی لطف آئے"۔ عرض کیا "یہ شعر ہارون رشید کا ہے۔ دھن علیہ بنت مہدی کی ہے۔ اور سننے والے امیر المومنین المنتصر باللہ ہیں"۔ جواب منتصر کو بہت پسند آیا چنانچہ اس نغمے کو وہ اکثر مغنیوں سے بار بار گوا کے سنا کرتا۔

عریب کا شاگرد میمون بن ہارون منجی کہتا ہے "میں نے ایک دن خواب میں دیکھا کہ علیہ بنت مہدی میرے سامنے آئی ہیں اور میں ان سے پوچھ رہا ہوں کہ خاص آپ کی ایجاد کی ہوئی کتنی دھنیں ہیں؟ انھوں نے بتایا پچاس سے زیادہ اسکے بعد میں نے اپنی گانے کی استانی عریب سے اس خواب کا تذکرہ کیا تو وہ بولیں "بیشک انکی دھنیں اتنی ہی ہیں"۔

متوکل کے عہد میں ایک مقبول و مشہور مغنیہ تھی خشف واضحیہ۔ اس سے اور عریب سے متوکل کے سامنے اس پر اختلاف ہوا کہ علیہ کی نکالی ہوئی کتنی دھنیں ہیں؟ خشف نے تہتر دھنیں بتائیں۔ عریب نے کہا "نہیں بہتر ہی ہیں" متوکل نے کہا "اس کی سند نہیں۔ ان کی وہ سب دھنیں مجھے گا کے سناؤ"۔ دونوں نے علیہ کی دھنوں کو گانا شروع کیا۔ یہاں تک کہ پوری بہتر دھنیں گا گئیں تہتر ویں

دھن خشف نے حافظے پر لاکھ زور ڈالا نہ یاد آئی۔ اور عریب کے مقابل اُسے خفیف ہونا پڑا۔ نہایت ہی دل شکستہ گھر مین آئی۔ رات کو خواب مین کیا دیکھتی ہے کہ علیہ آئی ہین اور کہہ رہی ہین کہ "خشف۔ عریب نے تم سے اختلاف تو کیا مگر حق پر تم ہی تھین۔ میری وہ دُھن جس کو تم بھول گئین یہ ہے"۔ یہ کہہ کے اُنھون نے وہ دھن گا کے بتائی۔ اور اس طرح گائی کہ میرے دل پر نقش ہوگئی۔ اور جیسا انھون نے گایا ویسا نغمہ مین نے زندگی بھر نہین سُنا تھا۔ اس خواب مین علیہ نے مجھے اور بھی بہت سے رموز موسیقی بتائے۔

صبح کو مین اُٹھی تو مارے خوشی کے جامے سے باہر تھی۔ سویرے ہی متوکل کی خدمت مین حاضر ہوئی۔ خواب کا واقعہ بیان کرکے وہ دُھن سنا دی۔ عریب بھی بلوائی گئی تھی۔ اُس نے سُن کر کہا "اس دھن کو تو مین مانے لیتی ہون کہ علیہ کی ہے۔ مگر یہ خواب تمھارا تصنیف کیا ہوا معلوم ہوتا ہے"۔ مین نے اسپر قسمین کھائین تو خلیفہ کو یقین آیا اور اُنھون نے تسلیم کرلیا کہ واقعی مجھے رات کو علیہ کی زیارت نصیب ہوئی۔

خرقاء

یہ بھی عرب کی ایک مشہور و معروف معشوقہ تھی۔ یون تو ہر زبان کے ادب، انشا اور ہر قوم کی شاعری مین چند معشوقائین مشہور ہوتی ہین مگر عرب مین چونکہ ہر شاعر کو اپنی شاعری کے لیے کسی خاص محبوبہ کی ضرورت پیش آیا کرتی تھی اس لیے جتنی مہ جبین دلربائین عرب مین مشہور ہوئین اور کسی زبان مین نہین مشہور ہوسکین۔

خرقاء کا عاشق صادق ذوالرمہ شاعر تھا جس کا کلام بہت مقبول و مشہور ہے۔ اور وہ سارا کلام دراصل اسی مہ جبین ناز آفرین خرقاء کے حسن و جمال کا آئینہ ہے۔ ذوالرمہ کی وفات کے بعد خرقاء مدت تک زندہ رہی۔ اور بہت بوڑھی ہوکے مری۔ آخر عمر مین اُسے ضرورت تھی کہ اُسکی بیٹی کی نسبت کسی اچھی گھر مین ہوجائے۔ اس خیال سے کوشش کی کہ اُس کی اگلی شہرت پھر زندہ ہو۔ چنانچہ اُس وقت کے ایک دوسرے شاعر قحیف بن حمیر کے پاس کہلا بھیجا کہ میرے حُسن کی تعریف اور میرے

عشق کے اظہار مین چند نظمین کہہ کے مشہور کردو۔ نحیف نے فوراً اُسکے حکم کی تعمیل کی اور دنیائے شعر و سخن کی اس محترم ملکہ کا نام عرب کی زندہ دل سوسائٹی مین از سر نو روشن کر دیا۔

اسی نحیف کا بھتیجا حجاج کہتا ہے مین حج کو گیا تھا واپسی مین میرا گذر اُس مقام پر ہوا جہان خرقاء رہتی تھی۔ اُن دنون وہ نہایت ہی بوڑھی تھی۔ اور عہد شباب کی اُن دلربائیون کا کہین پتہ نہ تھا جنھون نے ذوالرمہ کو دیوانہ بنا دیا تھا۔ میرا اُس کا سامنا ہوا تو پوچھنے لگی "حج سے آرہے ہو؟" مین نے کہا "جی ہان" مسکرا کے پوچھنے لگی "اور تمھارا حج ہو بھی؟" مین نے جواب دیا "الحمد للہ کہ خدا نے حج پورا کرا دیا" بولی "جھوٹے ہو۔ تمھارا حج ہرگز نہین ہوا" مین نے حیرت کے ساتھ دریافت کیا "کیون؟" کہنے لگی "اس لیے کہ ذوالرمہ کہتا ہے۔

تمامُ الحجِ أن تقفَ المطايا على خرقاءَ واضعةِ اللثامِ

مطلب یہ کہ حج اُسوقت پورا ہوتا ہے جب راہلے خرقاء کے سامنے آکے ٹھہرین اور وہ بے نقاب نظر آئے۔

مین نے ہنس کے کہا "یہ اُن دنون کا ذکر ہے جب تم جوان تھین۔ شباب کا زمانہ تھا۔ زور نگاہین تمھارے جمالِ جہان آرا کی زیارت کی مشتاق تھین۔ اب تم مین نہ وہ اگلی نگاہ دلدوز ہے۔ اور نہ وہ پرانی کشش دل افروز۔ بولی "غلط کہتے ہو۔ اپنے چچا نحیف کا شعر یاد کرو جو کہتے ہین۔

وخرقاءُ لا تزدادُ إلا ملاحةً ولو عمّرت بعمرِ نوحٍ وجلّت

مطلب یہ کہ خرقاء چاہے بڑی لمبی عمر کو پہونچے۔ عمر نوح پائے۔ اور بوڑھی پھونس ہو جائے مگر اُس کا حسن و جمال روز بروز بڑھتا ہی جائے گا۔

یہ سُن کے حجاج سے جواب نہ بن پڑا۔ اور اُس سے رخصت ہو کے آگے کی راہ لی۔

عائشہ بنت طلحہ

(۱)

یہ عہد تابعین کی بڑی شریف النسب۔ زندہ دل۔ پارسا۔ و صاحب جمال خاتون

تھیں۔ اُن کا پہلا شرف یہ تھا کہ حضرت طلحہ بن عبداللہ کی صاحبزادی تھیں جنکا شمار عشرۂ مبشرہ میں ہے۔ دوسرا شرف یہ کہ اُنکی والدہ محترمہ اُم کلثوم حضرت ابوبکر صدیق کی بیٹی تھیں۔ جن کے وسیلے سے انھیں حضرت صدیق اکبر کی نواسی اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی بھانجی ہونے کا شرف حاصل ہے۔ اسکے سوا تیسرا فخر اُنکا یہ ہے کہ حضرت حسین علیہا السلام کی سالی تھیں۔ اس لیے کہ اُنکی بہن اُم اسحٰق کے ساتھ پہلے حضرت امام حسن علیہ السلام بیاہے گئے اور اُنکے بعد جناب امام حسین علیہ السلام نے نکاح کیا۔ اور دونوں ماموں کو خدا نے اُنکی بہن سے اولاد عطا کی۔ اسلیے کہ امام حسن کے فرزند طلحہ اور امام حسین کی صاحبزادی فاطمہ انھیں کے بطن سے پیدا ہوئی تھیں۔

عائشہ بنت طلحہ کا حسن و جمال اُن دنوں شرفاء و معززین عرب میں نہایت مشہور تھا۔ اور علی العموم اہل سیر کہتے ہیں کہ اُنکی صورت اُن کی خالہ عائشہ صدیقہ سے بہت ملتی تھی۔ اور حضرت عائشہ کو اُن سے محبت بھی ویسی ہی تھی۔ چنانچہ انھوں نے اپنی ان خوبصورت و پری تمثال بھانجی کا عقد اپنے سگے بھتیجے عبداللہ بن عبدالرحمٰن بن ابی بکر کے ساتھ کر دیا۔ اُن سے عائشہ بنت طلحہ کو خدا نے پہلے جو فرزند دیا اس کا نام عمران تھا۔ اور اسی کی نسبت سے اُنھوں نے اپنی کنیت اُم عمران رکھی۔ عمران کے علاوہ انھیں اپنے شوہر سے خدا نے تین اور اولادیں بھی دی تھیں۔ جن کے نام نامی ابوبکر۔ طلحہ۔ اور نفیسہ ہیں۔ اُن کی صاحبزادی نفیسہ بھی حسن و جمال میں بے نظیر تھیں۔ چنانچہ ولید بن عبدالملک کے ساتھ نکاح ہونے کے بعد وہ خلافت بنی اُمیہ کی ایک عالی وقار ملکہ بن گئیں۔

عائشہ بنت طلحہ باوجود پارسا و پرہیزگار ہونے کے بڑی ناز آفرین بیوی تھیں شوہر کا دبا و مشکل سے مانتیں۔ اور جیسی زندہ دل۔ شوخ طبع تھیں ویسی ہی نازک مزاج اور زبان کی تیز بھی تھیں۔ عام مرجعیت و مقبولیت اور اُسکے ساتھ دولت و امارت نے ان جذبات کو بڑھا دیا تھا۔ انھیں خاندانی قرابت بنی تمیم سے تھی۔ اور بنی تمیم کی عورتوں کی یہ شان سارے عرب میں مشہور تھی کہ ایک طرف تو اپنے شوہروں کی نہایت محبوبہ اور لاڈلی بیوی ہوتیں اور دوسری طرف نہایت ہی زبان دراز

اور تیز ہو گئیں۔ یہی صفت ایک حد تک ان محترم بیوی میں بھی موجود تھی۔

یہ حال ان کی ان اُم المومنین کا تھا۔ جن دنوں وہ حضرت امام حسین علیہ السلام کے عقد نکاح میں تھیں وہ اُن بیوی کی نسبت فرمایا کرتے "اکثر ایسا اتفاق ہوا ہے کہ وہ خاطر ہوئیں۔ اچھی ہوئیں۔ مگر اس پوری مدت میں مجھ سے اُن سے بگاڑ رہتا تھا بات چیت ترک تھی۔ وہ مجھ سے بولتی نہیں تھیں نہ میں اُن سے بات کرتا تھا۔"

اس مزاج و مذاق کا انجام یہ تھا کہ عائشہ بنت طلحہ اور اُنکے شوہر عبدالرحمن سے بگڑی۔ اور حال یہاں تک بڑھا کہ عائشہ نے اُنکے ایک چادر اوڑھ لی اور گھر سے نکل کے اپنی خالہ حضرت اُم المومنین حضرت عائشہ کے پاس پہونچیں اور انھیں کے گھر سے بیٹھ کے اور رہنا سکونت اختیار کرلی۔ اسی زمانے کا واقعہ ہے کہ مسجد نبوی میں ایک دن اتفاقاً اُنکے خوبصورت چہرے پر صحابی رسول اللہ حضرت ابوہریرہ کی نظر پڑ گئی۔ اور یہ بیخود کر دینے والا جمال جہان آرا دیکھ کے بے تحاشا اُن کی زبان سے نکلا "سبحان اللہ! معلوم ہوتا ہے جنت سے حور اُتر آئی ہے!" چار مہینے تک محترم خالہ کے پاس رہی تھیں کہ اُنھوں نے سمجھا بجھا کے میاں بیویوں میں ملاپ کرا دیا۔ اور پھر شوہر کے پاس جانے رہنے لگیں۔ مگر اب بھی نبھتی نہ تھی۔ روز بگاڑ ہوتا۔ یہاں تک کہ ان لڑائیوں کا حال سُن سُن کے لوگوں نے عبداللہ سے کہا "یہی حال ہے تو پھر آپ طلاق کیوں نہیں دیدیتے؟" لوگوں کے اس ناگوار مشورے کو سن سُن کے اُنھوں نے دو شعر پڑھے جن کا مضمون یہ تھا کہ "لوگ کہتے ہیں طلاق دیدو۔ مگر جس سے محبت ہو اُس کو کیونکر طلاق دوں؟" تھوڑے دنوں بعد عبداللہ کا انتقال ہو گیا۔ اور عائشہ بنت طلحہ باوجود رنجشوں کے اُن کی وفات تک اُنھیں کے عقد میں رہیں۔

ان پہلے ابن عم شوہر کی وفات کے بعد اُنھیں حضرت عبداللہ بن زبیر کے بھائی مصعب بن زبیر نے پیام دیا۔ عائشہ بنت طلحہ کی طرف سے بہت ہی ناقابل برداشت شرطیں پیش ہوئیں۔ اور مصعب نے اُن سب کو قبول کر لیا۔ چنانچہ پانچ لاکھ درہم مہر ادا کر کے اُن سے عقد کیا اور پانچ ہی لاکھ درہم نکاح کے بعد رونمائی میں دیے۔ یہ خبر عبداللہ بن زبیر کو پہونچی تو اپنے بھائی مصعب کی نسبت کہا "اُنھوں نے

تلوار میان مین کرلی۔ اور حفظ نفس حاصل کرنے مین پڑ گئے۔ ان دونون بھائیون کا سب سے بڑا سنگدل دشمن عبد الملک بن مروان تھا۔ اُس نے جو عبد اللہ بن زبیر کا یہ فقرہ سُنا تو ہنس کر کہا "عبد اللہ نے غلطی کی۔ مصعب تو دین و دنیا دونون مین غافل ہین"

بہرحال عبد اللہ بن زبیر نے یہ جملہ کہنے کے بعد مصعب کو ایک تحریر بھیجی جس مین عیش پرستیون پر سرزنش کی تھی۔ قسم دلائی تھی کہ فیروز اب میرے کو چھوڑ دو اور مجھ سے آکر عظمہ مین آکے ملو۔ یہ بھی تاکید جانو کہ راستے مین مقام بیداء کے سوا اور کسی جگہ نہ ٹھہرنا۔ اور وہان ٹھہرنے کو مین نے کہا بھی تو اس لیے کہ میرے خیال مین شاید تمھین وہ شخص نہ ملے جو وہان زمین مین دھنسے گا۔ مصعب کو یہ تحریر ملی تو فوراً مکے مین آکے معظم و محترم بھائی سے ملے۔ اور عجز و الحاح کے ساتھ قصور معاف کرا کے اُنھین راضی کرلیا۔

مصعب کے عقد مین آنے کے بعد جناب عائشہ بنت طلحہ کے غمزہ و ناز کی یہ حالت تھی کہ کبھی اُنھین اپنے پنڈے مین ہاتھ نہ لگانے دیتین۔ مصعب خوشامدین کرتے مگر وہ ایک نہ سُنتین۔ آخر ایک دن مصعب نے عاجز آکے اس کی شکایت اپنے معتمد اور منشی ابن ابی فروہ سے کی۔ اُس نے کہا "آپ کی ناز برداری نے اُنکے ناز و انداز بڑھا دیے ہین۔ آپ کی اجازت ہو تو مین دم بھر مین اُنھین سیدھا کرکے آپ کی لونڈی بنا دون"۔ مصعب نے کہا "مین تمھین اجازت دیتا ہون۔ مگر اتنا خیال رہے کہ اُن سے زیادہ محبوب مجھے دنیا مین کوئی نہین ہے۔ اور خدا نے اپنے فضل و کرم سے مجھے جتنی نعمتین عطا فرمائی ہین اُن سب سے زیادہ شیرین و پُرلطف نعمت مین اُنھین کو سمجھتا ہون"۔ ابن ابی فروہ نے کہا "آپ اطمینان رکھین۔ اُنھین ضرر کسی قسم کا نہ پہونچے گا"۔ اسکے بعد ابن ابی فروہ نے دو قوی ہیکل حبشی غلامون کو ساتھ لیا۔ اور جناب عائشہ کے دروازے پر جاکے دروازہ کھلوایا۔ اور اندر جانے کی اجازت مانگی۔ اُسوقت رات ہو چکی تھی اور اندھیرا چھایا ہوا تھا۔ بولین "بھلا اندر آنے کا یہ کون وقت ہے؟" جواب دیا "جی ہان مین اسی وقت آنے پر مجبور ہون"۔ عائشہ سامنے سے ہٹ گئین اور اُس نے گھر کے اندر داخل ہوکے غلامون کو حکم دیا کہ

کہ انگنائی مین ایک گہرا گڑھا کھودو۔ وہ دونون جو کدالین ساتھ لائے تھے کھودنے لگے اور جناب عائشہ اور اُنکی کنیزین گھبرا گھبرا کے دیکھ رہی تھین کہ یہ گڑھا کیون کھودا جا رہا ہے؟ آخر ایک کنیز نے پوچھا کہ "گڑھا کیون کھود رہے ہو؟" ابن ابی فروہ نے کہا "اب اس کا کیا جواب دون؟ تمھارے آقا کمبخت اتنے بڑے ظالم و سنگدل ہین کہ دم مارنے کی مجال نہین۔ مین تو یہ کام نہ کرتا۔ مگر افسوس اُن سے ڈرتا ہون۔ اور اُن کے حکم سے مجبور ہون۔" اُس کنیز نے گھبرا کے پوچھا "آخر اُنھون نے کیا حکم دیا ہے؟" کہا "حکم یہ ہے کہ ایک گہرا کنوان کھود کے تمھاری بیوی کو اُس مین زندہ دفن کر دون۔" یہ سنتے ہی سب کنیزین کانپ گئین۔ اور عائشہ بنت طلحہ کے تو ہوش و حواس بجا نہ تھے۔ ابن ابی فروہ کے پاس آکے رحم کی التجا کرنے لگین۔ اُس نے کہا "بیوی آپ کے میان اتنے بڑے سنگدل ہین کہ جس کی حد نہین۔ دنیا بھر مین اُن سے بڑا خون ریز آدمی نہین پیدا ہوا ہے۔ کس کی مجال ہے کہ اُنکے حکم کو ٹال کے اپنی جان خطرے مین ڈالے؟" جناب عائشہ نے خوشامد کرکے کہا "اچھا اتنا ٹھہرو کہ مین ذرا اُن سے مل لون۔" ابن ابی فروہ نے کہا "افسوس یہ تو ہو ہی نہین سکتا۔" اور ساتھ ہی غلامون کو ڈانٹا کہ "جلدی کھودو۔" اُس کی یہ مستعدی دیکھ کے جناب عائشہ اور سب کنیزین زار و قطار رونے لگین۔ اور گھر بھر مین پٹس پڑ گئی۔ تھوڑی دیر رونے پیٹنے کے بعد اُنھون نے نہایت ہی یاس کے لہجے مین کہا "تو کیا اب مجھے مار ہی ڈالیگا؟ اور میرے بچنے کی کوئی صورت نہین؟" ابن ابی فروہ نے کہا "حضور کیا عرض کرون۔ اللہ جل شانہ اس سنگدل ظالم سے اُس کا بدلہ ضرور لے گا۔ مگر اس وقت کوئی بات بن نہین پڑتی۔ خدا نہ کرے کہ اُسے غصہ آئے۔ اُس کا غصہ وہ کافر غصہ ہے کہ جس کی کوئی روک نہین۔" عائشہ نے پوچھا "تو آخر میرا قصور کیا ہے؟ جو مجھ پر یہ غصہ ہے؟" بولا "یہی کہ آپ اُن کا کہنا نہین مانتین۔ اُنکو خیال پیدا ہو گیا ہے کہ آپ کے دل مین اُن کی طرف سے کینہ ہے۔ اور آپ کے دل مین کوئی اور بسا ہوا ہے۔ اسی طیش مین وہ آپے سے باہر ہو گئے ہین۔" بولین "تو تمھین خدا کی قسم دلاتی ہون کہ اُنکے پاس جا کے اس بارے مین کچھ کہو سنو۔" ابن ابی فروہ نے کہا "لیکن ڈر لگا ہے کہ مین حکم کی تعمیل کرنے سے پہلے اُنکے سامنے گیا اور اُنھون نے میرے قتل کا

حکم دے دیا تو کیا ہوگا؟" اس جواب پر پھر گھر میں کہرام مچ گیا۔ جب دیر تک یہی حالت رہی اور ابن ابی فروہ نے سب کنیزوں خصوصاً جناب عائشہ کو خوب پٹوا لیا تو کہا افسوس آپ کی گریہ وزاری اب مجھ سے نہیں دیکھی جاتی۔ اب چاہے مار ڈالو یا زندہ چھوڑو۔ میں ان کے پاس جاتا ہوں۔ مگر حضور فرمائیں تو سہی کہ اُن سے جا کے کیا کہوں؟" بولیں "تم اُن سے قسم کھا کر کہو کہ مجھ سے پھر کبھی ایسی حرکت نہ ہوگی" کہا "اور اس معاوضے میں حضور میرے ساتھ کیا سلوک کریں گی؟" کہا "جب تک جیتی ہوں احسانمند رہوں گی" بولا "تو پھر قسم خدا کے اقرار اور تعہد و پیمان کیجیے" اُنھوں نے عہد کیا۔ اور ابن ابی فروہ عشیوں کو گھوڑے سے روک کے مصعب کے پاس آیا۔ اور ساری سرگذشت بیان کی۔ اُن کو ابن ابی فروہ کی کارروائی پر تعجب ہوا۔ اور کہا "تو پھر جا کے اُن سے قسم بھی لے لو کہ اب کبھی مجھ سے نہ لڑیں گی۔ اور نہ میرا آزار کریں گی" ابن ابی فروہ نے فوراً جا کے اس کی بھی تعمیل کرائی۔ اور غلاموں کو لے کے واپس آیا۔ اور مصعب میں اور ان بیبیوں میں دونوں کے لیے ملاپ ہو گیا۔

ایک بار اور مصعب سے بگاڑ ہوا۔ اور اتنے دنوں کشیدگی رہی کہ دونوں کو اس کا ملال محسوس ہونے لگا۔ اسی اثنا میں مصعب ایک میدان جنگ میں گئے۔ اور وہاں سے فتحیاب ہو کے واپس آئے۔ اُن کے آنے کی خبر سُنی تو عائشہ نے اپنی ایک کنیز سے کہا "افسوس مجھ سے اُن سے بگاڑ ہے۔ اور اب اس ملال سے مجھے تکلیف ہوتی ہے" اُس نے کہا "اس سے بہتر ملاپ کا کوئی موقع نہیں ہو سکتا۔ آپ اسی وقت چلی جائیں اور فتح کی مبارکباد دیں" دل میں نیکی آ گئی۔ فوراً چلی گئیں۔ اور فتح کی مبارکباد دی۔ مصعب چونکہ اُسی وقت میدان گیر و دار سے چلے آتے تھے چہرے اور کپڑوں پر بے انتہا غبار پڑا ہوا تھا۔ اپنے ہاتھ سے اُنکے چہرے اور جسم کو جھاڑنے لگیں۔ مصعب خود زرہ پہنے ہوئے تھے کہنے لگے "زیادہ قریب نہ آؤ۔ لوہے کی بُو سے تمھارے سر میں درد ہونے لگے گا" بولیں "یہ بُو خدا کی قسم مجھے مشک و عنبر کی خوشبو سے زیادہ پیاری ہے"

عائشہ بنت طلحہ کی ناز آفرینی اور نازک مزاجی کی یہ حالت تھی کہ ایک دن صبح صبح مصعب آٹھ بڑے بڑے موتیوں کے دانے لیے ہوئے آئے۔ اُنھوں نے خواب ناز

سے جگایا۔ اور موتی اُن کی گود مین ڈال دیے۔ وہ آنکھین ملتی ہوئی اُٹھین۔ اور کہا "جو لطف اس وقت نیند مین آرہا تھا اُسکے سامنے یہ موتی کچھ نہین۔ مجھے ناحق جگا دیا"

(۲)

اُن دنون اشعب نام ایک مسخرہ تھا جس کی بڑے بڑے معززین مین رسائی تھی۔ اور اُسکے صدہا واقعات مشہور ہین۔ حضرت سکینہ بنت حسین رضی اللہ عنہا کے حالات مین بھی اُسکے متعدد واقعات کتب سیر مین درج ہین۔ یہ اشعب مصعب کی خدمت مین اکثر آیا کرتا تھا۔ ایک دن جناب عائشہ بنت طلحہ مصعب سے سخت ناراض تھین۔ اور مصعب اسی فکر مین بیٹھے تھے کہ اشعب آگیا اور اُنکو فکرمند دیکھ کے جویائے حال ہوا۔ اُنھون نے ساری سرگذشت بیان کردی اور اپنی پریشانی ظاہر کی۔ اشعب نے کہا "اگر مین اُنھین راضی کردون تو کیا دوگے" کہا "جو مانگو"۔ اشعب نے کہا "دس ہزار درہم دون گا"۔ مصعب نے کہا "اچھا دیے" اُن سے اقرار لے کے اشعب جناب عائشہ کے پاس پہونچا۔ اور عرض کیا "حضور یہ غلام آپ پر سے قربان ہو۔ حضور جانتی ہین کہ اس خادم کو آپ سے کیسی محبت ہے؟ میری وفاداری آج ہی کی نہین پرانی ہے۔ اور مین دراصل حضور ہی کی خوشی پر جیتا ہون۔ اور پھر میری یہ خوشامد کسی غرض سے نہین ہے بلکہ خالص جوشِ نمک خواری ہے۔ یہی محبت و عنایت بنا رکھا ہے۔ اس وقت ایک خاص ضرورت حضور کی ڈیوڑھی پر لائی ہے۔ نظر عنایت ہوگئی تو زندگی بھر بے دامون کا [illegible] جناب عائشہ نے ہنس کے کہا "کچھ کہوگے بھی یا یونہین فضول بکتے چلے جاؤگے؟" بولا "جی ہان عرض کرتا ہون۔ مجھے فی الحال دس ہزار درہم کی ضرورت ہے۔ اور ہمارے امیر مصعب نے وعدہ کرلیا ہے کہ یہ رقم اسی وقت دیدین گے بشرطیکہ حضور اُن سے راضی ہوکے ملاپ کرلین"۔ یہ سنتے ہی عائشہ کی جبین ناز پر شکن پڑ گئی۔ سخت برہمی سے کہا "یہ ہرگز نہین ہوسکتا۔ قیامت تک نہ ہوگا"۔ اشعب نے کہا "تو پھر ایک کام کیجیے۔ وہ ایک روز کے لیے راضی ہوکے مل لیجیے۔ اور جیسے ہی مجھے رقم مل جائے پھر لڑ جھگڑ کے بگڑ جایئے گا۔ اور وہی کج ادائیان [illegible]

جو خدا نے آپ کو دی ہین اختیار کر لیجیے گا" یہ سُن کے عائشہ کو ہنسی آ گئی۔ اور اُسکے کہنے کے بموجب مصعب سے ملاپ کر لیا۔

اسی طرح ایک اور دفعہ کا واقعہ ہے کہ عائشہ اور مصعب مین لڑائی ہوئی۔ نا رضامندی اور بگڑنے مین عائشہ یہان تک بڑھین کہ غصے مین کہ بیٹھین "مصعب میرے بھائی کی جگہ ہین" یہ کہتے ہی اپنا کمرہ بند کر کے بیٹھ رہین۔ اور مصعب نے لاکھ صفائی کی تدبیرین کین کوئی کارگر نہ ہوئی۔ آخر عاجز آ کے اُنھون نے قیس رقیات کو جو اُس عہد کے ایک صاحب اثر بزرگ تھے درمیان مین ڈالا۔ اُنھون نے آ کے جناب عائشہ بنت طلحہ کو سمجھانا شروع کیا۔ کہنے لگین "آپ کے کہنے سے مین مل بھی جاؤن تو اس کا کیا علاج ہے کہ اُن سے نہ ملنے کی قسم کھا چکی ہون۔ اور اُنھین اپنا بھائی بتا چکی ہون" قیس نے کہا "اس کا یہ علاج ہے کہ مفتی عراق اور فاضل و فقیہ زمانہ امام شعبی موجود ہین۔ آپ اُن سے فتوے اور مشورہ لے لیجیے۔ وہ بتا دین گے کہ یہ دشواری کیسے دُور ہو سکتی ہے" بہر حال قیس کے کہنے سے شعبی بُلوائے گئے۔ انھون نے چار ہزار درہم کفارے مین بتائے۔ اور کہا "یہ رقم ادا کر دیجیے۔ آپ کے سامنے سے قسم کی دیوار ہٹ جائے گی۔ اور پھر مصعب سے ملنے مین کوئی مضائقہ نہ ہوگا"

مصعب سے اکثر بگاڑ ہونے کی وجہ یہ تھی کہ عائشہ بنت طلحہ اُن کا کہنا بہت کم مانتی تھین۔ مثلاً کہا جاتا ہے کہ وہ اپنا چہرہ عام لوگون سے چھپاتی نہ تھین۔ جو آتا اُس کو اپنی صورت دکھا دیتین۔ اس پر مصعب بگڑتے۔ اور بے پردگی سے روکتے۔ اسکے جواب مین ان کے چھیڑنے کے لیے کہتین "خدا نے مجھے زیور جمال سے آراستہ کیا ہے۔ اچھا نہین معلوم ہوتا کہ خدا کی اس نعمت کو مین لوگون سے چھپاؤن۔ اور اُنکو اس خوبصورت چہرے کی زیارت سے محروم رکھون" اس پر مصعب اور برافروختہ ہوتے۔

مگر یہ روایت یقیناً غلط ہے۔ اس لیے کہ اُنکی زندگی کے تمام واقعات سے متواتر ظاہر ہوتا ہے کہ اپنا چہرہ چھپاتین اور پردے مین رہتی تھین۔ ممکن ہے کہ اتفاقی طور پر ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ یا بعض اور لوگون نے جو اُنکی صورت

دیکھ پائی تھی اُس کی شکایت مصعب نے کی ہو۔ اور ناز بردار شوہر کے چھیڑنے اور چڑھانے کے لیے اُنھوں نے یہ جواب دے دیا ہو۔ اگر یہ صحیح واقعہ ہوتا تو اُن کا طرز عمل بھی اس کے مطابق ہوتا۔ حالانکہ اُن کے مشرح و مفصل حالات میں بے پردگی کا مطلق پتہ نہیں چلتا۔

اسی طرح یہ واقعہ بھی غلط اور بے اصل معلوم ہوتا ہے جو مصعب کے ساتھ عائشہ کا نکاح ہونے کے متعلق بعض اہل روایت نے بیان کیا ہے کہ ایک دن مصعب بن زبیر۔ عبداللہ بن عبدالرحمٰن بن ابی بکر۔ اور سعید بن عاص جو اُس دور کے وضعدار شوقین اور دولتمند نوجوانان قریش میں سے تھے عزۃ المیلاء کے پاس گئے جو اُن دنوں مدینے کی ایک بڑی مشہور صاحب جمال مغنیہ تھی اور اکثر عورتوں کے مذاق و حالات سے واقف رہا کرتی تھی۔ ان تینوں نے اُس سے کہا کہ "ہم نے اپنی شادیاں ٹھہرائی ہیں اور دو دلھنیں بھی تجویز کر لی ہیں۔ مگر اتنا چاہتے ہیں کہ نکاح کے پیشتر تمھارے ذریعے سے دریافت کر لیں کہ یہ لڑکیاں کیسی شکل و شمائل کی ہیں"۔ عزۃ المیلاء نے کہا "اچھا تم نے کن کن لڑکیوں کو تجویز کیا ہے؟" مصعب نے عائشہ بنت طلحہ کو۔ عبداللہ نے اُم قاسم بنت زکریا کو۔ اور سعید نے عائشہ بنت عثمانؓ بن عفان کو بتایا۔ عزہ اُنکو اپنے مکان میں بٹھا کے گئی۔ ان سب بیویوں سے ملی۔ اُن کے جسم اور اُن کی صورتوں کو بخوبی دیکھا۔ بلکہ عائشہ بنت طلحہ نے تو اُس کی خواہش کے مطابق برہنہ ہو کر اُسے اپنے ہر ہر عضو کے دیکھنے اور اُس پر غور کرنے کا موقع دے دیا۔ اور جب وہ چلی تو کہا تمھارا کہنا تو میں نے کر دیا۔ اب تم میرا کہنا بھی کر دو"۔ اُس نے کہا "جو حکم ہو"۔ فرمایا "کچھ گا کے سناؤ۔ جس کا ایک زمانہ مشتاق ہو رہا ہے"۔ عزہ نے دو ایک راگ گا کے سنائے جس پر عائشہ بہت خوش ہوئیں۔ اور خلعت و زیور سے سرفراز کر کے رخصت کیا۔ گھر واپس آ کے عزہ نے مصعب سے کہا "سنو۔ تمھاری دولھن حسن و جمال میں اپنا جواب نہیں رکھتی۔ ہر عضو سانچے میں ڈھلا ہوا ہے۔ اور ہر ادا معشوقانہ ہے۔ بڑی تلاش سے اُن میں فقط دو عیب نظر آئے۔ ایک کان بڑے ہیں۔ اور دوسرے یہ کہ پاؤں بھی بڑے ہیں۔ مگر ان عیبوں پر انسان کی نظر نہیں پڑ سکتی۔ اس لیے کہ کانوں کو خمار چھپائے رہتی ہے۔ اور پاؤں

جُرابوں میں چھپے رہتے ہیں۔ اسکے بعد اور دونوں نوجوانوں کو اُن کی وہ ملعونوں کی نسبت بھی اطمینان دلایا۔ اور اُسی کے مشورے سے تینوں نے اُن لڑکیوں کے ساتھ شادیاں کیں۔

اس روایت کے بے بنیاد ہونے کی کھلی وجہ یہ ہے کہ اس میں مصعب اور عبداللہ بن عبدالرحمٰن دونوں کی نسبت کہا گیا ہے کہ ایک ساتھ عزۃ الملیلاء کے پاس آئے اور مصعب نے بتایا کہ وہ عائشہ بنت طلحہ کے ساتھ عقد کرنے والے ہیں۔ حالانکہ عائشہ بنت طلحہ کا عقد پہلے انھیں عبداللہ بن عبدالرحمٰن کے ساتھ ہوا تھا۔ اور اُنکی وفات کے بعد مصعب کو اُنھیں پیام نکاح دینے کا موقع ملا۔

مصعب باوجود اُن تمام جھگڑوں اور روز روز کی لڑائیوں کے جناب عائشہ بنت طلحہ کے شمع رخسار کے پروانے تھے۔ ایک دم کو بھی بغیر ان نازآفرین بیوی کے چین نہ آتا تھا۔ اور لڑائی کے بعد جب تک راضی کر کے ملاپ نہ کر لیتے بیتاب و بیقرار رہتے۔

ایک دن عائشہ نے کسی تقریب میں قریش کی بہت سی شریف زادیوں اور محترم بیویوں کو اپنے گھر میں مہمان بلایا۔ محفل طرب کے لیے بڑے تکلفات کیے۔ ہر طرف پھولوں کے ہار لٹک رہے تھے۔ گلدستے رکھے تھے۔ اُنکی خوشبو سے سارا مکان مہک رہا تھا۔ الوان نعمت اور تروتازہ میوہ جات چُنے ہوئے تھے۔ جو جو بیویاں آئیں اُن کو عزت و تکلف سے بٹھایا۔ کھلایا پلایا۔ سب کو ململ و مذہب جوڑے پہنائے۔ اور اسکے بعد مذکورۂ بالا مغنیہ عزۃ الملیلاء اس زنانی محفل میں بیٹھ کے گانے لگی۔ اُس کو بھی گانا شروع ہونے سے پہلے بھاری خلعت فاخرہ عطا ہو چکا تھا۔ عزۃ الملیلاء نے چند گیتوں کے بعد امرؤالقیس کے چند عاشقانہ اشعار گائے۔ جن میں اُس کی محبوبہ نازنین کے دُر دندان اور لب خندان کی تعریف تھی۔ یہاں سے قریب ہی مردانے میں مصعب چند ندیمان صحبت کے ساتھ بیٹھے باتیں کر رہے تھے کہ عزہ کی تانیں اُن کے کانوں میں پہونچیں۔ اُٹھ کر محفل کے قریب آئے اور پردے کے پاس کھڑے ہو کے گانا سننے لگے۔ عزہ جیسے ہی امرؤالقیس کے اشعار گا چکی بے اختیار چلا کے داد دی۔ اور کہا "عزہ خدا کرے جیتی رہو۔ جن

چیزون کا تم اپنے نغمے مین ذکر کر رہی ہو ہم نے اُن کا لطف اُٹھایا۔ اور خدا کی قسم ویسا ہی پایا جیسا کہ تم کہتی ہو۔" اس کے بعد عائشہ کے پاس کہلا بھیجا "اس وقت تم تک تو ہماری رسائی غیر ممکن ہے مگر عزہ کو اتنی اجازت دو کہ یہان ہمارے پاس آکے دو ایک چیزین گا دے۔ تاکہ ہم بھی اس لطف سے محروم نہ رہین۔" عائشہ نے اجازت دی اور عزہ نے مروانے مین آکے وہی امرا القیس کے اشعار بار بار سُنائے۔ مصعب کی یہ حالت تھی کہ اُن اشعار کو کسی طرح سُن ہی نہ چکتے تھے۔ معلوم ہوتا کہ جوش بیخودی سے دیوانے ہو رہے ہین۔ دیر کے بعد جب عزہ خود ہی رُکی تو کہا "کیا خوب گاتی ہو! تم اپنا جواب نہین رکھتین۔ تمھارا نغمہ بھی بے نظیر ہے اور جن اشعار کو گا رہی ہو وہ بھی بے نظیر ہین۔" اسکے بعد خدا خدا کرکے عزہ کو زنانی محفل مین جانے کی اجازت دی۔ جہان خاتونان مدینہ کو بہت دیر تک وہ اپنے نغمے سے محظوظ کرکے اپنے گھر واپس گئی۔

(۳)

یزید کے زمانے مین عائشہ بنت طلحہ نے ایک مرتبہ خلافت کی بے اعتنائیان دور کرنے کیلیے دمشق کا سفر بھی کیا تھا۔ اور ہشام بن عبد الملک کے دربار مین پہونچین۔ جو ولید کے بعد مسند نشین خلافت ہوا تھا۔ اس کے قصر مین پہونچین تو اُس نے پہچانتے ہی کہا "آپ نے دارالخلافہ کا سفر کرنے کی کیون زحمت فرمائی؟" فرمایا "اس لیے کہ جس طرح آسمان نے اپنے مینہ کو روکا ہے ویسے ہی دولت اسلامیہ نے ہمارے حقوق روک دیے۔" بولا "بہتر۔ مین آپ کی حق شناسی کرون گا۔" اسکے بعد چونکہ اُس وقت آپ دنیاے اسلام کی ایک نامور اور عدیم المثال خاتون تھین تمام معززین بنی اُمیہ کے پاس کہلا بھیجا "عائشہ بنت طلحہ یہان آئی ہوئی ہین لہذا آج شب کو آپ سب صاحب میرے مکان پر آکے اُن سے ملین۔ اور اپنے فضل و کمال کا ثبوت دین۔" اس منشور خلافت کے مطابق رات کو قصر خلافت مین بڑا بھاری مجمع ہو گیا۔ اور لوگون نے باتون باتون مین اپنی تاریخ دانی۔ ایام عرب کی واقفیت۔ اور اشعار جاہلیت عرب مین اپنی وسیع النظری ظاہر کی۔ مگر عائشہ بنت طلحہ کی واقفیت عامہ۔ تاریخ و سیر سے آگاہی۔ اور شعر خوانی سب سے

صفتون کا اظہار کیا ہے وہ فیاضی - پرہیزگاری - دینداری - اور اُسکی فرحت بخش خوشبو وغیرہ ہین" اسکے بعد ایک ہزار درہم دے کر اُسے رخصت کردیا - دوسرے جمعے کو آپ نے دیکھا کہ وہ پھر باہر کھڑا ہے - بلوا لیا - اور پھر زینب کی تعریف کے کی فرمایش کی - اُس نے کہا " آج چند وہ شعر نہ سُناؤن جو حارث بن خالد نے حضور کی تعریف مین کہے ہین؟" آپ کی کنیزین اُسے مارنے کو تھین مگر آپ نے اُنھین روکا - اُسے اجازت دی - اور اُس نے حارث کے اشعار آپ کے حسن اور عفت کی تعریف مین سُنائے - آپ نے اُن شعرون کی داد دی اور اُسے ایک ہزار درہم اور دے کے رخصت کیا - افسوس ہمین جناب عائشہ بنت طلحہ کا سنہ وفات نہین معلوم ہوسکا -

(۴)

مگر افسوس کہ خلافت کے جھگڑون نے چند روز بعد مصعب بن زبیر کو جام شہادت پلا دیا - اپنے محترم مدعی خلافت بھائی عبداللہ بن زبیر کی طرف سے وہ عبدالملک بن مروان کے مقابلے پر روانہ ہوے - اور ایسی بہادری و شجاعت سے لڑے جو تاریخ اسلام مین ہمیشہ یادگار رہے گی - مگر تقدیر برسر خلاف تھی - میدان جنگ مین شہید ہوے - اور اُن کی شہادت نے عائشہ بنت طلحہ کے دل کو بیحد صدمہ پہونچایا - زندگی مین اگرچہ باہم اکثر بگاڑ ہوا مگر وہ لڑنا اور ملنا بھی لطف کا تھا - اب اُن کے بعد ہر عیش کے موقع پر جناب عائشہ کو مصعب یاد آیا کرتے تھے

مصعب حکمرانی اور پولٹیکل معاملات مین ناکام رہے مگر دنیوی عیش اور خانگی مسرتون کے لحاظ سے اُن دنون اُن سے زیادہ خوش نصیب ساری دُنیا مین کوئی نہ تھا - حضرت ابوبکر صدیقؓ کی نواسی عائشہ بنت طلحہ اور حضرت علی مرتضیٰؓ کی پوتی سکینہ بنت حسینؓ دونون اُنکے نکاح مین تھین - اور اُنکی محبوبہ بیویان تھین - اور یہ دونون بیویان شرافت و علو نسب - عصمت و عفت - لطافت معاشرت - علم و فضل - زندہ دلی و بذلہ سنجی - اور عدیم المثال حسن و جمال کے لحاظ سے انتخاب روزگار تھین - ان دونون مین سے ایک بھی جس کی اُس زندگی بیوی ہوتی - اُس کی خوش نصیبی پر ادنیٰ و اعلیٰ سب کو حسد ہوتا - یہان تک کہ خلفا

بھی اپنے عیش کو اُس سے کم پاتے۔ نہ کہ اُن دونوں کا ایک گھر میں جمع ہونا اور ایک ہی کی بیویاں بن جانا ایسی چیز تھی جس کی بدولت مصعب بن زبیر جب تک زندہ رہے محسودِ روزگار رہے۔ مصعب بن زبیر نے ایک مرتبہ تمنا کی تھی کہ میں قریش کی دونوں بہترین وحسین ترین خاتونوں عائشہ وسکینہ کا شوہر ہوں۔ اور عراقین یعنی عراق عرب وعجم کی عنانِ حکومت میرے ہاتھ میں ہو۔ اُن کی یہ آرزو خدا نے پوری کردی۔ اور تمتعِ دنیوی کے لحاظ سے محسودِ روزگار بنا دیا۔

مصعب کی شہادت کے بعد بشر بن مروان نے جو فاتح خلیفۂ وقت کا بھائی تھا جناب عائشہ بنت طلحہ کو نکاح کا پیام دیا۔ اُسی زمانے میں اتفاقاً عمر بن عبید اللہ بن معمر تیمی شام سے کوفے میں آئے تھے۔ وہ معزز اور دولتمند شرفائے قریش میں تھے۔ عائشہ سے خاندانی قرابت رکھتے تھے۔ اور اُنکے اوصاف سے بخوبی واقف تھے۔ اُنھوں نے جو بشر کے پیام کا حال سُنا تو فوراً اپنی ایک کنیز عائشہ کے پاس بھیجی اور کہلا بھیجا "سنتا ہوں تم کو بشر نے پیام دیا ہے۔ مگر جہاں تک میں خیال کرتا ہوں اُس کم رُو مبتلائے بواسیر ورم طحال سے میں اچھا ہوں۔ اور پھر تم میری بنت عم ہو تم پر میرا حق بھی ہے۔ لہٰذا اگر تم میرے نکاح میں آنا پسند کرو تو وعدہ کرتا ہوں کہ تمھاری صحبت کے عیش سے اور تمھارے گھر کو دولت سے بھر دوں گا"۔ عائشہ نے اُن کا پیام قبول فرمایا۔ اور مقام حیرہ میں عقد اور رخصتی کی کارروائی عمل میں آئی۔

عمر بن عبید اللہ نے نکاح کے دن دس لاکھ درہم کمشت اُنکے پاس بھجوا دیے جن میں سے پانچ لاکھ مہر کی بابت تھے اور پانچ لاکھ نذرانے اور رونمائی کے نام سے اور چونکہ حیرہ میں الگ خیمے میں تنہا پڑے تھے اور نئی مشہور آفاق دولھن سے ملنے کا شوق بیتاب کیے ہوئے تھا۔ جناب عائشہ کی معتمد علیہ کنیز کو بُلا کے کہا "اگر آج ہی شب کو مجھے تمھاری بیوی سے ملنے کا موقع نصیب ہو جائے تو تم کو ایک ہزار دینار انعام دوں گا"۔ کنیز نے وعدہ کیا۔ اور اشرفیوں کی پوٹلی لے کے واپس گئی۔ جسکو اُس نے محجلۂ عروسی کے ایک کونے میں زمین پر رکھ دیا۔ اتنے میں عائشہ آگئیں۔ زمین پر ایک اونچی چیز دیکھ کے اُس کے قریب گئیں۔ اور کنیز سے پوچھا "یہ کیا ہے؟

فرش بچھا ہوا ہے یا کپڑے ہیں؟" کنیز نے کہا "آپ پوچھتی کیا ہیں؟ خود ہی نہ دیکھ لیجیے کہ کیا ہے؟" اس جواب پر انھوں نے جھک کے دیکھا۔ اور یہ دیکھ کے کہ اشرفیاں ہیں مسکرا دیں۔ سنے بعد واپس جانے کو تھیں کہ کنیز نے ہاتھ جوڑ کے کہا "بیوی جس شخص نے اتنی ایک رقم مجھے مفت دے ڈالی اُسکے لیے بھلا یہ مناسب ہے کہ اکیلا اکیلا پڑا رہے؟" فرمایا "مناسب تو نہیں ہے۔ مگر میں نے نہ ابھی سنگار کیا ہے نہ جوڑا بدلا ہے۔ نہ زیور پہنا ہے۔ آج اسی وقت یہ کیسے ممکن ہے؟" لونڈی بولی "حضور کے لیے ان باتوں کی ضرورت ہی نہیں۔ سونا ہو گیا آپ کا یہ پیارا اُٹھا ہے۔ جس سنگار کو کیجیے اس پر جچے ہیں۔ جس لباس زیور کو چاہیے ان خوبصورت اعضا میں۔ جو خوشبو پہنیے اس عطر بار بدن میں موجود ہے۔ میں تو آپ سے اقرار کرتی ہوں۔ اب تو انھیں بیان پلوا ہی کے رہوں گی۔" کنیز کے یہ الفاظ سُن کے بولیں "تیرے تمھاری ہی خوشی ہے تو چلا دو۔" کنیز خوش ہو گئی۔ اور قریب جیدا اللہ کو بلا لائی۔

مشکل وقت تھا خیر یہ پتا تھا کہ وہ آئے۔ یہاں آئے تو دسترخوان بچھا ہوا تھا کہتے ہیں کہ اس وقت جناب عائشہ نے اُنکے لیے سات دسترخوان چنوائے۔ سنیے کہ وہ بڑے پُرخور مشہور تھے۔ اگر سات دسترخوان نہ تھے تو ایک پر سات آدمیوں کا کھانا ضرور تھا۔ وہ ہاتھ دھو کے بیٹھے تو دم بھر میں سارا دسترخوان صاف کر دیا۔ کھانے سے ہاتھ دھو کر وضو کیا۔ اور نماز عشاء پڑھنا شروع کی۔ نماز میں اتنی رکعتیں پڑھیں اور اتنی دیر تک مصروف عبادت رہے کہ کوئی اور ہوتا تو سات دفعہ عشاء کی نماز پڑھ لیتا۔ وہی کنیز کہتی ہے کہ اُنھوں نے نماز میں اتنی دیر لگائی کہ میں پڑ کے سو گئی۔ عبادت سے فارغ ہو کر اُنھوں نے مجھے جگایا۔ میں نے اُٹھ کر اُنھیں حجلۂ عروسی میں پہنچا دیا۔ اور آ کے لیٹ رہی۔ رات کو وہ سات بار اُٹھ اُٹھ کر نہائے۔ اور فجر کے وقت جب وہ غسل کر کے اور نماز پڑھ کے بیٹھے تو میں سامنے جا کے کھڑی ہوئی۔ میری طرف دیکھ کر مسکرائے اور پوچھا کچھ کہو گی؟" میں نے کہا "میں کیا عرض کروں۔ آپ کا سا آدمی نہیں دیکھا۔ آپ نے رات کو سات آدمیوں کا کھانا اکیلے کھا لیا۔ پھر نماز بھی ایسی پڑھی جو سات آدمیوں کی نماز کے برابر تھی۔ اور

اسکے بعد تو آپ جانتے ہی ہیں" یہ سُن کر وہ بے اختیار ہنس پڑے اور اپنا ہاتھ عائشہ کے شانے پر مارا۔ انھوں نے مسکرا کے اور شرما کر اپنا سر جھکا لیا۔

عمر بن عبید اللہ سے لڑائی اور بگاڑ کے واقعات تو زیادہ نہیں سُنے گئے۔ مگر اس میں شک نہیں کہ اُنکے چھیڑنے ستانے اور تنگ کرنے میں بھی وہ کوئی کسر اُٹھا نہ رکھتی تھیں۔ ایک دن خوشی میں آکر اُنھوں نے عائشہ سے کہا "یوں تو مجھے بہت سے معرکے پیش آئے۔ مگر آج تک معرکۂ ابو قُدیک سے زیادہ سخت معرکہ مجھ پر نہیں گذرا۔" عائشہ نے کہا "اچھا بتاؤ تم لڑائی کے کتنے میدانوں میں گئے؟ کتنے معرکوں سے سابقہ پڑا؟ اُن میں سخت کون کون تھے؟ اور سب سے زیادہ سخت کون معرکہ تھا؟" کہا "سنو۔ سب سے پہلا معرکہ سجستان تھا۔ اُسکے بعد ارض فارس میں معرکۂ قطری پیش آیا۔ اسی طرح اور بہت سی لڑائیوں کو کنوا گئے۔ جب کہہ چکے تو عائشہ نے کہا "تم نے سب معرکے گنوا دیے مگر اُس دن کا نام نہ لیا جس روز تمھیں سب سے زیادہ سخت معرکہ پیش آیا تھا۔ اور ہمیشہ سے بڑھ کر بہادری دکھانی پڑی تھی؟" پوچھا "وہ کون سا معرکہ ہے؟" کہا "جس دن تم رملہ کو بیاہ لائے۔ اور اُنکے حجلۂ عروسی میں قدم رکھا تھا۔" یہ سُن کر عمر بن عبید اللہ سٹ پٹا کے رہ گئے۔ اور کچھ جواب نہ دے سکے۔ اور وجہ یہ تھی کہ اُنکی اور کئی بیویاں تھیں۔ مگر سب میں بدصورت رملہ تھیں۔

عمر بن عبید اللہ کے مزاج میں حسد و رقابت کا مادہ بہت زیادہ تھا۔ اس کی تاب نہ لا سکتے تھے کہ اُنکے کسی رقیب کا ذکر اُنکے سامنے تعریف سے کیا جائے۔ ایک دن سخت گرمی تھی۔ دھوپ کی تپش اور گرد و غبار میں چل کے گھر میں آئے تو چہرہ تمتمایا ہوا تھا۔ عائشہ سے کہا "اسوقت دھوپ اور گرد و غبار نے پریشان کر دیا۔ ذرا مجھ پر سے گرد تو جھاڑ دینا۔" عائشہ ایک رومال لے کے اُٹھیں۔ گرد جھاڑنے لگیں۔ مگر جھاڑتی جاتی تھیں اور کہتی جاتی تھیں "گرد آلود چہرے تو بہت دیکھے مگر گرد میں جیسا مصعب کا چہرہ پیارا ہو جاتا تھا آج تک کسی کا نہیں دیکھا۔" یہ الفاظ نہ تھے زہر میں بجھے ہوئے خنجر و پیکان تھے۔ جنھوں نے عمر کے دل و جگر کو پاش پاش کر ڈالا۔ سینے میں آتش حسد کا ایک شعلہ اُٹھا۔ اور سارا تن بدن

جل کر خاک ہوگیا۔ مگر مجبور تھے۔ بیوی اس بلا کی سخت گیر نہیں کہ مجال نہ تھی زبان سے اُف نکلے یا حرفِ شکایت زبان پر آئے۔ ضبط کرکے خاموش ہو رہے۔

عائشہ بنت طلحہ عمر بن عبید اللہ کے عقد نکاح میں آٹھ سال تک رہیں یہاں تک کہ ۸۳ھ میں اُنھوں نے وفات پائی۔ اور اس بیوگی کا صدمہ اُنھیں پہلی دو مرتبہ سے زیادہ ہوا۔ اور اُنکی لاش پر کھڑے ہوکے ماتم کیا۔ اور روئیں پیٹیں۔ اُن دنوں کی معاشرت کی رو سے بیوی شوہر کی لاش پر اگر بیٹھے بیٹھے گریۂ ماتم کرتی تو سمجھ لیا جاتا کہ بعدعدت دوسرا عقد کرے گی۔ لیکن اگر کھڑے ہوکر آہ و زاری گریہ و بکا۔ اور ماتم کرتی تو سمجھ لیا جاتا کہ اب یہ کسی سے نکاح نہ کرے گی۔ چنانچہ عمر بن عبید اللہ کی میت پر اُنھوں نے کھڑے ہوکر بین و بکا کیا۔ اور اس اشارے سے اُسی وقت سمجھ لیا گیا کہ اب وہ کسی سے نکاح نہ کریں گی۔ چنانچہ اسکے بعد بہت سے لوگوں نے اور بڑے بڑے عالی مرتبہ شرفا و معززین نے اُنھیں پیغام دیا۔ مگر اُنھوں نے سب کو جواب دیدیا۔ اور باقی ماندہ زندگی بیوگی ہی میں بسر کی۔ اگرچہ خدا نے دولت و حشمت دی تھی۔ اور جب تک جیتی رہیں بڑے شان و شکوہ اور نہایت ہی کر و فر سے رہیں۔

اُن کے کر و فر اور شان و شوکت کا اس سے بڑا ثبوت کیا ہو سکتا ہے کہ عبد الملک بن مروان کے عہد میں یزید بن معاویہ کی بیٹی عاتکہ نے حج کا ارادہ کیا۔ اور اجازت لینے کے لیے اُس کے پاس گئی۔ تو اُس نے کہا "تم جاتی تو ہو مگر وہاں شان و شوکت اور دھوم دھام سے جانا۔ اس لیے کہ وہاں عائشہ بنت طلحہ بھی موجود ہوں گی۔" اُس نے کہا "جی ہاں میں شان و شکوہ سے جاؤں گی۔ اور روانگی کے لیے شاہانہ ساز و سامان کیا۔ اُس کی سواری مدینۂ طیبہ اور مکۂ معظمہ کے درمیان گذر رہی تھی کہ ایک سواری بڑی دھوم دھام سے آئی جس کے جلوس نے سارا راستہ گھیر لیا۔ اور عاتکہ کے ہمراہیوں کو ادھر اُدھر منتشر ہوجانا پڑا۔ عاتکہ نے دل میں کہا "معلوم ہوتا ہے یہ عائشہ کی سواری ہے۔" مگر لوگوں نے دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ یہ عائشہ نہیں ہیں بلکہ اُنکی خادمہ جا رہی ہے۔ اس جلوس کے نکل جانے کے تھوڑی دیر بعد ایک اور جلوس آیا۔ جس کا کر و فر پہلے جلوس سے بھی زیادہ بڑھا ہوا تھا۔ یزید کی بیٹی کے ہمراہیوں کو پھر ادھر اُدھر

ہٹ کے سڑک چھوڑنا پڑی۔ اور اُس نے کہا "اب یہ عائشہ جا رہی ہیں" لوگوں سے پوچھا تو سُنا کہ یہ بھی عائشہ نہیں ہیں۔ یہ اُن کی مشاطہ ہے۔ تماشا دیکھنے میں حیران تھی کہ اسکے بعد سب سے بڑا اور سب سے زیادہ شان و شوکت کا جلوس گذرنے لگا۔ اس جلوس میں تین سو اعلیٰ درجے کی خوبصورت سواریاں تھیں جن پر کلس دار محملیں کسی ہوئی تھیں۔ لوگوں سے پوچھا تو پتہ چلا کہ اب یہ خود عائشہ کی سواری ہے حج کرنے کو تشریف لیے جاتی ہیں۔ یہ شان و شوکت دیکھکے عائشہ کے ہوش اُڑ گئے۔ اور بے اختیار زبان سے نکلا "ما عند اللہ خیر و ابقیٰ" جو کچھ خدا کے پاس ہے اچھا اور نہایت پائدار ہے۔ یعنی یہ سب دولت و حشمت رہنے والی نہیں۔ رہے گا وہی جو خدائے عزوجل کے پاس ہے۔

عبدالملک کے زمانے میں چند روز تک حارث بن خالد والی مکہ تھا۔ ایک دن موذن نے حرم میں اذان دی اور وہ نماز کے لیے نکلا۔ اتنے میں اُس کے پاس عائشہ بنت طلحہ کا پیام پہونچا کہ "ابھی نماز میں ذرا تامل کیجیے۔ میرا طواف پورا ہونے تو نماز پڑھیے گا۔" حارث آپ پر فریفتہ تھا۔ آپ کے حسن و جمال کی تعریف میں اشعار کہے تھے۔ اور آپ کا بے انتہا پاس و لحاظ کرتا تھا۔ یہ پیام سنتے ہی وہ نماز سے رُک گیا۔ آپ کے حکم کی تعمیل کی۔ اور جب آپ طواف سے فارغ ہو لیں تو تکبیر کی اجازت دی۔ یہ خبر لوگوں نے عبدالملک کو پہونچا دی۔ وہ حارث کی اس دینی مداہنت سے سخت ناراض ہوا۔ اور اُسے عہدۂ ولایت مکہ سے معزول کر دیا۔ مگر حارث کو اس کی مطلق پروا نہ ہوئی۔ اور کہا "عائشہ بنت طلحہ کی خوشنودی حاصل کرنے میں مجھے عبدالملک کی ناراضی کا خوف ہے نہ اپنی معزولی کا افسوس۔"

عبدالملک کے بعد جب اُس کا بیٹا ولید بن عبدالملک خلیفہ ہوا تو وہ حج کے لیے مکہ معظمہ میں آیا۔ اُس کے عقد میں جناب عائشہ کی صاحبزادی نفیسہ تھیں جن کے حسن و جمال کی بھی شہرت تھی۔ ولید کے آنے کا حال سُن کر عائشہ بنت طلحہ اُسکے پاس گئیں۔ اور کہا "امیر المومنین۔ مجھے اپنے ساتھ کے لیے جلوس اور اپنی حفاظت کے لیے کچھ سپاہی چاہیے ہیں تاکہ جب میں باہر نکلوں وہ میرے

جلو میں رہا کریں۔ اس نے بہت سے آدمی مقرر کر دیے۔ اور اب اُنکی سواری کا کروفر پہلے سے بھی زیادہ ہو گیا۔ چنانچہ اب جو وہ حج کو گئیں تو ہمراہ رکاب ساٹھ محملوں کا جلوس زیادہ تھا۔ ان محملوں پر بھی مخملیں تھیں۔ اور انکی عظمت وشان کا لوگوں پر بڑا اثر پڑتا تھا۔

راستے میں اُنکے دیور عروہ بن زبیر ملے۔ اور اُن کی محمل کے پاس پہونچ کے ایک شعر پڑھا جس کا مضمون یہ تھا کہ "عائشہ! او ساٹھ محملوں کے جلوس والی خاتون! کیا تم ہر سال یوں ہی حج کیا کرتی ہو؟" عائشہ نے جواب میں کہلا بھیجا "ہاں یونہیں۔ تمھارا جی چاہتا ہو تو تم بھی میرے ساتھ ہو لو" مگر عروہ کو اُن کی رفاقت اختیار کرنے کی جرأت نہ ہوئی۔

اُسی حج کے موقع پر یہ واقعہ بھی پیش آیا کہ حضرت امام حسین علیہ السلام کی صاحبزادی سکینہ رضی اللہ عنہا بھی حج کے لیے شان وشکوہ سے نکلیں۔ مگر اُنکی شکوہ وشوکت سے عائشہ بنت طلحہ کا شکوہ بڑھا ہوا تھا۔ اتنے میں خاص عائشہ کے ساربان نے اُتر کے حُدی کا نغمہ گانا شروع کیا۔ جس میں وہ بار بار اس مضمون کے ایک شعر کا اعادہ کرتا تھا کہ "عائشہ! او ساٹھ محملوں کے جلوس والی خاتون! آپ جب تک زندہ وسلامت ہیں ہمیشہ اسی شان وشکوہ سے حج کیا کریں"۔ جناب سکینہ کو عائشہ کے حدی خوان کی یہ خود پسندی ناگوار ہوئی۔ اُن کی ناگواری کو اُن کا حُدی خوان ساربان سمجھ گیا۔ فوراً اُس نے یہ حُدی گانا شروع کیا کہ "عائشہ! دیکھو یہ تمھاری سوت (سکینہ) تمھاری شاکی ہیں (مگر یاد رہے) ان کے جد بزرگوار نہ ہوتے تو تمھارے باپ نعمت ہدایت سے محروم رہ جاتے"۔ عائشہ پر اس کا بڑا اثر پڑا۔ فوراً اپنے ساربان کو حکم دیا کہ اپنی زبان روکے اور اپنا نغمۂ حُدی موقوف کرے۔

ریّا بنت الفطریق السلمی

یہ عہد اولین اسلام کی ایک نیک نہاد وباعصمت خاتون تھیں جن کے عشق اور عہد وفا کے نباہنے کی داستان قیامت تک حسن وعشق کے بڑے بڑے

افسانون کو شرماتی رہے گی۔

اُن کے مورخین کہتے ہین کہ بڑی حسینہ جمیلہ۔ پاکباز و عفیفہ۔ علم و ادب مین مشہور۔ اور شعر و سخن مین نادر تھین۔ اور گروہ انصار مین سے تھین۔

ان نیک بیوی کے سچے شریفانہ عشق کی داستان یون شروع ہوتی ہے کہ کسی میلے یا عید کے دن جب مدینے کی عورتین کسی بیرونی زہت گاہ یا زیارت گاہ مین جایا کرتی تھین۔ نسل انصار کے ایک معزز ذی وقعت اور صاحب علم بزرگ عقبہ بن جاب بن منذر بن صبوت انصاری اُس مسجد مین بیٹھے ہوئے تھے جو غزوۂ خندق یا احزاب کی یادگار مین ایک خندق کے کنارے تعمیر کی گئی تھی۔ لیکایک چند عورتون کا ایک غول مسجد کی زیارت کو آیا۔ ایک نوخیز و نوعمر دوشیزہ جو چاند کا ٹکڑا معلوم ہوتی تھی ساتھ والیون سے الگ ہو کر اُن کے قریب آئی۔ اور دبی زبان سے سوال کیا "آپ اُسکے بارے مین کیا فرماتے ہین جسے آپکے وصل کی تمنا ہو؟" رعب حسن اور ہجوم شوق نے اُن کی زبان بند کردی اور وہ نازنین اپنی ساتھ والیون کے ساتھ چلی گئی۔

اُسکے جانے کے بعد عقبہ کی حالت دگرگون تھی۔ ایک نازنین حور خصائل کے پھول سے نازک لبون اور شرمائے ہوئے چشم و ابرو کا یہ سوال نہ تھا بلکہ ایک بجلی تھی جس نے سینے مین آگ لگا دی۔ بیقراری بڑھی۔ ہوش و حواس بیجا نہ رہے دل سے سیکڑون بار یہی سوال کرتے کہ تو کسی کی زلف گرہ گیر مین پھنس تو گیا۔ مگر یہ بتا کہ مین کہان جاؤن۔ اُسے کس جگہ ڈھونڈون۔ کس سے اُس کا پتہ پوچھون؟ افسوس یہ بھی تو نہین معلوم کہ یہ حور وش تھی کون؟ کس کی بیٹی ہے؟ کس قبیلے کی ہے؟ کیا نام ہے؟ اور کہان رہتی ہے؟ آہ!

وان لڑکی آنکھ جہان اپنا گذارہ ہی نہین"

اُٹھ کر گھر آئے۔ مگر گھر مین کیا خاک دل لگتا۔ مدینے کی گلیون مین مارے مارے پھرتے۔ ایک ایک سے پوچھتے اور سب احمق بناتے۔ وہ دن اور ساری رات انگارون پر لوٹتے اور کلیجہ تھام تھام کر آہین کرتے گذر گئی۔ صبح ہوئی تو پھر وہی کوچہ گردی تھی اور وہی خاک چھاننا۔ جب نہ کہین سراغ لگا اور نہ کسی جگہ دل لگا تو پھر اُسی

خانۂ خدا اُسی مسجد احزاب کی راہ لی۔ اور ہمہ تن شوق اور سراپا انتظار بن کر درگاہ الٰہی مین خضوع و خشوع سے التجا کرنے لگے کہ "خداوندا اُسے بھیج یا اُس کا پتہ بتا"۔

بیٹھے بیٹھے وہی وقت آگیا جس وقت کل اُس گُل اندام کا چہرۂ زیبا دیکھا تھا اور اُس کا ہوش رُبا سوال سُنا تھا۔ ناگہان دُور پر عورتون کا ایک غول اِدھر آتا دکھائی دیا۔ دل مین اُمیدون نے ہجوم کیا۔ شوق نے یقین دلایا کہ وہ گلبدن ستمین اسی گروہ مین ہے۔ دل پُر آرزو سے بے زبان ہلائے "مرحبا" کی آواز کانون مین آنے لگی۔ اور جو جو وہ گروہ قریب ہوتا جاتا تھا شوق کی بیخودیان بڑھتی جاتی تھین۔ آخر وہ عورتین مسجد مین آئین۔ اور اِدھر اُدھر سیر کرنے لگین۔ مگر اُس پریخیال کا کہین پتہ نہ تھا جسے آنکھین ڈھونڈھ رہی تھین۔ اب یاس ایک بے رحم قصائی کی طرح امیدون اور تمناؤن کو سینے کے قفس جفا مین ذبح کرنے لگی۔ اور قریب تھا کہ ساری تمناؤن کا خاتمہ ہو جائے کہ یکایک اُس غول مین کی ایک عورت نے قریب آکے دبی زبان مین پھر وہی کل والا سوال کیا کہ "اپنی طالبۂ وصل کے بارے مین کیا کہتے ہو؟" یکایک مقتول و نزع تمنائین پھر جی اُٹھین۔ اور نہایت ہی حسرت و تمنا کے ساتھ پوچھا "مگر آہ۔ وہ ہے کہان؟" اُس نے جواب دیا کہ "اپنے باپ کے ساتھ شہر سمآوہ کو چلی گئی"۔ ایک آہ کے ساتھ کہا "آہ۔ جی بھر کے دیکھنے بھی نہ پایا تھا کہ پھول نظر کے سامنے سے ہٹ گیا! مگر اور نہین تو اُس کا اور اُسکے باپ اور خاندان کا نام تو بتاؤ"۔ عورت نے چپکے سے کہا "اُس کا نام ریّا ہے۔ فطریق سلمی کی بیٹی ہے۔ اور انصار کے گھرانے کی لڑکی ہے"۔

یہ کہتے ہی وہ عورت اور اُسکی ساتھ والیان چلی گئین۔ اور عقبہ کو ہوش نہ تھا کہ مین کیا کرون اور کہان جاؤن۔ آخر بصد ہزار جبر گھر مین آئے۔ اور رات بھر اسی سوچ مین رہے کہ کیا کرون اور کس طرح اُڑ کر سمآوہ پہونچ جاؤن۔ مگر سمآوہ کالے کوسون عراق کی سرحد پر ہے۔ جہان انسان مہینون کی دشت نوردی کے بعد پہونچتا ہے۔ آہ! میری مہ پارہ چودھوین رات کا چاند ہے۔ اور سمآوہ اُسکا

آسمان - ہائے ! مین اس روشن تارے کو آسمان سے کیسے توڑ لاؤن ؟" چند شعر موزون کیے جن کا مضمون یہ تھا کہ "دوستو ! رتیا اپنے مسکن سکاوہ مین چلی گئی - اور اُس کا قافلہ آسمان سکاوہ کی طرف جا رہا ہے - دوستو ! مین روتے روتے بیدم ہو گیا - اور آنکھون مین آنسو نہین باقی رہے - کوئی مہربان ہے کہ تھوڑے آنسو مجھے قرض دے دے "

آخر جس طرح بنا سفر کا سامان کیا - ایک بار یہ تھا کہ - نیون سفر اور انیس حیران بنا کے ساتھ لیا - اور سکاوہ کی طرف چل کھڑے ہوئے - منزل مقصود پر پہونچ کے کاشانۂ جانان کی راہ لی - فطریق سلمی سے ملے اور اُسکو جو نام معلوم ہوا تو اس خیال سے کہ دار الہجرت مدینہ کے متوطن ہین بڑی تعظیم و تکریم کے ساتھ ہاتھون ہاتھ لیا - خود اپنے یہان مہمان کیا - اور دو تین روز کے بعد کہا "آپ جس کام کے لیے تشریف لائے ہون بیان کیجیے - مجھ سے جہان تک ہو سکے گا آپ کی مدد کرونگا اور کوشش کرون گا کہ جس غرض سے آئے ہین وہ بوجہ احسن پوری ہو"

اس کے جواب مین عتبہ بن حباب تو خاموش رہے مگر اُنکے ہمسفر دوست نے مہمان نواز فطریق سے کہا "ہمارے دوست آپ کی صاحبزادی رتیا کے لیے پیام دینا چاہتے ہین " اُس نے کہا "آپ کی شرافت خاندانی - دولتمندی - اور حسب و نسب مین کوئی شبہہ نہین - بے شک آپ کو پیام دینے کا حق ہے - اور مجھے بھی قبول کرنے کی وجہ نہین - مگر یہ معاملہ خود رتیا کی ذات کا ہے - اُس سے پوچھنا مقدم ہے - اور مین نے نکاح کے معاملے مین اُسی کو اختیار دے رکھا ہے "

عتبہ " تو پھر اپنی صاحبزادی سے بھی جا کے دریافت فرمالیجیے "

اب فطریق اندر گیا اور رتیا سے کہا "بیٹی مدینے کے معزز شریف سردار عتبہ جو ہمارے مہمان ہین تیرے ساتھ شادی کرنے کے آرزومند ہین - مین اُن کی شرافت سے واقف ہون - اور ہمارے ہی گروہ انصار کی نامور یادگار ہین - تیری اس معاملے مین کیا رائے ہے ؟"

رتیا تو اس کی منتظر ہی تھی - خود بھی عتبہ کے شوق مین بیتاب و بیقرار تھی اور اُسکے دل مین بھی ایک فقرہ کہہ کر آگ لگا آئی تھی - بے تکلف قبول کر لیا - اور باپ

سے کہا "ابا جان ایسے شریفوں کی درخواست کو مسترد نہ کرنا چاہیے"۔ اسی قدر نہیں آپ کے جانے کے بعد لونڈی کے ہاتھ عقبہ کے پاس شکریہ بھی کہلا بھیجا۔ یہ شکریہ ادا کرنا فیاضت ہوگیا۔ لونڈی نے فطریق سے کہہ دیا۔ اور اُس نے برہمی کے ساتھ آکر بیٹی سے کہا "ریا۔ مجھے معلوم ہوگیا کہ تجھ سے اس ادنیٰ شخص سے پہلے کا عہد و پیمان ہے۔ اور تم دونوں میری غفلت میں ایک دوسرے پر فریفتہ ہو چکے ہو۔ مگر یہ امر عرب کی شرافت و معاشرت کے خلاف ہے کہ لڑکی کی شادی اُس شخص کے ساتھ کی جائے جس کے ساتھ نکاح سے پہلے محبت پیدا ہو چکی ہو۔ میں نے تجھے اپنی شادی کا اختیار دیا تھا۔ مگر اب ثابت ہوا کہ تو آزادی پانے کی اہل نہ تھی۔ اس لیے اب یہ غیر ممکن ہے کہ عقبہ کے ساتھ تیرا عقد ہو۔ ایسی رسوائی و بدنامی تو تیرا باپ نہیں برداشت کر سکتا"۔

ریا باپ کے خیالات سُن کر بہت گھبرائی۔ دل میں فکر سے پُھنک گئے۔ مگر چہرے سے کوئی غیر معمولی پریشانی نہ ظاہر ہونے دی۔ اور کہا "ابا جان آپ کو اختیار ہے۔ اور بغیر آپ کی مرضی کے کوئی کام نہیں ہو سکتا۔ لیکن آپ انصار میں ہیں۔ اور ہمارا احسان بھی انصاری ہے۔ کج خلق و بے مروتی انصار کا شیوہ نہیں۔ اُن کا طریقہ یہ ہے کہ کوئی بات نہیں منظور ہوتی تو اسکو ایسی خوبصورتی اور تہذیب و شائستگی سے ٹالتے ہیں کہ اُنکے اخلاق پر حرف نہیں آنے پاتا۔ اور جب آپ کو عرب کے رسم و رواج کا اتنا پاس و لحاظ ہے تو اپنی خاندانی تہذیب کو ہاتھ سے دینا بھی ہرگز نہ پسند کریں گے"۔

فطریق "میں بے شک ایسا نہ کروں گا"۔

ریا "تو آپ یہ نہ کریں کہ اُنکو صاف لفظوں میں جواب دیں۔ اور وہ دیر لگائیں کہتے پھریں کہ وضع انصار کے خلاف آپ نے اُن کو نہایت بدتہذیبی و سختی سے جواب دیا"۔

فطریق "تو پھر میں کیا کروں اور کیا جواب دوں؟"

ریا "نکاح کو بظاہر منظور کیجیے مگر اُس میں ایسی شرطیں لگائیے کہ اُن سے نہ پوری ہو سکیں"۔

فطریق "یہ صحیح ہے - مین اتنا مہر مانگون گا کہ اُنکے دیئے نہ دیا جائے - واقعی مجھے اپنے ہم قوم و ہم نسب لوگون سے ایسا رو کھا پن نہ برتنا چاہیے" یہ کہکر باہر آیا - اور عتبہ سے کہا "میری بیٹی کو بھی آپ کے عقد مین آنا منظور ہے - مگر اُسکا مہر بھی آپ نے سُنا ؟"

عتبہ "فرمائیے - جہان تک ممکن ہوگا اُس کو فراہم کرکے حاضر کرون گا"

فطریق "میری بیٹی کوئی معمولی لڑکی نہین ہے - اور اُس کا مہر اُسکی خوبیون کے لحاظ سے مقرر کیا گیا ہے - آپ کو ایک ہزار اشرفیان - پانچ ہزار روپیہ - سو بوریا کی نفیس و اعلیٰ چادرین - اور عنبر اشہب کے پانچ قرص - واگر نہ ہو سکے"

عتبہ "یہ تو دشوار ہے - اشرفیان - روپیہ - اور چادرین تو شاید مہیا بھی کرون مگر عنبر کے پانچ قرص کہان سے لاؤن گا"

فطریق (مسکراکے) اور بغیر اس کے ریّا کسی کو نہین مل سکتی"

عتبہ "اچھا خیر - مین کوشش مین اپنی جان لڑا دون گا - لیکن اقرار فرمائیے کہ اگر مہر کی یہ سب چیزین لاکے پیش کر دون تو آپ ریّا کو میرے عقد مین دیدین گے"

فطریق دل مین سوچنے لگا کہ اقرار کرون یا نہ کرون - اگر اُس نے سب چیزین لاکے موجود کر دین تو پھر انکار کرتے نہ بنے گی - مگر آپ ہی" خیال کیا کہ ان چیزون کا لانا تو محال ہے - بھلا یہ کہان سے لائین گے - اور کہا "بے شک مین اقرار کرتا ہون کہ جس دن آپ یہ مہر کی چیزین لے آئین گے اُسی دن نکاح کر دون گا"

عتبہ نے اسکے بعد سارے عرب اور عراق کی خاک چھان ڈالی - اور چونکہ طلب صادق تھی اور عشق سچا تھا خدا نے سب چیزین مہیا کر دین - فوراً اُنکو لیکر شام وہ مین پہونچا - اور فطریق سے کہا "مین سب چیزین لے آیا ہے اب عقد کا سامان کیجیے" اُس نے حیرت سے عتبہ کی صورت دیکھی - گھبرایا ہوا بیٹی کے پاس گیا اور کہا "ریّا - عتبہ نے مہر کی تمام مطلوبہ چیزین حاضر کر دین جن کو مین سمجھتا تھا کہ کسی کو دستیاب نہ ہو سکین گی - اب بتا کیا کرون ؟"

ریّا "آپ نے صاف الفاظ مین اقرار تو نہین کیا ؟"

فطریق "اقرار تو صاف لفظون مین کر چکا ہون اب پھرنا غیر ممکن ہے - اب تو مین

مجبور ہون کہ تیرا ہاتھ اُسکے ہاتھ مین دون"۔

رتّیا۔ ہان یہ بدعہدی تو آپ سے نہ ہوسکے گی"۔

فطرتاً یہ بات آج تک کسی سے ہمارے خاندان مین ہوئی اور نہ مجھ سے ہوگی۔ افسوس کہ تم دونون اپنے مقصد مین کامیاب ہوے اور پابندی عہد نے مجھے ذلت گوارا کرنے پر مجبور کردیا۔ خیر تو اب دولھن بننے کے لیے تیار ہو۔ مشاطہ کو بلا کہ تجھے بناچلنے کی درست کرے۔ اور آج ہی شام کو تیرا عقد ہو جائے"۔

اُسی دن شادی ہوگئی۔ اور عتبہ کو رتّیا کی صورت مین ایسی نعمت غیر مترقبہ اور ایسی دولت لازوال ہاتھ لگی کہ دوسرے روز سے جو ولیمہ کی دعوتون کا سلسلہ شروع ہوا تو مسلسل پانچیس روز تک جاری رہا۔ اہل سجادہ نے اس مدت مین یہ جشن منائے۔ اور کسی گھر مین کھانا نہ پکا۔ ان دعوتون اور جشنون کا سلسلہ ختم ہونے کے بعد عتبہ نے اپنی پریمیکا و حورخصال دُلھن رتّیا کو بڑے ساز و سامان سے رخصت کرایا۔ اور ایک پر تکلف برات کی شان سے یہ عروسی قافلہ مدینے کی طرف روانہ ہوا۔

[illegible] گیا تھا کہ ناگہان بدوی ڈاکو قافلے پر آپڑے۔ اُنھین خبر مل گئی تھی کہ اس قافلے مین دولھا دولھن بڑے ساز و سامان اور اعلیٰ درجے کے جہیز کے ساتھ آرہے ہین۔ لہذا انھون نے اتنی قوت سے حملہ کیا کہ قافلے والون کا زور چلنا غیر ممکن تھا۔ عتبہ نے جب دیکھا کہ میری دولھن کی عزت و ناموس پر حملہ ہونے والا ہے تو شیر ببر کی طرح ڈاکوؤن پر جھپٹ پڑا۔ اور بہتون کو مار کے گرادیا۔ مگر کہان تک؟ اور کب تک؟ جب دشمنون نے نرغہ کرکے سب طرف سے نیزے مارنا شروع کیے تو زخمی ہوکر گرا۔ اور زخم ایسے کاری تھے کہ تڑپ کر جان دے دی۔

رتّیا نے محمل کے پردے سے جھانک کر عاشق دولھا اور بہادر شوہر کی بیجان لاش دیکھی۔ تو ایسی حسرت و یاس سے رونے پیٹنے اور ماتم کرنے لگی کہ ڈاکوؤن کو لوٹنا بھول گیا۔ اور سب نقش حیرت بن گئے۔ اُس نے بال کھول دیے۔ زیور نوچ کے پھینکدیا۔ نہ آنسوؤن کا سلسلہ ٹوٹتا تھا اور نہ ماتم و سینہ کوبی سے ہاتھ

رُکتا تھا۔ جوش حسرت بن اسنے فی البدیہہ چند شعر تصنیف کیے جن کو بین کی طرز میں گا کے سُناتی اور آسمان و زمین اور شجر و حجر کو رُلا رہی تھی۔ اُن شعروں کا مضمون یہ تھا کہ "میں نے صبر کیا۔ مگر یہ صبر نہیں بلکہ تمہارے پاس آنے کے راستے کو کاٹنا ہے۔ اور میری جان کو اگر انصاف کی رو سے دیکھو تو دنیا بھر میں سب سے پہلے اُسی کو تمہارے پاس آنا چاہیے" آخر یہ شعر پڑھتے ہی پڑھتے ایک چیخ ماری اور محمل سے گر کے جان دے دی۔

یہ حسرتناک منظر تھا ایک جادو یا طلسم تھا۔ ڈاکو اور قافلے والے سب کے سب رو رہے تھے اور کسی کو کسی بات کا ہوش نہ تھا۔ دیر کے بعد جب ہوش آیا تو سب نے مل کے اُن دونوں عاشق و معشوق کو شہیدِ وفا کی طرح اُنھیں کے کپڑوں کا اُنھیں کفن پہنا کے ایک ہی قبر میں دفن کر دیا۔ اور بعد فاتحہ پڑھ پڑھ کے اپنا اپنا راستہ لیا۔

تھوڑے دنوں کے بعد لوگوں نے دیکھا کہ اُن کی قبر پر ایک درخت اُگا ہے۔ جو وارد و صادر کو اُس درختِ بے شجر میں اپنے پاس بُلا کے بتا دیا کرتا ہے کہ "تیرے سایہ میں عتبہ اور ریا کے ایسے صادق العہد و جان باز عشاق آرام فرما رہے ہیں"۔ لوگوں نے اس درخت کا نام "شجرۃ العروسین" (دولھا دولھن والا درخت) رکھ دیا۔ اور اسی نام سے مدتوں وہ درخت اور وہ مقام یاد کیا جاتا رہا۔

دبارمیۂ حجونیہ

یہ عہد صحابہ کی ایک پُرجوش۔ راست باز۔ اور بیباک و آزاد خاتون تھی۔ نہایت ہی طلیق اللسان اور بڑی فصیح البیان تھی۔ حضرت علیؑ کے ساتھ اُسے خاص عقیدت و محبت تھی۔ اور اگرچہ زمانہ بدل گیا تھا مگر آپ کی مدح سرائی میں کسی کا خوف دل میں نہ لاتی۔ اُسے جنگ صفین کے واقعے یاد تھے۔ جن کو یاد کر کے حضرت علی مرتضیٰؑ کی عزت کرتی۔ اور آپ کی ناکامیوں پر خون کے آنسو بہاتی۔

ابو سہیل مسیحی کا بیان ہے کہ جناب معاویہ ایک سال حج کو گئے تو لوگوں سے پوچھا "یہاں بنی کنانہ کی نسل کی ایک عورت تھی جو دارمیہ کہلاتی اور مقام حجون میں

مین آکر اُترا کرتی تھی - اُس کا بھی کچھ پتہ ہے؟" لوگون نے کہا "جی ہان وہ زندہ و سلامت ہے" یہ سُن کر حضرت معاویہؓ نے اُس کو بُلا بھیجا - جب وہ آئی تو کہا "اے دام کی بیٹی (حبشن) کیون آئی ہو؟" بولی مین حبشن نہین عربی الاصل اور آل کنانہ مین سے ہون - اور آئی اس لیے کہ آپ نے بُلا بھیجا"

جناب معاویہ - "سمجھین بھی کہ مین نے کیون بُلایا ہے؟" کہا "غیب کی خبر خدا کو ہے مین کیا جانون کہ آپ نے کیون بُلایا ہے"

جناب معاویہ - "مین نے یہ پوچھنے کو بُلایا ہے کہ تم کو علیؓ سے کیون محبت تھی؟ اور مجھ سے کیون بغض ہے؟" اُس نے کہا "یہ کیونکر کہون؟ آپ خفا تو نہ ہون گے؟ اور جو کہونگی اُس کو معاف کر دین گے؟" جواب ملا "نہین - یہ قصور معاف نہین ہو سکتا"

دارمیہ - "خیر آپ معاف نہین کرتے تو نہ کرین مگر میرا جواب سُن لیجیے - حضرت علیؓ سے مجھے اس لیے محبت تھی کہ وہ رعایا مین انصاف کرتے - اور سب کو ایک نگاہ سے دیکھتے - اور بذل و عطا کے وقت سب کو یکسان عطا فرماتے - ان چیزون کو دیکھ کر مین اُن کی مدح خوان ہون اور اُن سے محبت کرنے لگی - آپ سے بغض اس لیے ہے کہ آپ خلافت کے لیے اُس شخص سے لڑے جو آپ سے زیادہ اُس کا مستحق تھا - اور اُس چیز کے خواستگار ہوئے جس کا آپ کو استحقاق نہ تھا - مین علیؓ کی دوست اس لیے تھی کہ رسول خدا صلعم نے اُنکو اپنا دوست بتایا - مسکینون اور محتاجون سے اُن کو محبت تھی - ازواج رسول اللہ صلعم کی عزت اور اُن کا احترام کرتے تھے اور آپ سے اس لیے دشمنی تھی کہ آپ نے خونریزی کی - جو فیصلے کرتے ہین اُن مین ظلم کرتے ہین - اور خواہش نفس کے مطابق احکام جاری کرتے ہین"

حضرت معاویہ نے جھنجلا کے کہا "اسی بغض کے بھرے ہونے کی وجہ سے تمھارا پیٹ پھول گیا - چھاتیان بڑی بڑی ہو گئین - اور سُرین بھاری بھرکم ہین" سنتے ہی دارمیہ نے جواب دیا "ان صفات مین تو خدا کی قسم آپ کی ماں ہند ضرب المثل تھین"

حضرت معاویہ - "اچھا اچھا بیٹھو - مین نے یہ بُرائی کی راہ سے نہین کہا تھا - اس لیے کہ یہ تو عورت کے خاص صفات ہین - جس کا پیٹ بڑا ہوتا ہے اُسکے رحم مین بچہ

اچھی طرح نشو و نما پاتا ہے۔ سینہ بڑا ہوا تو بچے کا دودھ سے پیٹ خوب بھرتا ہے۔ اور سُرینوں کے بڑے ہونے سے وہ یہاں بیٹھتی ہے وقار و تمکنت کے ساتھ بہت سی جگہ گھیر لیتی ہے۔"

اب دارمیہ کا جوش ذرا کم ہوا۔ اور امیر معاویہ نے پوچھا "اچھا بتاؤ تم نے علیؓ کو دیکھا تھا؟" بولی "ہاں دیکھا تھا۔" پوچھا "تو انھیں کیسا پایا؟" کہنے لگی "میں نے انکو ایسا پایا کہ یہی حکومت جس نے آپ کو نشے میں مبتلا کر دیا ہے اُن کو مبتلا نہ کر سکتی تھی۔ اور یہی دولت جس نے آپ کو اپنا گرویدہ بنا لیا ہے اُنکو نہ بنا سکی۔" جناب معاویہؓ نے پوچھا "اور اُنکی باتیں بھی سنی تھیں؟" بولی "ہاں سنی تھیں۔ اور خدا کی قسم اُنکو سُن کر دل روشن ہو جاتا تھا۔"

گویا اس گفتگو کو ختم کر کے حضرت معاویہ نے پوچھا "خیر تم سچ کہتی ہو۔ اب بتاؤ مجھ سے کچھ چاہتی بھی ہو؟" دارمیہ نے پوچھا "جو مانگوں گی آپ دیں گے بھی؟" کہا "ہاں دوں گا۔" کہنے لگی "تو مجھے سو اونٹنیاں دلوائیے جن کے ساتھ اُنکے بچے بھی ہوں اور چرانے والے بھی ہوں۔" پوچھا "ان اونٹنیوں کو لے کے کیا کرو گی؟" دارمیہ نے کہا "دودھ سے بچے پلیں گے۔ بڑے پیٹ بھریں گے۔ میں اُن سے نفع حاصل کروں گی۔ اور اپنے قبیلے والوں کی بھی اصلاح کروں گی۔"

یہ سُن کر جناب معاویہؓ نے کہا "اچھا ایک شرط ہے۔ اگر میں تمھاری یہ خواہش پوری کر دوں تو وعدہ کرو کہ مجھے بھی ویسا ہی سمجھنے لگو گی جیسا کہ علی کو سمجھتی ہو۔" دارمیہ نے کمال آزادی سے کہا "سبحان اللہ۔ بھلا یہ ممکن ہے؟ اُنکے برابر کیسا میں تو اُن سے کم بھی نہیں سمجھ سکتی۔" اُس کے اس بیباکانہ جواب پر معاویہ نے جھنجھلا کے کہا "خیر تو۔ کیا یاد کرو گی۔ مگر یاد رکھو کہ علی زندہ ہوتے تو خدا کی قسم تم کو اتنے اونٹ ہرگز نہ دیتے۔" اُس نے آزادی کے ساتھ جواب دیا "بے شک نہ دیتے۔ وہ تو مسلمانوں کے بیت المال میں سے اونٹ کیا چیز ہیں اُن کے اون کا ایک رویاں بھی مجھے نہ دیتے۔"

اس گفتگو کے بعد جناب معاویہ نے اونٹ منگوا کر اُسکے حوالے کیے اور وہ اُن کو لیکر اپنے گھر گئی۔

اس واقعے سے ظاہر ہوتا ہے کہ اظہار حق مین اُس عہد اولین اسلام کی ایک ایک معمولی عورت بھی کس قدر جری و بیباک تھی۔ اور معاویہ نے اگرچہ خلافت کی شان و دبدبہ اُسکی دینی آن بان مٹا کے اُسے شخصی سلطنت بنا لیا تھا۔ مگر عہد قدیم کی صحبتون کی اتنی بزلت باقی تھی کہ کتنی ہی سختی سے مخالفت کی جائے اُن کے صبر و تحمل مین فرق نہ آتا تھا۔ اور ہر آزادانہ کلمہ چینی کو نہایت ضبط سے برداشت کر سکتے تھے۔ اور اسی چیز نے اسلامی کتب سیر و تاریخ اور عربون کی عام صحبتون مین "حلم معاویہ" کو مشہور کر رکھا تھا۔

جنفیاف

یہ فرانس کی ایک نہایت ہی نامور شریف دریا دل اور نیک نفس و دلربا خاتون تھی۔ ڈیوک آف برانٹ کی بیٹی تھی۔ اور ۶۸۰ء مین بعہد یزید بن معاویہ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کے دو ایک سال بعد پیدا ہوئی تھی۔ حسن و جمال نازنینی و ناز آفرینی۔ رعنائی و دلربائی مین اُن دنون فرنگستان مین اپنا جواب نہ رکھتی تھی۔ اور ان خوبیون کے ساتھ آواز ایسی دلکش اور باتین ایسی پیاری تھین کہ معلوم ہوتا باتین نہین کرتی جادو کر رہی ہے۔ جس کسی سے دو باتین کر لیتی بے اختیار رکھنے لگتا۔ ع "کسی کی آنکھ مین جادو تری زبان مین ہے"

بالاتین کے نواب سنگریڈ سے ملاقات ہوئی۔ دونون مین محبت کے پینگ بڑھے اور آخر ۷۰۰ء مین جبکہ نازنین جنفیاف کا سن اٹھارہ برس کا تھا شادی ہو گئی۔ شادی کو ابھی پورا ایک برس بھی نہین گذرا تھا کہ چارلس مارٹل نے فرانس کو مسلمانون کے ہاتھ سے بچانے کے لیے فوج جمع کی اور اُس کے شوہر سے خواہش کی کہ ایک فوج کی سرداری وہ بھی قبول کرے۔ سنگریڈ کا دل قومی و مذہبی جوش سے لبریز تھا۔ اور اُس زمانے کے نامور بہادرون مین تھا۔ اُس مسیحی مجاہد کی درخواست خوشی سے قبول کر لی۔ اور چارلس مارٹل کے ہمراہ مسلمانون کے مقابلے پر روانہ ہوا۔ اور اپنے نائب الریاست گولو کو تاکید کر گیا کہ خبردار جنفیاف کو کسی قسم کی تکلیف نہ ہونے پائے۔ ہمیشہ اُس کی خدمت مین مصروف رہنا۔ اور وہ جس بات کا حکم دے اُس کی فوراً

تعمیل کرتا"

بدنفس گو تو جنفیاف کی صورت زیبا پر فریفتہ اور اُس کا عاشق ہو کر ناجائز ہوسین کرنے لگا۔ مگر جنفیاف کو دیکھا تو نہایت عفیفہ و پاکدامن پایا۔ پہلے خوشامد درآمد سے پھر مکر و فریب سے۔ اور اسکے بعد ڈرا دھمکا کے اپنی ہوس پوری کرنی چاہی۔ مگر کسی طرح زور نہ چلا۔ اور ثابت ہو گیا کہ جنفیاف کا حسن ایک ایسے آہنی قلعے مین محفوظ ہے جس کے کنگرون کو کسی کی ہوس کی کمند نہین پا سکتی اور جس کی دیوار مین سیندھ دینا محال ہے۔

جب کسی طرح زور نہ چلا تو گو تو شہی پر آمادہ ہو گیا۔ اور اُس کے شوہر کونٹ بالاتین کو میدان جنگ مین لکھ بھیجا کہ "مین آپ کی ہدایت کے مطابق ملکہ کی نگہداشت اور حفاظت کرتا ہون۔ مگر اُن کا چال چلن اور طرز عمل ایسا ہے کہ حفاظت غیر ممکن ہے اور مجھے شرم و ندامت سے لکھنا پڑتا ہے کہ باوجود میری ہر طرح کی نگہبانیون کے وہ اپنے ناجائز دوستون سے ملنا نہین چھوڑتین۔ اور قیامت یہ کہ حاملہ ہین۔ عنقریب حرام کا بچہ ہونے والا ہے" اس ظالم و مفتری نائب نے اُس کے شوہر ہی کو نہین لکھا بلکہ سارے فرانس مین یہ خبر شائع کر دی۔ اور ہر ادنیٰ و اعلیٰ کی نظر مین اُس نیک و پاکدامن حسینہ کو بدنام کر دیا۔

شوہر بالکل سادہ لوح اور بے عقل تھا۔ وزیر کے لکھنے کا یقین کر لیا۔ اور اپنے ایک معتمد علیہ شخص کو بھیجا کہ جاتے ہی بلا تامل میری بیوی اور اُسکے لڑکے کو اگر پیدا ہوا ہو جنگل مین لے جانا اور قتل کر کے دفن کر دینا۔ وہ شخص آیا اور چند روز کے بعد واپس جا کے خبر کی کہ دونون کو قتل کر ڈالا۔ اس خبر سے اگرچہ کونٹ کو وقتی تسکین سی ہو گئی۔ مگر ایسی اچھی پرکمال و خوش خصال بیوی سے زندگی بھر کے لیے محروم ہو جانے کے خیال سے ہر وقت دل پر ایک کوفت رہتی۔

لڑائی کے ختم ہونے کے بعد کونٹ گھر مین آیا۔ مگر کون گھر؟ جو اُس زندگی سے خالی تھا اور کاٹے کھاتا تھا۔ ملکہ کی خادماؤن اور رامیون جلیسون سے معلوم ہوا کہ فلان شخص آپ کا بھیجا ہوا آیا تھا وہ ملکہ اور اُسکے بچے کو جو آپ کا نہایت ہی خوبصورت فرزند تھا ساتھ لے گیا۔ اور پھر پتہ نہ لگا کہ دونون ماں بیٹے کیا ہوئے"

اُس نے کہا "اچھا ہوا کہ دنیا اُس زانیہ عورت اور اس کے حرام کے بچے سے خالی ہوگئی" یہ سُن کر وہ سب عورتیں رونے لگیں - اور سب نے کہا "آپ کو فریب دیا گیا ہے - آپ اُنکو حاملہ چھوڑ گئے تھے - چند روز بعد ایسا اچھا ولیعہد ریاست پیدا ہوا کہ ریاست کی ساری رعایا خوش ہوگئی - مگر آپ کے نائب کی یہ حالت تھی کہ جس دن سے آپ گئے اُسی روز سے وہ ملکہ کی آبرو لینے کے درپے ہوگئے پہلے خوشامدیں کرنا اور بھانا شروع کیا - پھر مکاری اور فریب سے اُنکو دام تزویر میں پھانسنے لگے - مگر پاکدامن ملکہ کے دل پر مطلق اثر نہ ہوا - تب وہ دھمکانے لگے کہ تم کو ساری دنیا میں بدنام کر دوں گا - اور خود تمھارے شوہر کو تمھارا دشمن بنا دونگا - اس کی بھی اُنھوں نے پروا نہ کی - اور ہم جانتے ہیں کہ اُنھیں کی سازش سے وہ کہیں غائب بھی ہوگئیں"

یہ واقعات سنتے ہی کوئٹ کے ہوش اُڑ گئے - اور لوگوں سے اس بیان کی تصدیق کی - اور آخر اپنے کیے پر پچھتاتے اور کف افسوس ملنے لگا - اب اُس کی یہ حالت ہوگئی کہ خود اپنا دشمن تھا - خودکشی پر آمادہ ہوگیا - مکان میں وحشت ہوئی تو شہر کے گلی کوچوں کی خاک چھانی - وہاں بھی کسی جگہ دل نہ لگا تو آبادی کے باہر جنگلوں میں وحشی درندوں کی طرح پھرنے لگا - آدمیوں کی صورت سے وحشت ہوتی اور کہتا کہ انسان سے زیادہ بے رحم و سنگدل کوئی نہیں - میرا انتقام اکیلے وزیر و نائٹ کے مار ڈالنے سے نہیں مل سکتا - بس میری تسکین دو ہی طرح سے ہو سکتی ہے - یا سب آدمیوں کو مار ڈالوں - یا سب سے قطع تعلق کر لوں"

اس خیال کا یہ اثر تھا کہ صبح ہوئی اور جنگل کی راہ لی - جہاں ہر کنج میں اور ہر درخت کے نیچے کھڑے ہو کر آنسو بہاتا - ایک دن جنگل میں پھر رہا تھا کہ دور پر ایک عورت دکھائی دی جو اُسی کی طرف بڑھتی چلی آتی تھی - ذرا نزدیک ہوئی تو چونک کے بولا "این ! یہ تو میری حنفیا ہے - مگر وہ کہاں ؟ وہ تو کب کی مرچکی" عورت اور قریب ہوئی تو گھبرا کے کہنے لگا "مگر یہ تو وہی ہے ! یقیناً وہی ہے ! آہ ! اب میں سمجھا - اُس کی روح آئی ہے کہ مجھے لعنت ملامت کرے اور میرے ظلم و ستم کا مجھ سے بدلہ لے - بے شک میں اسی کا مستحق ہوں - آ - آ -

پاس آ۔ مجھے گالیان دے۔ مجھ پر لعنت کر۔ بلکہ مجھے مار ڈال" اب جنفیاف اس قدر نزدیک تھی کہ یہ الفاظ اُس نے بخوبی سُن لیے اور بیتابی کے ساتھ بولی "نہین۔ نہین۔ مین نہ گالیان دون گی۔ نہ لعنت کرون گی۔ نہ مارون گی۔ بلکہ مین اب بھی ویسی ہی تمھاری صورت کی عاشق اور وفادار بیوی ہون۔ تم کو بدگمانی ہو۔ مگر میری محبت بدگمانی سے خالی اور بیوفائی کی نجاست سے پاک ہے" یہ کہتی ہوئی جنفیاف آکر سامنے کھڑی ہوگئی۔ اور کونٹ کی یہ حالت تھی کہ زبان بند تھی اور کوئی جواب نہ بن پڑتا تھا۔

آخر دل مضبوط کرکے کونٹ نے کہا "گر جنفیاف۔ مین تیرے قابل نہین۔ تیرا حُسن باغ عدن تھا۔ اور مین سانپ بن کے آیا اور اُسے ہاتھ سے کھودیا۔ تو باوفا تھی اور مین بے وفا ہون۔ تیرے دل مین محبت تھی اور میرے دل مین بغض۔ تو پارسا و پرہیزگار تھی اور مین بدکار و گنہگار ہون"

جنفیاف "تم چاہے جیسے ہو مگر مین تمھاری ہون۔ اور شادی کے روز جو عہد کیا تھا اُس پر آج تک قائم ہون اور زندگی بھر قائم رہون گی"

کونٹ (حیرت سے) "زندگی بھر قائم رہون گی؟ تو کیا تم ابھی زندہ ہو؟ اگر یہ ہے تو مین بڑا خوش نصیب ہون"

جنفیاف "ہان مین زندہ ہون۔ مگر تم کو یہ سُن کر افسوس ہوگا کہ مین زندہ بچ گئی۔ آؤ۔ اب تم اپنے ہاتھ سے قتل کر ڈالو۔ اور یہی میری تمنا بھی تھی۔ جس کو خدا نے یون پورا کیا کہ جس کو تم نے میرے قتل کر ڈالنے کا حکم دیا تھا اُس نے مجھے جنگل مین لاکے چھوڑ دیا۔ اور تاکید کی کہ پھر کبھی تم کو اپنی صورت نہ دکھاؤن"

کونٹ "اُس نے مجھ پر بڑا احسان کیا۔ افسوس گولو نے مجھے فریب دیا۔ اور مین ایسا بیوقوف بن گیا" یہ کہکے کونٹ نے بیوی کو گلے لگا لیا۔ بچہ پہاڑ کی ایک کھوہ مین غافل پڑا سو رہا تھا۔ اُسے جاکے گود مین اُٹھایا۔ اور پیار کیا۔

اب کونٹ اپنی محبوبہ بیوی اور اپنے لخت جگر کو اپنے محل مین لایا۔ اُسی وقت گولو کو بلاکے قتل کیا۔ اور گھر مین پھر خوشیان منائی جارہی تھین۔

جنفیاف نے جنگل مین جہان مصیبت کی زندگی بسر کی تھی وہان اپنی مصیبت

دُور ہونے کی یادگار مین ایک عالیشان خانقاہ تعمیر کرائی - اور اُس مین ایک پتھر پر اپنی ساری داستان کندہ کرادی - اور ایک تابوت بنوایا جس مین دونون میان بیوی مرنے کے بعد دفن کیے گئے - وہ خانقاہ اُس کی یادگار مین آج تک موجود ہے -

فریدہ

عہد بنی عباس مین اِس نام کی دو صاحب کمال و پرکمال گانے والی کنیزین گذری ہین - دونون جادو نگاہی و سحر آفرینی مین فریدۂ عصر اور یکتائے روزگار تھین - جن کی قائم کی ہوئی دھنین مدت ہائے دراز تک لوگون کے گلے مین اُتری رہین - اور بعد کے اساتذۂ موسیقی اُن کے کمالات کا دم بھرتے رہے -

پہلے فریدہ کا نشو و نما ارض حجاز مین ہوا - اسکے بعد اُس زمانے کے رئیس ربیع کے حرم مین پہونچی - اور وہین فن موسیقی مین کمال پیدا کیا - چند روز بعد وہ برامکہ کے فیاض و قدردانِ کمال گھرانے مین پہونچی - آخر جب ہارون رشید کی برہمی و بدگمانی نے جعفر بن یحییٰ برمکی اور اُسکے ساتھ تمام برامکہ کا خاتمہ کردیا تو فریدہ اُنکے محل سے نکل بھاگی - ہارون رشید نے اُسکو بہت ڈھنڈوایا مگر نہ پایا - آخر اُس کے ولیعہد اور عزیز فرزند محمد امین کے کاشانۂ عیش مین پہونچی - اور وہ اُس کے حُسن و جمال اور کمال کا گرویدہ ہوگیا - جب امین بھی مارا گیا تو فریدہ ایوان خلافت سے نکل کے ہیثم بن سلم کے عقد نکاح مین منسلک ہوگئی - اُسکے بطن سے ہیثم کا بیٹا عبداللہ پیدا ہوا - اُس کے بعد جب ہیثم بھی مرگیا تو اُس عہد کے نامور دربار رس سردار سندی ابن جوش نے اُس سے شادی کرلی - اور اُسکے گھر سے وہ مرکے نکلی -

دوسری فریدہ اُس سے زیادہ نامور و صاحب کمال - اُس سے زیادہ حسینۂ دہر تمثال - اُس سے زیادہ شوخ و بذلہ سنج اور لطیفہ گو - نہایت ہی زندہ دل اور سب سے بڑی بات یہ کہ محبت و وفا کی سچی تصویر تھی -

الواثق باللہ کے مغنی و مطرب عمرو بن بانہ نے اُسکو پال کے اُس کی تعلیم و تربیت کرکے اور ہر بات مین صاحب کمال بنا کے اُس کو خلیفہ کی نذر کردیا تھا -

عمرو کے گھر میں فریدہ کے ساتھ ایک اور کنیز بھی تعلیم پاتی رہی تھی جس کا نام غل تھا۔ فریدہ کو وہ واثق کے محل میں پہونچا چکا تھا کہ ایک روز اسکے سامنے اُس نے یہ چیز گائی

قلتُ خلاقا قبلی معذرتی ۔۔۔ لا تکذبی یحزنی محبا من احب

(میں نے غل (محبوبہ) سے کہا میرا عذر قبول کر محبت والے اپنے چاہنے والوں سے ایسا نہیں کرتے ہیں) واثق کو یہ گیت اس قدر پسند آیا کہ جھومنے لگا اور کہا "ذرا پردے کے پاس جا کے یہ راگ فریدہ کو بھی سکھا دو"۔ عمرو نے حریم خلافت کے پردے کے پاس بیٹھ کے یہ نغمہ فریدہ کو یاد کرانا شروع کیا۔ پہلا مصرع یاد کرتے کرتے اُس نے چپکے سے کہا "اس میں غل ہے یا غلی (میری غل) کیونکر ہے؟ عمرو سمجھ گیا کہ اس بہانے سے وہ اپنی سہیلی غل کی خیریت دریافت کرنا چاہتی ہے۔

پھر اسکے بعد فریدہ کا نغمہ روز بروز زیادہ مؤثر اور دلکش ہوتا گیا اور وہ اس کمال کو پہونچی کہ کوئی مغنیہ اُس کی ہمسری کا دعویٰ نہ کر سکتی تھی۔

مگر اُس کا کمال موسیقی۔ اسکی جادو بھری آواز۔ سحر آفرین باتیں۔ غلط انداز نگاہ۔ سب چیزیں زمانے کے ساتھ گذر گئیں۔ جو چیز کسی طرح زمانے کے مٹائے نہیں مٹ سکتی وہ اُسکی وفاداری ہے۔ اُس نے واثق کے سوا اور کسی کی صورت کو دیکھنا گوارا نہ کیا۔ اور گویا اُسی ایک دم کے لیے دُنیا میں آئی تھی۔ اس کا یہ جوہر ایک عجیب و غریب عبرتناک طریقے سے ظاہر ہوا جس سے زیادہ دل پر اثر کرنے والا کوئی واقعہ نہیں ہو سکتا۔

واثق کا ایک ندیم خاص محمد بن حارث کہتا ہے "میں واثق کی صحبت عیش میں شریک ہوا کرتا۔ اور میرے واسطے ہفتے میں چند روز مخصوص تھے جن کے سوا اور کسی دن نہ میں جاتا اور نہ بلایا جاتا۔ ایک دن گھر میں بے فکر بیٹھا تھا اس لیے کہ یہ میری باری کا دن نہ تھا۔ ناگہاں دروازے پر کچھ شور و ہنگامہ سُنا۔ باہر نکلا تو دیکھا کہ ایوان خلافت کے چوبدار اور ہرکارے کھڑے ہیں اور کہہ رہے ہیں "چلیے آپ کی یاد ہوئی ہے"۔ میں نے کہا "آج تو میرا دن نہیں ہے۔ یاد کیسے ہوگی؟ تمھیں کچھ دھوکا ہوا ہے"۔ اُنھوں نے کہا "ان باتوں میں دیر نہ لگائیے ہمیں تاکید ہے کہ فوراً آپ کو لیجا کے حاضر کر دیں۔ لہذا ہم آپ کو بے لیے نہ جائیں گے"۔

اب مین دل مین ڈرا اور طرح طرح کے اوہام گذرنے لگے - بار بار دل کہتا کہ "معلوم ہوتا ہے کسی نے کچھ لگا دیا - یا خود امیر المومنین کے دل مین کوئی بدگمانی پیدا ہوگئی - ہر حال آج خیریت نہین ہے" مگر مجبور تھا - گرتا پڑتا اُن لوگون کے ساتھ ہوگیا - قصر خلافت مین پہونچ کے اُس طرف چلا جدھر میرے ٹھہرنے کی جگہ مقرر تھی - مگر چوبدارون نے پکڑ کے کہا "نہین اُدھر چلیے" اور محل کے ایک ایسے راستے پر لے چلے جدھر کبھی میرا گذر نہین ہوا تھا - اب مجھے موت سامنے کھڑی نظر آتی تھی - کانپتا ہوا کمرون کے بعد کمرے اور مکانون کے بعد مکان طے کرتا چلا جاتا تھا - تھوڑی تھوڑی دور پر چوبدار اور خدام بدلتے جاتے - ایک گروہ اپنی حد تک پہونچا کے دوسرے گروہ کے حوالے کر دیتا - پھر دوسرا اپنی حد ختم کر کے تیسرے گروہ کو مجھ پر مسلط کر دیتا - کشان کشان قصر خلافت کی ہفتخوان طے کر کے ایک نہایت ہی نفیس مکان مین پہونچا جو اپنے تکلفات اور شاہانہ سامان آرائش سے شداد کی جنت معلوم ہوتا تھا - کمخاب کا فرش تھا - دیوارون پر طلائی نقش و نگار بنے تھے - دروازون اور محرابون پر زربفت کے پردے لٹک رہے تھے - اب لوگ مجھے اس مکان کے ایک کمرے کی طرف لے چلے جو سب سے زیادہ آراستہ و پیراستہ تھا -

دور ہی سے میری نظر اُس کمرے مین گئی تو دیکھا کہ سونے کے ایک مرصع تخت پر جواہرات کی مسند زرنگار بچھی ہے - مرصع تکیے لگے ہین - اُس پر واثق لباس فاخرہ پہنے بیٹھا ہے اور اُسکے پہلو مین فریدہ ہے جو دُلھن بنی ہوئی ہے - اُسکے جواہرات نظر کو خیرہ کیے دیتے ہین - ایک سرود اُسکی گود مین ہے اور وہ اُسکو چھیڑ رہی ہے - میری صورت دیکھتے ہی واثق نے کہا "واللہ خوب آئے - آؤ بیٹھو" مین نے زمین ادب چوم کر عرض کیا "امیر المومنین - خیریت تو ہے؟" کہا "خیریت ہے - دیکھتے نہین کہ اس بزم عیش مین ایک زندہ دل ندیم صحبت کی ضرورت ہے - تم سے زیادہ بامذاق انیس صحبت مجھے اور کوئی نہ نظر آیا - اس لیے بلا بھیجا - خیر پہلے جا کے کچھ کھا پی لو" عرض کیا "امیر المومنین مین خوب سیر ہون - اور پی بھی چکا ہون" یہ سُن کر کہا "تو خیر بیٹھو" ساتھ ہی کنیزون کی طرف جو دست بستہ کھڑی تھین اشارہ کیا - اور اُنھون نے مے ارغوانی کا ایک رطل گران لا کے

میرے سامنے پیش کر دیا۔ اور میں پینے پر مجبور تھا۔

اب فریدہ نے سرود چھیڑ چھیڑ کے مجنوں کے دو شعر گائے۔ اُس کی آواز اُسکے نغمے۔ اور اُس کی سرود نوازی سے خدا کی قسم یہ معلوم ہوتا کہ جیسے وہ مجھ پر جادو کر رہی ہے۔ اور میں لحظہ بہ لحظہ زیادہ مسحور و از خود رفتہ ہوتا چلا جاتا ہوں۔ ادھر واثق کی یہ حالت تھی کہ بیتاب تھا۔ اور شوق کی بیخودی میں بار بار اُسکو اپنے آغوش کی طرف کھینچتا۔ جھنجھوڑتا اور وہ زیادہ جوش و لطف کے ساتھ تانیں لگاتی۔ اور دل کو پاش پاش کیے ڈالتی تھی۔

فریدہ نے گانے کا سلسلہ باندھ دیا۔ ایک نغمہ ختم ہوتا تو دوسرا شروع کر دیتی جو پہلے سے زیادہ دلکش ہوتا۔ درمیان درمیان میں کبھی بیخود ہو کے میں بھی تانیں لگانے لگتا۔ غرض یہ ایسی صحبتِ طرب تھی کہ مجھے زندگی بھر نہ بھولیگی اور نہ ایسا لطف عیش کبھی نصیب ہوا تھا۔

ان لذتوں کا لطف اُٹھاتے اُٹھاتے کیا دیکھتا ہوں کہ ناگہاں واثق نے اپنا پاؤں اُٹھایا۔ اور اس زور سے کس کے فریدہ کو ایک لات ماری کہ وہ لڑھکتی اور قلابازیاں کھاتی ہوئی تخت کے نیچے جا پڑی۔ اُسکو جا بجا چوٹ آئی۔ سرود بالکل پاش پاش ہو گیا۔ اور وہ زمین پر گر کے زار و قطار رونے لگی۔

ساتھ ہی میری یہ حالت ہوئی کہ سن سے جان نکل گئی۔ اس صحبت میں کئی بار میں نے فریدہ کو اور اُس نے مجھے دیکھا تھا۔ مجھے یقین آ گیا کہ اس برہمی کا باعث یہی واقعہ ہے۔ نہ ہم دونوں ایک دوسرے کو دیکھتے اور نہ اس نازنین پر یہ ظلم ہوتا۔

ادھر واثق نے سر جھکایا تو بڑی دیر تک کسی فکر میں رہا۔ اور میں بھی سر جھکائے منتظر تھا کہ اب میرے قتل کا حکم ہوتا ہے۔ اتنے میں واثق نے سر اُٹھا کے میری طرف دیکھا اور کہا "محمد۔ تم نے کبھی اس سے زیادہ حیرتناک ماجرا دیکھا تھا؟" عرض کیا "امیر المومنین۔ غلام کا تو دم ہی نکل گیا۔ اور خدا لعنت کرے مجھ پر اگر میں نے اس حور وش نازنین کو آنکھ بھر کے بھی دیکھا ہو۔ یا اگر اتفاقاً نظر پڑ گئی تو اُس میں کسی قسم کی ادنیٰ بدنیتی بھی ہو۔" کہا "نہیں نہیں۔ اس کا تو بخدا مجھے ذرا

بھی خیال نہیں ہے - مجھے اس وقت بیٹھے بیٹھے یہ خیال آیا کہ جیسے میرا بیٹا جعفر (جو متوکل علی اللہ کے لقب سے اُسکے بعد خلیفہ ہوا) میری جگہ اسی تخت پر بیٹھا ہے - اور فریدہ اُسکے پہلو میں بیٹھی بوٹھیں نغمہ سنجی کر رہی ہے - اس خیال کو میں برداشت نہ کر سکا - اور مجھ سے ایسی حرکت سرزد ہو گئی"

(یہ خیال رکھنا چاہیے کہ واثق اپنے ولیعہد جعفر متوکل سے نہایت بدگمان اور اُس کا دشمن تھا - اور آخر اسی بدگمانی کے وہم میں مبتلا ہو کے مرا)

محمد بن حارث کہتا ہے واثق کا یہ خیال سُن کر میں نے دست بستہ عرض کیا" امیر المومنین اس کا خطرہ دل میں نہ لائیں - خدا نے چاہا تو ناخلف جعفر قتل ہوگا اور حضور ابد آلاباد تک زندہ و اقبالمند رہیں گے" پھر میں نے زمین بوس ہو کے عرض کیا" امیر المومنین - اللہ اللہ! بھلا ایسی نازنین گل اندام کے ساتھ ایسا سلوک ہونا چاہیئے تھا؟ حضور اُس کے حال پر رحم فرمائیں اور پھر پیار سے اپنے پہلو میں بٹھا لیں"

میری اس التجا پر اُس نے خادم کنیزوں کو حکم دیا کہ" فریدہ کو لا کے میرے برابر بٹھاؤ" حکم ہوتے ہی فریدہ دوسرا زرنگار جوڑا پہنا کے واثق کے برابر بٹھا دی گئی - اور واثق نے کھینچ کر اُسے گلے لگا لیا - اب دوسرا سر و دلا کے اُس کی گود میں رکھا گیا - گر فریدہ کی آنکھوں سے اب تک آنسوؤں کا سیلاب جاری تھا - اُس سے بھی زیادہ پھوٹ پھوٹ کے خود واثق رو رہا تھا - اور اُن دونوں کو روتے دیکھ کر میرا بھی دل بھر آیا - بے اختیار رونے لگا -

اب فریدہ نے کہا" امیر المومنین پہلے میرا قصور بتائیں - آخر کس جرم پر میرے ساتھ یہ سلوک ہوا؟" واثق نے جو وہم و خیال مجھ پر ظاہر کیا تھا اُس پر بھی ظاہر کر دیا - مگر کہتا جاتا تھا اور روتا جاتا تھا - واثق کا یہ بیان سُن کر فریدہ نے رو رو کے کہا" تو امیر المومنین - میں آپ کو خدا کا واسطہ دلاتی ہوں کہ مجھے اسی وقت قتل کرا ڈالیے - تاکہ آپ کے دل سے یہ اندیشہ دور ہو - اس طرح مجھے بھی آیندہ کی فکروں سے آزاد کر دیں گے - اور اپنے دل کو بھی مطمئن کر لیں گے" اُسکی اس درخواست پر واثق اور میں زار و قطار رونے لگے اور دیر تک روتے رہے -

یہ لوگ تو روتے ہی ہین لیکن سچ یہ ہے کہ ہم اُن کا یہ تذکرہ لکھتے وقت اُن سے زیادہ روتے اور خون کے آنسوؤن سے رو رہے ہین - ہمارے رونے کا باعث یہ جان گداز سین نہین بلکہ یہ امر ہے کہ افسوس یہی وہ مسندِ خلافتِ اسلامیہ ہے جو ابو بکر صدیق اور عمر فاروق کے لیے بچھائی گئی تھی - اور یہ امیر المومنین کا لقب وہ ہے جو شاہی و تاجداری کی نخوت و خود پرستی کے جذبات سے مبرا و منزہ رہنے کے واسطے حضرت فاروق اعظم کے لیے اختیار کیا گیا تھا - اُسی سادی مسند پر دو ہی تین صدیون کے بعد ایسا شخص بیٹھا نظر آتا ہے جس نے فرعون کی خود پرستیون اور خسرو پرویز کی عیاشیون کو بھی مات کر دیا - اور وہ شخص امیر المومنین کہلاتا ہے جس کو دراصل امیر العیاشین یا امیر الفاسقین کہنا چاہیے -

ہمارے بگڑنے اور ہمارے زوال کی اگر یہی رفتار ہے جو عہد فاروقی سے عہد واثقی تک سوا دو صدیون سے کم زمانے مین نظر آتی ہے تو تیرہ سو برس بعد اُس درجے سے جس پر ہم نظر آرہے ہین ہمین بہت زیادہ ابتر حالت مین ہونا چاہیے مگر نہین - دولت مغلیہ کے آداب دربار بتا رہے ہین کہ واقعی ہم اُسی درجے کو پہونچ گئے تھے جس کو اتنی مدت کے بگاڑ کا نمونہ ہونا چاہیے تھا - اور اب بھی بعض چھوٹے ذلیل رئیسون کو تھوڑی ثروت حاصل ہوتے ہی ہم اُس ناپاک حالت مین پاتے ہین جس سے شیطان بھی پناہ مانگتا ہے - اور اُس سے زیادہ عبرتناک یہ ہے کہ جن مسلمانون کو اُن سے تھوڑا نفع پہونچ جاتا ہے اُنکی تعریف کے پُل باندھ دیتے ہین اور ہماری نکتہ چینی کو صحبتِ دین کے منافی بتاتے ہین - حالانکہ سچ یہ ہے کہ اسلام کی ثروت و عزت اگر ایسے ہی حسن کے ڈاکوؤن سے عبارت ہے تو ثروت و دولت اسلام کا رہنے سے مٹجانا زیادہ اچھا ہے -

خیر اب واثق - فریدہ - اور ندیم صحبت محمد بن حارث سب نے آنسو پونچھے پھر اپنی اپنی جگہ پر بیٹھے - اور واثق نے خدام کو اشارہ کیا جنھون نے روپیون اشرفیون - خلعتون - اور دیبا و حریر اور زربفت و کمخواب کے تھانون کی کشتیان لالا کے سامنے رکھین - پھر ایک خادم ایک جواہر نگار صندوقچہ لایا - اور اُسکو کھول کے خلیفہ کے سامنے پیش کیا - واثق نے اُس مین سے بڑے بڑے موتیون کا

ایک ہار نکالا (جس کی نسبت محمد بن حارث کہتا ہے کہ مین نے اپنی زندگی مین کبھی اتنے بڑے اور ایسے آبدار موتی نہین دیکھے تھے) اور اُسکو اپنے ہاتھ سے فریدہ کے گلے مین ڈالدیا۔ اسکے بعد دس ہزار درہم کے دس توڑے اور قیمتی تھانون کی پانچ کشتیان محمد بن حارث کے سامنے رکھی گئین۔ اور پھر وہی صحبت عیش گرم ہو گئی جو رات بھر قائم رہی۔ اور صبح کو محمد اپنے انعامات لے کے اپنے گھر آیا۔ اور اپنی خوش نصیبی پر نازان تھا۔

اسکے بعد محمد بن حارث کہتا ہے کہ زمانہ بدلا۔ اور متوکل علی اللہ تخت پر بیٹھا۔ اور مین جس طرح واثق کا مصاحب تھا متوکل کے ندیمون مین بھی شامل کیا گیا۔ اب بھی اُسی طرح میری باری کے دن مقرر تھے۔ لیکن ایک روز جبکہ میرا گھر مین رہنے کا دن تھا غل سُن کر باہر آیا تو قصر خلافت کے چوبدارون اور ہرکارون کا ازدحام دیکھا۔ جنھون نے صورت دیکھتے ہی کہا "چلیے آپ کی یاد ہوئی ہے" وہ لوگ کشان کشان مجھ کو لے گئے۔ اور قیصر کے اندر اُنھین راستون سے بدلتے ہوئے مجھ کو اسی کاشانہ عیش مین پہونچایا۔ وہان کیا دیکھتا ہون کہ وہی کمرہ ہے۔ وہی تخت جواہر نگار ہے۔ وہی سازوسامان ہے۔ اُسی طرح فریدہ سرود گود مین لیے بیٹھی ہے۔ مگر اُس کے برابر اب واثق کی جگہ متوکل ہے۔

متوکل نے میری صورت دیکھتے ہی کہا "محمد۔ تم نہین دیکھتے کہ مین کس آفت مین مبتلا ہون؟ کل سے اس وقت تک فریدہ سے اصرار کرتے گذری کہ گاؤ۔ مگر یہ نہین مانتین۔ تمھین سمجھاؤ"۔ مین نے فریدہ سے کہا "سبحان اللہ! یہ کون سی ضد ہے کہ آپ اُن کا کہنا نہین مانتین جو آپ کے اور ہم سب کے آقائے نامدار اور تمام بنی نوع بشر کے سردار ہین! مین امیر المومنین ہی کی جان کی قسم دلا کے کہتا ہون کہ گائیے"۔

میرے کہنے سے فریدہ ذرا راہ پر آئی۔ سرود چھیڑا۔ اور دو شعر گائے جو عالم کی بے ثباتی اور موت کی حسرتناکی پر تھے۔ لیکن ان کا خود اُس پر یہ اثر پڑا کہ کمال طیش کے ساتھ سرود کو اس زور سے زمین پر پٹکا کہ چور چور ہو گیا۔ اور

خود تڑپ کے جو تخت پر سے گری تو دور تک لوٹتی چلی گئی۔ مرغ بسمل کی طرح تڑپتی تھی۔ اور چلا رہی تھی کہ "ہائے میرے آقا! ہائے میرے آقا!"

متوکل نے یہ حالت دیکھ کر پوچھا "آخر یہ ماجرا کیا ہے؟" میں نے عرض کیا "بخدا میں نہیں جانتا۔" اُس نے پوچھا "تو پھر تمہاری رائے میں مجھے کیا کرنا چاہیے؟" میں نے کہا "غالباً یہ میری صورت دیکھ کر زیادہ پریشان ہوتی ہیں۔ لہذا میری رائے تو یہ ہے کہ حضور مجھے رخصت کر کے کسی اور کو اس صحبت میں بلائیں۔ جس سے یہ شاید زیادہ مانوس ہوں۔ غالباً میرے چلے جانے کے بعد یہ حضور امیر المومنین کی مرضی پر چلنے لگیں۔" اُس نے کہا "اچھا تو جاؤ۔ خدا حافظ۔" اجازت ہوتے ہی میں اپنے گھر آیا۔ اور خدا جانے وفادار محبوبہ فریدہ پر کیا گذری۔

لیکن دریافت کرنے سے معلوم ہوا کہ فریدہ کسی طرح نہ لگائی۔ آخر متوکل نے کمال بے حسی اور بے مروتی سے ایک خادمہ کو حکم دیا کہ "جب تک یہ گانے پر آمادہ نہ ہو اسکے سر پر برابر دھولیں بجاتی رہو۔" اور زندگی سے تنگ آکے اُس نے سر دو اُٹھا کے متوکل کے سامنے یہ شعر گایا

فلا تبعد فکل فتیً سیاتی ۔ علیہ الموت یطرق او یغادی

آخر فریدہ نے واثق ہی کے غم میں کڑھ کڑھ کے جان دی۔ اور واثق کا اندیشہ نہ پورا ہونے دیا۔

ظریفہ بنت صفوان

عرب میں بنی عذرہ کا قبیلہ حسن و عشق کی شرر انگیزیوں کے لیے مشہور ہے۔ اس قبیلے نے خدا جانے کتنے عاشق جانباز پیدا کیے اور کتنی دلربا مہ وشوں کی پیاری صورتیں دنیا کے سامنے پیش کیں۔ مگر دنیا کے تمام دل دینے اور لینے والوں کی طرح اُن کی عاشقی و معشوقی کا انجام ہمیشہ ناکامی و نامرادی پر ہوا۔ اُنھیں نازنینان بنی عذرہ میں سے ایک ظریفہ بھی تھی جو صفوان ابن وائلہ عذری کی بیٹی تھی۔ اور مہ جبینی گلعذاری سحر نگاری و قیامت خرامی کے

علاوہ خوش آوازی اور جادو بیانی کے اعتبار سے بھی سارے قبیلے میں بے نظیر و عدیم المثال تھی۔

ایک روز قبیلے کی بہت سی دوشیزہ لڑکیوں کے ساتھ پانی لینے کو کسی دور کے تالاب پر گئی۔ اور سب لڑکیاں تو پانی میں اتر کے کھیلنے اور اپنے مشکیزوں میں پانی بھرنے لگیں۔ مگر وہ گھاٹ پر سب سے الگ ایک بلند مقام پر بیٹھ کے پیچ زلفوں میں کنگھی کرنے لگی۔ بال کھول دیے۔ جو رخ تابان پر اس طرح بکھرے ہوئے تھے جیسے ماہ تابان پر کالی بدلی کا جال پڑا ہو۔

اُسی دن اور خاص کر اُسی وقت اُسکے قبیلے کا شریف زادہ ذرعہ بن مالد عذری شکار کے لیے گھر سے نکلا تھا۔ کمان تیر چڑھائے ہوئے ایک ہرن کے پیچھے گھوڑا اڑائے چلا جاتا تھا۔ کہ اُس تالاب کے کنارے پہنچ کر ہرن نظر سے غائب ہو گیا۔ اور غالباً ظریفہ کے زلفوں پر نظر جا پڑی۔ جس وقت ظریفہ کے رخ انور پر نظر پڑی ہے اُسی وقت اُس نے باگ نکال کے زلفیں دونوں جانب سے ہٹائی تھیں۔ اور اُسکا چہرہ پانی میں سے گویا چہرہ رات کے چاند کی طرح ابر میں سے نکل کے یک بیک چمک اٹھا تھا۔ اور وہی ہے کے ساتھ ظریفہ کی نگاہ غلط انداز بھی ذرعہ پر پڑ گئی۔ تو شوق دیدار کی کشش بیخودی کے ساتھ آگے بڑھاتی چلی جاتی تھی۔ یہاں تک کہ ذرعہ کا تیر کھا کے گرا اور بیہوش ہو گیا۔

اُسکے اس بیکسی و غربت کے عشق پر ظریفہ کو ترس آ گیا۔ اپنی جگہ سے اُٹھی اُس کے پاس گئی۔ اور جب یوں اُسے ہوش نہ آیا تو تالاب سے پانی لے لے کر اُس کے منہ پر چھڑکنے لگی۔ چند منٹ میں تیر نظر کے گھائل نے آنکھیں کھول دیں۔ اور گل رخسار کو مہربان اور درد عشق کا معالج دیکھ کر بولا "ہائے! قاتل ہی مقتول کا علاج بھی کر رہا ہے!" اس کے جواب میں ظریفہ نے مسکرا کے کہا "تو پھر تمھیں کس بات کی شکایت ہے؟" اب ذرعہ ہوش و حواس میں تھا۔ اور محبت محبوبہ جادو لگا دا اُس کی میٹھی باتوں سے لطف اُٹھا رہا تھا۔ اُٹھ بیٹھا۔ اور دیر تک دونوں وہ باتیں کرتے رہے جن کو پڑھ کے دنیا کے عاشقوں اور معشوقوں

کے کان مین کہہ دیا کرتا ہے۔

آخر ظریفہ اُٹھی کہ دیر ہوئی تو ساتھ والیان بدگمان ہو جائین گی۔ اور ساتھ ہی زرعہ بھی یہ کہتا ہوا اُٹھ کھڑا ہوا کہ ع "جو شکار افگن تھا آکر ہو گیا یاں خود شکار"

پھر ان برجستہ طبعزاد اشعار مین ترنم کرنے لگا۔

خَرَجْتُ اَصِیْدُ الْوَحْشَ صَادَفْتُ قَانِصًا مِنَ الرِّیْمِ صَادَتْنِیْ سَرِیْعًا حَبَائِلُہٗ

مین وحشیون کا شکار کھیلنے کو نکلا تھا مگر گوری غزالہ نے خود مجھے جھٹ پٹ اپنی کمند مین پھانس کے شکار کر لیا۔

فَلَمَّا رَمَانِیْ بِالنَّبَالِ مُسَارِعًا رَقَانِیْ وَهَلْ مَیْتٌ بِدَاوِیَہٖ قَاتِلُہٗ

پھر جب تیر سے گرا چکی تو دوڑ کے مجھ پر دعائے صحت دم کر دی۔ اور بھلا کہین یہ بھی دیکھا ہے کہ مُردے کا علاج خود اُس کا قاتل کرے؟

اَلَا فِیْ سَبِیْلِ الْحُبِّ صَبٌّ قَدْ اَنْقَضٰی سَرِیْعًا وَلَمْ یَبْلُغْ مُرَادًا یَحَاوِلُہٗ

لوگو! مبتلائے عشق راہِ محبت مین جلدی تمام ہو گیا اور وہ تمنا نہ پوری ہوئی جس کا آرزومند تھا۔

اسکے بعد زرعہ بڑی دشواریون سے گھر تک پہونچا۔ اور پہونچتے ہی صاحبِ فراش ہو گیا۔ اور کھانا پینا مشتق چھوٹ گیا۔ ماں باپ نے سو جتن کیے اور دوڑ دھوپ مین کوئی بات اُٹھا نہ رکھی مگر ع "مرض بڑھتا گیا جو جو دوا کی"۔ آخر زندگی سے مایوس ہو کر اُس نے ماں کے کان مین کہہ دیا کہ "آپ بیکار ہی میرے لیے دوا اور علاج کی فکر کر رہی ہین۔ مریضِ عشق کو دنیا مین کون اچھا کر سکتا ہے؟ مین دراصل ظریفہ بنت صفوان کے رخِ زیبا کا بیمار ہون۔ میرا علاج ہو سکتا ہے تو اُس سے۔ اور یہ ممکن نہین ہے"۔

ماں کی ممتا بُری ہوتی ہے۔ جانتی تھی کہ ظریفہ کے خاندان والے اس نسبت کو ہرگز نہ منظور کرین گے۔ مگر بیٹے کو ہاتھ سے جاتے دیکھ کر نہ رہا گیا۔ ظریفہ کے خیمے مین دوڑی گئی۔ اور اُس سے تنہائی مین مل کے کہا "بیٹی۔ میری جرأت کو معاف کرنا۔ اس لیے کہ مین اپنے آپے مین نہین ہون۔ میرا بیٹا زرعہ تمھاری پیاری صورت دیکھ کے دیوانہ ہو گیا ہے۔ اور اپنی جان دیے دیتا ہے"۔ یہ کہتے ہی

اُس کے قدموں پر گر پڑی اور کہا "بس تمھیں اُسے اچھا کر سکتی ہو۔ دنیا بھر میں کوئی حکیم اور طبیب اُس کا علاج نہیں کر سکتا۔ اگر ایک گھڑی بھر کے لیے آ کے اسے تسلی دے دوگی تو اُمید ہے کہ کچھ جینے کا سہارا ہو جائے گا"

ظریفہ نے فوراً اُسکو اُٹھایا اور سینے سے لپٹ گئی۔ پھر ایک آہ کھینچ کے آنکھوں میں آنسو بھر لائی۔ اور کہا "ہائے اپنی رسوائی و بیحیائی کو کیسے چھپاؤں؟ اب آپ نے پھیرا ہے تو سنیے۔ جو آگ آپ کے فرزند کے دل میں لگی ہے وہی میرے دل میں بھی لگی ہوئی ہے۔ اُنھوں نے تو آپ سے کہہ بھی دیا۔ مگر میں کمبخت کس سے کہوں؟ اور کس کے آگے جا کے روؤں؟ آپ وہاں چلنے کو کہتی ہیں۔ میں تو سر آنکھوں سے چلتی۔ اور بن بلائے چلی آتی۔ مگر آہ۔ دشمن ہر طرف لگے ہوئے ہیں۔ میری پریشانی اور اُلجھن سے کسی کو بھی شبہہ ہوا تو کیا ہوگا؟ چغلیاں کھانے والیاں اسی فکر میں ہیں کہ کوئی بات ڈھونڈیں اور بزرگوں سے لگا دیں۔ ایسی حالت میں بھلا میری مجال ہے کہ کہیں جاؤں؟ اور بیحیائی اختیار کر کے چلی بھی آئی تو سب لوگ مجھ سے زیادہ آپ کے بیٹے کے دشمن ہو جائیں گے۔ اس لیے یہ تو کسی طرح مناسب نہیں ہے کہ میں آپ کے گھر میں آؤں۔ مگر ایک تدبیر کرتی ہوں اس سے شاید اُن کو افاقہ ہو۔ اپنے بالوں کی ایک لٹ کاٹے دیتی ہوں۔ اسکو لیجا کے اُنھیں دیجیے۔ شاید کچھ تسکین ہو سکے" یہ کہہ کے اپنی زلفوں کی ایک لٹ کاٹ دی۔ اور زرعہ کی ماں اُس کو لیے ہوئے زرعہ کے پاس آئی اور ساری سرگذشت بیان کر دی۔

ان بالوں کو ہاتھ میں لیتے ہی زرعہ کی جان میں جان آگئی۔ اس سے اچھا تحفہ بھلا کہاں نصیب ہو سکتا تھا؟ اُن بالوں کو بار بار سونگھتا۔ آنکھوں سے لگاتا۔ اور چومتا۔ یہاں تک کہ رفتہ رفتہ اچھا ہو گیا۔ بھوک بھی کھل گئی۔ کھایا پیا۔ اور چلنے پھرنے کی طاقت آگئی۔

اب اُس کا یہ معمول ہو گیا کہ چھپ چھپ کے اور لوگوں کی آنکھ بچا بچا کے ظریفہ کے خیمے کے پاس جاتا۔ اور نادانستگی کے انداز سے دونوں ایک دوسرے کی زیارت کبھی کبھی کر لیا کرتے۔ اور یہی دھوکے دھڑی کی ملاقاتیں دونوں کے

جینے کا سہارا تھین۔

مگر فلک بے مہر اسکو بھی نہ دیکھ سکا۔ دونون کے دلی تعلق کی سارے قبیلے مین شہرت ہو گئی۔ اور تمام قبیلے والے اُس کے قتل کے درپے ہو گئے۔ اس لیے کہ عرب مین لڑکی کی شادی اور جس کسی کے ساتھ چاہین کر دین کوئی مضائقہ نہ تھا مگر جسکے ساتھ شادی سے پہلے محبت ہو گئی ہو اُسکے ساتھ لڑکی کی شادی ہو جاتی تو سمجھا جاتا کہ سارے قبیلے کی ناک کٹ گئی۔ مجبوراً زرعہ کو گھر بار اعزا و اقارب اور خاص کر محبوبہ شیرین ادا کو چھوڑ کر بھاگنا پڑا۔

بھیجے ہی زمین سے بھاگا تو یمن مین پہونچکر دم لیا۔ فریقہ کی زلفون کے بال ساتھ تھے۔ اور وہی ذریعۂ زندگی تھے۔ قدم قدم پر اُنکو نکال کے دیکھتا۔ سونگھتا۔ اور چومتا جب کبھی شوق اتنا بڑھتا اُن کو منہ پر ڈال لیتا اور تسلی ہو جاتی۔ غرض یونہین وہ اپنی روح کو تازہ کیا کرتا تھا۔ اسی حالت مین کئی سال گذر گئے۔ ایک دن کسی ضرورت سے کہین جا رہا تھا کہ راہ مین وہ بال جو جزو جان تھے گر گئے۔ پلٹ کے اُنکو ڈھونڈھتا ہوا چلا۔ اور ساری راہ مین ڈھونڈھ ڈالا مگر کہین پتہ نہ لگا۔ آخر ڈھونڈھتے ہی ڈھونڈھتے طاقت جواب دینے لگی۔ اب اتنا دم نہ تھا کہ کہین جائے۔ لوگون نے اصرار کیا کہ چلیے گھر مین آرام سے بیٹھ کے سوچیے گا تو تسلی و تسکین کی کوئی صورت نکل ہی آئے گی۔ جواب دیا "بس اب مین جا چکا۔ آپ سب جائین اور مجھے میری قسمت پر چھوڑ دین۔ یا تو کوئی صورت زندگی پیدا ہو گی یا پیوند زمین ہو جاؤن گا"

سب لوگ چلے گئے اور زرعہ نے ایک لڑکے کو اپنے چار شعر یاد کرا دیے۔ اور کہا "قبیلۂ بنی عذرہ کی آبادی مین فلان مقام پر جائے جس وقت اور کوئی نہ نظر آئے ان اشعار کو بہ آواز بلند گانے لگنا۔ اُن اشعار کا مضمون یہ تھا کہ ایک مریض عشق ایک جگہ کسی قبیلے کے خیمون کے سامنے پڑا تڑپ رہا ہے۔ اُس کی نہ کچھ دوا ہے اور نہ اُس کا کوئی علاج۔ لوگ کہتے ہین کہ تم اُس کی عیادت کو آؤ گی تو جی جائے گا۔ اور اُس مہ جبین سے ہم مہربانی کی درخواست کرینگے تو وہ اُس مین بخل نہ کریگی"

یہ لڑکا گیا اور اُسی جگہ اُس نے سناٹا دیکھ کے وہ اشعار گائے۔ فوراً ظریفہ روتی ہوئی خیمے سے نکل آئی۔ اور جواب میں اپنے طبزاد چار اشعار گائے جن کا مضمون یہ تھا:۔ خدا رحم کرے اُس پر جس کا دل محبت میں مبتلا ہے۔ اور جس کے شوق میں میرا جی چاہتا ہے کہ اُڑ کے پہونچ جاتی۔ اگرچہ دل میں کثرت سے شعلے اُٹھ رہے ہیں۔ مگر چغل خور لگانے بجھانے والے بھی بہت ہیں۔ اور اگرچہ خاندان والوں کے ڈر سے میں جسمانی طرز پر ملاقات کے لیے نہیں آسکتی۔ مگر دل روز تمھارے پاس جاتا اور زیارت کرآتا ہے"

لڑکے نے یہ جوابیہ اشعار بر زبان یاد کر لیے اور واپس آکر زرعہ کو سنائے تو سن کر تھوڑی دیر تک اس بیخودی کا عالم طاری رہا۔ پھر آنکھ کھول کر اس مضمون کے دو شعر پڑھے کہ "معلوم ہوتا ہے اُس بیوپاری کا عشق میری جان لے گا۔ نہیں معلوم میرے بنی، غلام میرے ساتھ کیا کرنے والے ہیں۔ اُنھوں نے جو کچھ کیا اچھا کیا۔ اور افسوس میرا خون مفت ضائع ہوا"

اب اس پر قیامت یہ ہوئی کہ ظریفہ کے ماں باپ نے اپنے قبیلے کے ایک شخص کے ساتھ بیٹی کی شادی کر دی۔ یہ خبر زرعہ کو پہونچی تو کمال بیقراری سے تڑپنے لگا۔ یہاں تک کہ تڑپتے تڑپتے بے ہوش ہو گیا۔ اور اسی بے ہوشی میں روح پرواز کر گئی۔

ادھر ظریفہ کی یہ حالت ہوئی کہ جس دن بلا کے ساتھ عقد ہوا تھا اُس سے کسی طرح مانوس نہ ہوئی۔ اور نہ اُس کو کبھی اپنے پاس آنے دیتی تھی۔ زبان سے تو کبھی ایک لفظ بھی نہ نکالا۔ مگر طرز عمل سے ثابت کر دیا کہ بجز زرعہ کے وہ اور کسی کے لیے نہیں ہے۔ اسی اثنا میں خبر پہونچی کہ زرعہ دنیا سے رخصت ہو گیا۔ اب اُس کو بجز رونے دھونے [illegible] کسی چیز سے سروکار نہ تھا۔ شوہر اُس کی [illegible] باتوں اور حرکتوں [illegible] سے دیکھتا اور دم نہ مارتا تھا۔ پہلے کبھی [illegible] اور تسلی دینے کی بہت کوشش کی مگر جب دیکھا کہ [illegible] کوئی اثر نہیں ہوتا تو اُسکو اُسی کے حال پر چھوڑ دیا۔ لیکن چونکہ طرح طرح کے اندیشے تھے اس لیے ہمیشہ اُس کی نگرانی رکھتا۔

ایک شب کو آدھی رات کے بعد اُس نے دیکھا کہ ظریفہ بچھونے سے اُٹھ کر گھر سے نکلی اور ایک طرف روانہ ہوئی۔ وہ بھی پیچھے ہو لیا کہ دیکھوں کہاں جاتی ہے اور کیا کرتی ہے۔ جاتے جاتے وہ وادی کے کنارے پہونچی جو پانی برسنے سے اُن دنوں جاری ہو گئی تھی۔ جہاں پہونچتے ہی ظریفہ بے تحاشا ندی میں پھاند پڑی۔ اور پانی میں غائب ہو گئی۔ شوہر بھی پانی میں کودا اور ڈھونڈھ کے نکال لایا۔ گر کنارے پر لٹا کے دیکھا تو ہوش میں نہ تھی۔ اپنے خیمے میں اُٹھا لایا۔ رات بھر مردے کی طرح بے حس و حرکت پڑی رہی۔ صبح کو دیکھا تو ذرا سانس باقی تھی۔ ماں نے آکے رونا پیٹنا شروع کیا۔ اُس سے ظریفہ نے کچھ کہا۔ مگر کوئی سمجھ نہ سکا کہ کیا کہتی ہے۔ اب اُس نے اشارے سے پانی مانگا۔ لوگوں نے کٹورا اُٹھا کے مُنہ سے لگا دیا۔ دو ایک گھونٹ پیے تھے کہ فراق جاناں میں جان دے دی۔ اور وہیں پہونچ گئی جہاں اُس کا عاشق نامراد تھا۔

پہلے تو بقیلے ہی کی زمین میں دفن کر دی گئی۔ مگر اسکے بعد بنی رحمون کو ترس آیا۔ اور اُس کی لاش کو قبر سے نکال کے لے گئے اور جہاں زرعہ بن خالد دفن تھا وہیں اُسکے پہلو میں لٹا کے خاک میں سُلا دیا۔

اُم حکیم بنت قارظ

یہ حضرت عبید اللہ بن عباس بن عبد المطلب کی بیوی تھیں۔ عرب کی نامور فصیحہ و بلیغہ خاتونوں میں تھیں۔ پاکدامنی و اخلاق میں مشہور تھیں۔ حُسن و جمال بھی عدیم المثال تھا۔ اور بڑی ثابت قدم اور دل کی بہادر تھیں۔ اُن کے اشعار اُن کی زبان سے نکلتے ہی مشہور ہو جاتے۔ اور اکثر اشعار اپنے دو ننھے بچوں کے غم میں تھے۔ جن میں سے ایک کا نام عبد الرحمٰن تھا اور دوسرے کا نام قثم۔

اُن بچوں کی مظلومانہ موت کا واقعہ یہ ہے کہ حضرت علی اور امیر معاویہ کے جھگڑے کا تصفیہ دونوں حکموں کی زبان سے ایسا ہوا کہ معاویہ کامیاب ہو گئے تو اُنھوں نے دو شخصوں ضحاک بن قیس اور بُسر بن ارطاۃ کو روانہ کیا اور حکم دیا

کہ جس کسی کو علیؓ بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے موافق اور اُنکے گروہ مین پائین قتل کر دین - اور زن و فرزند پر بھی ترس نہ کھائین - عبید اللہ بن عباس اندنون یمن کے والی تھے - بسر بن ارطاۃ وہان پہونچا تو اپنی کمزوری سے اور کسی لشکر کے موجود نہ ہونے کے باعث وہ بھاگ کے روپوش ہوگئے - بسر نے اُنکے گھر پر پہونچ کے اُنھین نہ پایا تو اُنکے دونون مذکورہ بالا لڑکون کو جو ابھی ننھے بچے تھے اُن کی ماں کے سامنے ذبح کر ڈالا -

وہ بدقسمت ماں بی اُم حکیم تھین - اُنھون نے جو یہ حالت دیکھی تو بیچاری وفور غم سے دیوانی ہوگئین - گھر چھوڑ کے نکل کھڑی ہوئین - نہ کسی کی سُنتی تھین اور نہ کچھ سمجھتی تھین - کوئی کچھ کہتا اُنھین حس نہ ہوتی - دشت و در کی خاک چھانتی اور قبائل عرب مین چکر لگاتی پھرتی تھین - جس جگہ چند آدمی بیٹھے نظر آجاتے اُنکے پاس ٹھہر جاتین - اور اپنے پُرسوز و گداز اشعار سنانے لگتین - جن کو سُن کر سخت سے سخت دل خون ہو جاتا - اور ہر شخص کی آنکھون سے آنسو جاری ہو جاتے - منجملہ اُنکے اشعار کے ہم دو تین کا ترجمہ اپنے ناظرین کے سامنے پیش کیے دیتے ہین - تاکہ کسی قدر اندازہ ہوسکے کہ ان شعرون نے قبائل عرب مین کیسی آگ لگا دی ہوگی - کہتی ہین -

"ارے کسی نے میرے بچون کو دیکھا ہے جو موتی تھے اور سیپی اُن سے محروم کر دی گئی"

"ارے کسی نے میرے بچون کو دیکھا ہے جو میرے کان اور میرا دل تھے اور بے اُنکے میرا دل چاک چاک ہے"

"ارے کسی نے میرے بچون کو دیکھا ہے جو میرا دماغ تھے اور مین بغیر دماغ کی ہون"

ایک دن ان شعرون کو اہل یمن کے ایک مجمع کے سامنے بین کے لہجے مین پڑھا تو سب بیتاب ہوگئے - مگر ایک شخص کے دل مین بغیر کسی قرابت یا تعلق کے انتقام کا ایسا جوش پیدا ہوا کہ جا کے بُسر سے ملا - دوست بنا - اور چند روز مین ایسا معتمد علیہ بن گیا کہ ایک روز بُسر کے دو لڑکون کو اُسی کے سامنے

سیر و شکار کے بہانے وادی اوطاس مین لے گیا - اور اُم حکیم بنت قارظ کے دونون بچون کی طرح اُن کو قتل کر کے بھاگ کھڑا ہوا - پھر یہ چند شعر کہہ کے مشہور کر دیے جو گویا بُسر کے نام پیام تھے "بنی ہاشم سے بہتر روے زمین پر کوئی نہین ہے۔ اُن دونون بچون کو مار کے تجھے کیا مل گیا جن کی مان غم مین روتی پھرتی ہے؟ اُنھین کا انتقام مین نے تجھ سے لے لیا"

حضرت علی رضی اللہ عنہ کو جب خبر پہونچی کہ بُسر نے اُن معصوم بچون کو مار ڈالا - تو آپ کو بیحد صدمہ ہوا - اور بددعا فرمائی کہ "بار الٰہا - بُسر سے نور ایمان کو چھین لے - اور وہ مجنون ہو کے مرے" یہ دعا پوری ہوئی - اور اُس کی عقل جاتی رہی - اور یہ حالت تھی کہ شمشیر زنی کے ہذیان مین مبتلا تھا - بار بار چلاتا کہ "میری تلوار لاؤ" لوگ ایک لکڑی کی نقلی تلوار اُسکے ہاتھ مین دیدیتے - اور ایک مشک پھونک کر اور اُس کا دہانہ باندھ کے سامنے ڈالدیتے - وہ اُس مشک پر چوبی تلوار سے برابر وار کرتا - یہان تک کہ مشک مین سے ہوا نکل جاتی -

کہتے ہین کہ ایک بار عبید اللہ بن عباس معاویہ سے ملنے کو گئے - وہان اتفاقاً بُسر بن ارطاۃ بھی موجود تھا - اُسکو دیکھ کر عبید اللہ نے کہا "او شخص! میرے بچون کا قاتل تو ہی ہے؟" بولا "ہان مین نے اُن کو قتل کیا" عبید اللہ نے کہا "مجھے تمنا تھی کہ کسی جگہ میرا تیرا سامنا ہوتا" بُسر نے کہا "ہین مین تمھارے سامنے موجود ہون" عبید اللہ بولے "مگر اس وقت تو میری کمر مین تلوار بھی نہین ہے" بُسر نے اپنی تلوار کو بڑھا کے کہا "لو یہ تلوار بھی لے لو" مگر جیسے ہی عبید اللہ نے تلوار لینے کو ہاتھ بڑھایا معاویہ نے بُسر کے ہاتھ سے تلوار چھین لی اور بُسر سے کہا "خدا تمھین غارت کرے - بڑھاپے مین تمھاری عقل بھی جاتی رہی؟ دیکھتے نہین کہ یہ ہاشمی شخص ہین جن کو تم نے نقصان پہونچایا ہے - اور اُنکے دو بچے بھی مار ڈالے ہین - اور پھر اُنھین کے ہاتھ مین اپنی تلوار دے رہے ہو؟ تم کو بنی ہاشم کے دلون کی حالت نہین معلوم ہے - خدا کی قسم اگر ان کا زور چلا تو مجھ سے ابتدا کرین گے - پہلے مجھ کو مارین گے اور پھر تم کو" عبید اللہ نے کہا "بخدا میرا یہی ارادہ تھا" غرض معاویہ نے ان باتون مین بہلا کے بُسر کو اُنکی شمشیر انتقام سے بچا دیا -

پوپ جون

(۱)

تاریخ مین متعدد ایسی مثالین موجود ہین کہ عورتون نے امور سلطنت یا علوم و فنون مین نمایان حصہ لے کر اور مردانے کپڑے پہن کے نام و نمود حاصل کیا ہے۔ عورتون نے مردانے لباس مین اکثر وسیع سلطنتون پر حکومت کی ہے اور بڑی فوجون کو اپنی ماتحتی مین میدان جنگ مین لے گئی ہین۔ لیکن اس عورت کے واقعات جس نے ساری مسیحی دنیا کی مقتدائی حاصل کرلی اور یورپ کا تہرا تاج اپنے سر پر رکھا سب سے زیادہ دلچسپ اور پُر لطف ہین۔

یہ واقعہ اس قدر عجیب و غریب ہے کہ بعض پروٹسٹنٹ مورخین نے بھی جو رومن کیتھولک عقائد سے اختلاف رکھنے کی وجہ سے اُنکے پوپون کے بھی عموماً دشمن ہوتے ہین اسکی صداقت سے انکار کردیا ہے۔ مگر اصل یہ ہے کہ اس قصے کو ایسے مستند مورخین نے اپنی کتابون مین لکھ دیا ہے کہ کسی طرح اُسے غلط اور بے بنیاد نہین کہا جا سکتا۔ گبن نے اپنی مشہور تاریخ "انحطاط و زوال رومہ" مین لکھا ہے کہ "پوپ جون کا قصہ غلط معلوم ہوتا ہے۔ لیکن یہ نہین کہا جا سکتا کہ ایسا واقعہ پیش ہی نہین آسکتا"۔ ایک اور مشہور مورخ نے جو ۱۳۳۳ء مین رومہ کے مشہور گرجے سینٹ جان کی زیارت کو گیا تھا اپنی تصنیف مین لکھ دیا ہے کہ "اسی مشہور اور قابل ترین مورخ لکھ رہے ہین کہ ایک عورت سینٹ پٹر کے تخت پاپائی پر بیٹھ چکی ہے"۔ اور چونکہ یہ سب لوگ رومن کیتھولک عقائد کے پابند ہین۔ لہذا ان مین سے کسی کے بیان کو ہم غلط یا اس دینی معاملے مین فرضی نہین ثابت کرسکتے۔

لیکن ہماری سمجھ مین نہین آتا کہ رومن کیتھولک مصنفین اتنی تکلیف اُٹھا کے اس واقعے کو غلط ثابت کرنے کی کیون کوشش کرتے ہین جبکہ خود اُنھین کے عقائد کا ایک دینی مقتدا کارڈنل بیرونیس کھلے لفظون مین لکھ رہا ہے کہ "بہت سے ایسے لوگ تخت پاپائی پر بیٹھ چکے ہین جنھین ہم دیو یا شیطان کے لفظون سے بھی نہین یاد کرسکتے۔ اُن کی حرکتین دیوون اور شیطانون سے کئی درجے بڑھی ہوئی

تھین" اور یہ بھی واقعہ ہے کہ اسی صدی مین تھیوڈورا اور مروزیا کی ایسی زبردست عورتین موجود تھین جو اپنی مرضی کے مطابق پوپون کا انتخاب کیا کرتی تھین اور جب اُن کا جی چاہتا ایک پوپ کو اُس کی جگہ سے ہٹا کے کسی دوسرے شخص کو جس پر انکی نظر عنایت ہو جاتی اس تخت پر بٹھا دیتین - اور اس طرح عورتون نے سیکڑون برس در پردہ تخت پاپائی پر حکومت کی ہے - پھر کیا یہ غیر ممکن ہے کہ کسی اسی قسم کی عالی حوصلہ عورت کے دل مین یہ خیال پیدا ہوا ہو کہ در پردہ حکومت کرنے سے یہ زیادہ مناسب ہوگا کہ خود مردانے کپڑے پہن کر اس تخت پر بیٹھے اور کل اقتدارات کو خاص اپنے ہاتھ مین لے لے؟

آج کل کے مسیحی مورخین اس امر کے ثابت کرنے مین اپنی ساری کوشش صرف کر رہے ہین کہ پوپ جون کا واقعہ بالکل فرضی ہے - اور یہ قصہ افسانے سے زیادہ وقعت نہین رکھتا - اسے پوپ کے دشمنون نے دُنیا مین مشہور کر دیا تھا - بہت ممکن ہے کہ ایسا ہی ہو لیکن یہ بات بہت تعجب خیز ہے کہ وہ لوگ اپنی ساری عقل اور پورا زور قلم اس ایک واقعے کی تردید مین صرف کر رہے ہین حالانکہ اسی قسم کے سیکڑون واقعات ہین جن کی نسبت وہ ایک لفظ بھی نہین لکھتے - جس شخص نے اُس زمانے کی تاریخ دیکھی ہے اور جانتا ہے کہ جس وقت مین پوپ جون کا واقعہ پیش آیا وہ کس قسم کا زمانہ تھا اُسکی سمجھ مین آ جائے گا کہ اُس وقت اس قسم کا واقعہ پیش آ جانا کوئی بہت بڑی بات نہین - وہ پوپ جو جون کے پہلے اور اُسکے بعد ہوے اُنھون نے تخت پاپائی کو ذاتی قابلیت یا اپنی ہر دلعزیزی کی بنا پر نہین حاصل کیا بلکہ مختلف سازشون اور حیل و فریب کے ذریعے سے اس درجے تک پہونچے - کارڈنل بیرونیس لکھتا ہے کہ یہ سب پوپ جو خونی اور مجرم اور نہایت ناپاک شیطان تھے - انھون نے دین مسیحی مین ایسی شرمناک خرابیان پیدا کر دین کہ اُنکے خیال سے ہم کانپ جاتے اور شرم سے پسینے پسینے ہو جاتے ہین - نوین صدی عیسوی کے پوپون کے ذریعے سے دین مسیحی کو جو نقصان پہونچا اور جیسی ذلت اُسے نصیب ہوئی وہ اس دین کے سخت ترین دشمن بھی کبھی نہین پہونچا سکے - اس زمانے کا یہ عام رواج تھا کہ عورتین مسیحی دُنیا پر حکومت کر رہی تھین

اور بہت سی عورتین ایسی تھین جنھون نے زنانے کپڑے اُتار کے پھینکدیے اور مردانے بھیس مین گرجے کی خدمت مین مصروف ہوگئین۔ بہت سی عورتین ایسی تھین جو مردانے لباس مین خانقاہون مین جاکے داخل ہوئین۔ حاکم اسکندریہ فلپ کی بیٹی یوجینیا مردانے لباس مین دین کی خدمت کے لیے گرجے مین داخل ہوئی۔ ذاتی قابلیت کی بدولت اُس نے بہت بڑا درجہ حاصل کرلیا۔ اور یہ امر کبھی کسی پر نہ ظاہر ہوا ہوتا اگر خود اُسی نے کسی ضرورت سے لوگون کو نہ بتادیا ہوتا۔ اسی طرح اسکندریہ کی ایک اور عورت تھیوڈورا تھی۔ مردانے لباس مین معمولی خدمتون سے ترقی کرتی ہوئی اسقف اعظم کے درجے تک پہونچ گئی۔ اور اُسی مین اپنی ساری زندگی بسر کردی۔ مرنے کے بعد اصلیت معلوم ہوئی۔ جب یہ حالت ہے تو بہت ممکن ہے کہ اُس زمانے مین ایسی عورتین بھی گذری ہون جنھون نے اپنے عورت ہونے کا راز آخر وقت تک نہ ظاہر ہونے دیا ہو۔ اسی حالت مین اُنھون نے دنیا کو خیرباد کہی ہو اور اُن کا راز بھی اُنھین کے ساتھ دفن ہوگیا ہو۔

ناظرین کو اس قسم کے واقعات یا دونا کے ہم پوپ جون کے اصلی یا فرضی ہونے کو صحیح یا غلط نہین بتانا چاہتے۔ ہم اس قصے کو اسی سلسلے سے بیان کیے دیتے ہین جس طرح مشہور ہے نہین لکھتے نسلے ہین۔ ناظرین خود ہی فیصلہ کرلین کہ یہ فرضی افسانہ ہے یا تاریخی واقعہ۔

یہ واقعہ نویں صدی عیسوی کا ہے۔ شہنشاہ شارلیمین نے قوم سیکسن کو مطیع فرمان بنانے کے بعد اُنکو مجبور کیا کہ دین مسیحی اختیار کرین۔ اس قوم کا وطن جرمنی کے علاقۂ ہولسٹین مین تھا۔ فرانسیسی حکمران شارلیمین نے بہت سے قابل پادریون کو انگلستان سے بُلایا تاکہ اس نئی مفتوحہ قوم کو انجیل کی تعلیم دی جائے۔

اسی طرح نویں صدی عیسوی کے آغاز مین جبکہ سارے فرانسیسی علاقے مین دین مسیحی کی اشاعت کا جوش پھیلا ہوا تھا ایک بڑا قابل انگریز پادری مقام مینس مین آیا۔ اسکے ساتھ ایک نہایت حسین عورت تھی جسے وہ پادری علاقۂ برٹانی سے اپنے ساتھ لایا تھا۔ کہا جاتا تھا کہ وہ عورت دراصل جزیرۂ آئرلینڈ کی رہنے والی تھی۔ اور یہ عام طور پر مشہور تھا کہ بہت کم عمری مین وہ کسی پادری

کے ساتھ اپنے گھر سے نکل آئی تھی۔ یہاں اس عورت کا نام ہلڈی گرانڈ مشہور تھا۔ نہین معلوم کہ اُس کے والدین نے بھی یہی نام رکھا تھا یا کوئی اور۔ مگر ہر شخص جانتا تھا کہ وہ کسی شریف خاندان مین پیدا ہوئی تھی۔

مقام مے نیس مین پہونچ کے اس عورت کی ایک لڑکی پیدا ہوئی جس کا نام جوآن رکھا گیا۔ مورخین کو اس لڑکی کے نام مین اختلاف ہے۔ بعض لکھتے ہین کہ اس کا نام اگنس تھا۔ اور بعض کہتے ہین کہ اس کا نام گلبرٹ رکھا گیا مگر زیادہ تر مورخین اس کا نام جوآن ہی بتاتے ہین۔ یہ لڑکی نہایت حسین تھی۔ اور کم عمری مین یہ ظاہر ہوتا کہ اس مین غیر معمولی حسن وجمال کے ساتھ ایسی عقل و دانش موجود ہے کہ بڑی ہوکے وہ بہت سے عقلمند مردون سے فوقیت لے جائے گی۔ اسکے باپ نے یہ دیکھ کے کہ اُس کی لڑکی کو قدرت نے اس قدر غیر معمولی عقل و دانش دی ہے۔ ارادہ کیا کہ اُسے زمانے کے مطابق علوم و فنون کی تعلیم دے۔ لڑکی نے بہت جلد تعلیم حاصل کرلی اور چند ہی روز مین اتنی ترقی کرگئی کہ بہت سے قابل ترین عالمون سے آگے نکل گئی۔ ابھی اسکی عمر پورے تیرہ برس کی بھی نہ تھی مگر وہ بڑے بڑے عالمون سے منتہی مسئلون پر نہایت قابلیت اور خوبی کے ساتھ بحث کرتی۔ وہ جرمنی۔ انگریزی۔ فرانسیسی اور اطالوی زبانون مین نہایت آزادی کے ساتھ گفتگو کرسکتی تھی۔ اسے لاطینی زبان کی بھی تعلیم دی گئی تھی اور وہ پادریون اور دینی مقتدائون سے مذہبی اور تاریخی معاملات مین بحث کرتی۔ مختصر یہ کہ کم عمری مین ہی وہ بہت بڑی عالم و فاضل تسلیم کی جانے لگی۔

اس غیر معمولی دل و دماغ کے ساتھ اس مین ایسا عجیب و غریب حسن موجود تھا کہ اسکی عقل و دانش کی باتون کو سننے ہی کے لیے نہین بلکہ اسکے متبرک اور نازک پانوون کو بوسہ دینے کے بہانے سے اُسے ایک نظر دیکھ لینے کی ہوس مین بیشمار لوگ اُسکے دروازے پر کھڑے رہتے۔ جوآن ان سب باتون کو دیکھتی اور سمجھتی تھی۔

فولڈا کی خانقاہ مین ایک نوجوان پادری تھا۔ اُس سے اور جوآن سے اتفاقاً ملاقات ہوگئی۔ اس کی ظاہری شکل و شباہت اور علم و فضل کے ساتھ اُس کے وسیع معلومات نے جوآن کے دل کو اُس کی جانب مائل کردیا۔ اور اس

پادری کا دل بھی جون کی جانب راغب ہو گیا۔ دونون حسین۔ نوجوان اور تعلیم یافتہ تھے۔ لہذا دونون مین جو دوستی ہوئی وہ ایسی گہری تھی کہ دونون دل و جان سے ایک دوسرے پر عاشق ہو گئے۔ جون کی سی عالی ہمت لڑکی کے لیے دینی و دنیوی قیدین کوئی وقعت نہین رکھتی تھین۔ جو چیز اُس کا راستہ روکنے والی ثابت ہوتی اُسکے لیے وہ ضرور کوئی ایسا طریقہ نکال لیتی جس سے ان مشکلات پر غالب آ جاتی۔ پادریون کو شادی کرنے کی اجازت نہ تھی اور وہ کسی عورت کو اپنے ساتھ نہ رکھ سکتے تھے۔ اور جب یہ حالت تھی کہ دونون عاشق و معشوق ایک دوسرے کا ساتھ نہین چھوڑ سکتے تھے یا جون کو کسی طرح گوارا نہ تھا کہ فولڈا کا پادری اُس سے علیحدہ ہو جائے۔ لہذا اُس نے یہ ارادہ کیا کہ مرد انے کپڑے پہن کے فولڈا کی خانقاہ مین اپنے دوست اور عاشق پادری کے ساتھ آزادی سے رہا کرے۔ اس طرح جون نے اپنا نام جان رکھا۔ اور اپنا وطن سرزمین انگلستان کو بتایا۔ چند روز بعد یہ بنا ہوا انگریز جان فولڈا کی خانقاہ کا پادری مقرر ہوا۔ اور اسی کی قسمت مین یہ لکھا تھا کہ آخر مین سینٹ پٹر کے تخت پر جلوہ افروز ہو کر ساری مسیحی دنیا کی باگ اپنے ہاتھ مین لے۔

فولڈا کی خانقاہ مین یہ دونون عاشق و معشوق اس طرح دو مہینے سے زیادہ نہین رہنے پائے تھے کہ بعض لوگون کو انکی نسبت کچھ شبہہ پیدا ہوا۔ اور اس خوف سے کہ کہین یہ راز نہ کھل جائے دونون ایک رات کی تاریکی مین اس خانقاہ سے نکل گئے۔ اور پا پیادہ مختلف ممالک یورپ کا سفر کرتے ہوئے یونان کے دارالسلطنت اثینیہ مین پہونچے۔ اس مین دونون نے کئی سال بسر کیے اور اعلیٰ درجے کی مذہبی تعلیم حاصل کرتے رہے۔ اثینیہ اُس زمانے مین بھی علوم و فنون کا مرکز مانا جاتا تھا۔ لہذا اس قدیم تاریخی دارالسلطنت مین جون اپنے دلی دوست فولڈا کے پادری کے ساتھ نہایت عجیب و غریب معلومات سے اپنے علم کو وسعت دیتی رہی۔ اُس نے ادب۔ تاریخ۔ فلسفہ اور سب سے زیادہ دینی تعلیم حاصل کی۔ اس کے معلم اور دیگر علما سب اُس کی خداداد قابلیت کی ہمیشہ تعریف کرتے رہے۔ ان دونون کا نام بہت مشہور ہوا اور دور دراز ممالک تک

نہایت ادب و تعظیم کے ساتھ لیا جانے لگا۔

ایک روز دفعتہً خدا معلوم کیا خیال پیدا ہوا کہ دونوں نے علیحدہ علیحدہ سفر کرنے کی خواہش اور آمادگی ایک دوسرے پر ظاہر کی [illegible] کھڑے ہوئے۔ فولڈا کا پادری مشرق کی جانب چلا اور جوان مغرب [illegible]

فولڈا کا پادری مصر میں پہونچا اور وہاں کے علمی مرکز اسکندریہ اور دیگر مقامات کا دورہ کرنے لگا۔ اسکے بعد وہ فنیقیہ میں آیا۔ وہاں سے آئل مقدس میں گیا۔ اور اسکے بعد دریائے فرات کے کنارے کنارے چلا۔ حصول علم کا شوق اُسے بغداد میں کھینچ لے گیا جو اُس زمانے میں عربی تمدن و معاشرت کا مرکز بنا ہوا تھا۔ اور جس کی اُس وقت ساری دنیا میں شہرت تھی۔ اب بغداد نے علوم و فنون میں وہ درجہ حاصل کر لیا تھا جو کسی قدیم زمانے [illegible] سلطنت [illegible] کو حاصل تھا۔ غرض فولڈا کا پادری اس اسلامی شہر میں پہنچا [illegible] علم و فضل کا نمونہ بنا تھا۔ اور ہر گھر علوم و فنون کا مرکز بنا [illegible] پہونچ کے فولڈا کے پادری نے علم و فضل کا چرچا اس [illegible] اور مشرقی علوم کے حاصل کرنے میں ایسا مستغرق ہو گیا کہ چند روز کے لیے وہ اپنی معشوقہ کو بھی بھول گیا۔

جس زمانے میں وہ پادری مشرقی علوم حاصل کر رہا تھا اور ارض مشرق کے عالی دماغ عالموں سے مل کے اپنے علم کو وسعت دے رہا تھا جوان جو انگریز جان کے نام سے مشہور تھی مختلف شہروں میں ہوتی ہوئی خاص دارالسلطنت روما میں پہونچی۔ یہ قدیم اور تاریخی شہر پوپوں کا مسکن تھا۔ ساری مسیحی دنیا اس پر فخر و ناز کر رہی تھی۔ اور سارے یورپ کی توجہ فقط اسی ایک شہر کی جانب مبذول تھی۔ یہاں جوان نے دیکھا کہ ہر شخص کو اپنی قابلیت ظاہر کرنے کا بہت اچھا موقع حاصل ہے۔ لہذا اُس نے اپنے دل میں کہا کہ یہیں میں بھی انتہائی عروج حاصل کر سکتی ہوں۔ وہ یہاں مردانے لباس میں آئی تھی اور اسی حالت میں زندگی بسر کرنے لگی۔ اور اس شہر میں کوئی متنفس ایسا نہ تھا جو اس راز سے واقف ہو۔ اٹلی میں اُن دنوں ڈاڑھی اور مونچھیں مُنڈانے کا عام رواج ہو گیا تھا لہذا

کسی شخص کو اس پر شبہ بھی نہ ہوا۔ جب جوان رومہ مین پہونچی ہے اُس وقت پوپ سرجیس ثانی سینٹ پٹر کے تخت پر رونق افروز تھا۔

جس وقت جوان رومہ کے پھاٹک مین داخل ہوئی ہے تو کیا اُسکے دل میں یہ خیال آیا ہوگا کہ اسی شہر مین بیٹھ کے دریائے طیبر کے کنارے سے ایک دن مین ساری مسیحی دنیا پر حکومت کرون گی؟ یہ مقدس شہر اس وقت مختلف جماعتون پر منقسم تھا۔ ہر جماعت کے طرفدار ایکدوسرے کے خلاف روزانہ لڑا کرتے اور ہنگامے پیدا کرتے رہتے تھے۔ رومہ مین اگرچہ قیصرون کے زمانے کی سی قدیم شان و شوکت نہین باقی رہی تھی مگر اب بھی وہ آدھی دنیا کا مرکز تھا۔ جوان کی قابلیت۔ خوبصورتی۔ اور اُسکے اخلاق نے سارے شہر میں ایک شہرہ پیدا کر دیا۔ اور ان باتون کو دیکھ کر اب اُسکے دل مین بھی ایک نئی امید پیدا ہوگئی۔ یہان پہونچ کے انگریز جان یعنی جوان سے ایسا غیر معمولی علم و فضل اور قابلیت ظاہر ہوئی کہ لوگ اُسے اُس زمانے کا بڑا قابل اور عالم شخص ماننے لگے۔ سلطنت کے معززین بڑے بڑے پادری اور علما و فضلا سب اُس کے سامنے آکے سجدہ کرتے۔ اُسکے پاؤن کو بوسہ دیتے اور اُس کی شاگردی کو فخر کی نگاہ سے دیکھتے۔

اس نوع عالم کی اعتدال پسندی۔ سادی زندگی۔ اور بے لوث ہمدردی خلائق کی ہر گھر مین تعریف ہونے لگی۔ رومۃ الکبریٰ مین پہونچنے کے بعد جوان نے اپنی زندگی کا طرز بالکل بدل دیا۔ اب وہ زیادہ تر تنہائی مین خاموش بیٹھی رہتی۔ اور اسی چیز نے ساری مسیحی دنیا کو اُس کے فریب مین مبتلا کر دیا۔ اصل یہ ہے کہ جوان ایک عجیب و غریب دماغ کی عورت تھی۔ چند روز مین اُسے شہر کے عام لوگون۔ پادریون اور معززین و امرا مین ایسی ہر دلعزیزی حاصل ہوگئی کہ وہ خود بھی سینٹ پٹر کا مقدس تاج اپنے سر پر رکھنے کی آرزومند ہوگئی۔

دریائے طیبر کے کنارے کے اسی عظیم الشان شہر کی آب و ہوا تھی جس نے آگسٹس اور نیرو کے ایسے عالی دماغ اور بلند مرتبہ قیصر پیدا کیے تھے۔ اب اُسی آب و ہوا نے جوان کے دماغ مین بھی بلند حوصلگی کا ولولہ پیدا کیا۔ اس زمانہ مین جب کہ تعلیم

اس قدر عام نہیں ہوئی تھی جو شخص ذرا سا بھی پڑھا لکھا ہوتا بڑی وقعت کی نظروں سے دیکھا جاتا - پھر جون جو اتنا علم و فضل حاصل کر چکی تھی اور جس کا دماغ قدرتی طور پر اُس کے لیے موزوں واقع ہوا تھا کب خاموش بیٹھ سکتی تھی؟ وہ جو ارادہ کرتی اُسے ضرور پورا کر لیتی - اور جب یہ واقعات پیش آئے کہ اُس کی کامیابی یقینی ہو گئی - اب یہ حالت دیکھ کے جون نے بھی اپنے دل میں فیصلہ کر لیا کہ اپنے علم و فضل سے کام لے کے اعلیٰ ترین درجہ حاصل کر لوں - جون کی طبیعت متجسس واقع ہوئی تھی - اور اسی شوق نے اس کو عالم و فاضل بنا دیا تھا - مگر اب علم و فضل حاصل کر لینے کے بعد اُسی کو اُس نے اپنی ترقی کا ذریعہ بنایا - اور رفتہ رفتہ عروج حاصل کرنے لگی - زمانے کی رفتار سے اُسے نظر آ گیا کہ مذہبی دنیا میں اپنا مقصد زیادہ آسانی اور انتہائی عروج تک حاصل کر سکتی ہوں - اور ساتھ ہی اُس نے فیصلہ کر لیا کہ زنانے کپڑے چھوڑ کے بقیۃ العمر کے لیے مردانہ لباس اختیار کر لوں گی - اسکے بعد وہ اُن مقتدایان دین مسیحی کی جماعت میں شریک ہو گئی جو اسوقت سارے یورپ پر حکومت کر رہے تھے -

قدیم شہر رومہ کے قریب ہی اُس زمانے میں ایک خانقاہ تھی جو سینٹ مارٹن کے نام سے مشہور تھی - اس کے متعلق ایک مدرسہ بھی تھا جہاں یونانی اور لاطینی زبانوں میں مذہبی تعلیم دی جاتی - مشہور تھا کہ مقدس پادری سینٹ آگسٹس نے بھی اس ممتاز درس گاہ میں تعلیم دی تھی - یہ خانقاہ شہر کے باہر اور تنہائی کے مقام پر واقع ہوئی تھی لہذا جون کو بہت پسند آئی - وہ اس خانقاہ میں داخل ہو گئی اور اُسے ایک بڑے پادری کا درجہ دیا گیا - چند روز بعد وہ مدرسے کی اعلیٰ پروفیسر مقرر ہوئی جہاں وہ اپنے وسیع علم کے بے بہا جوہر ظاہر کرنے لگی - اُسکی فصاحت کی اس قدر شہرت ہوئی کہ بڑے بڑے نامی گرامی مقتدا اُسکے لکچر سننے کے متمنی ہو گئے - اب اس کی شہرت رومہ سے گذر کے دور دراز ملکوں میں پہونچ گئی - اُس خانقاہ کے راہب اور پادری کوئی اس راز سے واقف نہ تھے کہ وہ عورت ہے - سب اُسے جان انگریز کے لقب سے یاد کرتے اور اُسے حامیِ دینِ مسیح" کا خطاب دیا گیا - اسی زمانے میں جون نے بدعقیدہ مسیحیوں کے خلاف

ایک چھوٹا سا رسالہ لکھا۔ جس کے زورِ قلم اور دیگر خوبیوں نے ساری مسیحی دُنیا میں ایک ہلچل پیدا کر دی۔

جوآن کو اس خانقاہ میں داخل ہوئے زیادہ زمانہ نہیں گذرا تھا کہ پوپ سرجیس نے انتقال کیا۔ یہ وہ زمانہ تھا جبکہ مسیحی کلیسیا میں سخت ترین پیچیدگیاں پیدا ہو گئی تھیں۔ اندرونی جھگڑے، اور بدعقیدگیاں روز بروز بڑھتی جاتی تھیں ساتھ ہی عربوں نے خاص اٹلی پر حملہ کر کے بعض مقامات پر قبضہ کر لیا تھا۔ ایک عقلمند پادری لیو رابع کے نام سے پوپ منتخب ہوا۔ یہ نیا اسقف اعظم جوآن کو سینٹ مارٹن کی خانقاہ میں دیکھ چکا تھا۔ کیونکہ وہ خود بھی اُس خانقاہ میں رہتا تھا۔ اور اُس کی قابلیت اور دیگر صفات سے بخوبی آگاہ تھا۔ اُس نے جوآن کو مزید مرتبے عطا کیے اور نہایت اہم معاملات میں اُس سے مشورہ لینے لگا۔

اس پوپ نے کئی بار ایسے اہم معاملات جوآن کے سپرد کیے جن کا فیصلہ نہایت مشکل نظر آتا تھا۔ مگر وہ سب اس خوبی کے ساتھ طے ہو گئے کہ پوپ کو بڑی خوشی ہوئی اور وہ بے اختیار جوآن کی تعریف کرنے لگا۔ چند روز میں نظر آنے لگا کہ رومۃ الکبریٰ کے انتظامات۔ پوپ کے دربار کے معاملات اور مسیحی دنیا کے کل امور جوآن کی مدد کے بغیر کسی طرح انجام ہی نہیں پا سکتے۔ کئی مرتبہ یہ بھی ہوا کہ جوآن رومی سپاہیوں کی فوجیں اپنی ماتحتی میں لے کے گئی اور عربوں کو شکست دے کے اٹلی کی سرزمین سے باہر کر دیا۔

جوآن جانتی تھی کہ پوپ کے مصاحب اور وزرا یعنے کارڈنلوں کو اپنا طرفدار بنائے بغیر کام کسی طرح نہیں چلے گا۔ اُسے فکر تھی کہ اُن کا دل کسی طرح اپنے ہاتھ میں لے۔ عورتوں کو عموماً اس کام میں خاص ملکہ ہوا کرتا ہے۔ پھر جوآن کی سی تعلیم یافتہ اور عقلمند عورت کب اس مقصد میں ناکام رہ سکتی تھی؟ یکے بعد دیگرے اس نے سب کارڈنلوں کو اپنا طرفدار بنا لیا۔ اور سب اسی کا دم بھرنے لگے۔ پوپ سرجیس کے آخر زمانے میں کارڈنل لیو وزیر اعظم کی حیثیت رکھتا تھا۔ مگر اُس کی یہ حالت تھی کہ کل انتظامات جوآن کے سپرد کر دیے تھے اور وہ سارا کام نہایت خوبی کے ساتھ انجام دیتی۔

سرجیس کے انتقال کے بعد جب وہی کارڈنل لیو رابع کے نام سے پوپ منتخب ہوا تو اُس نے سب سے پہلا یہ کام کیا کہ جون کو سکرٹری آف اسٹیٹ کا اعلیٰ ترین مرتبہ دیدیا۔ اور اسکے چند روز بعد جون کارڈنل منتخب ہوئی۔ جس کا واقعہ حسب ذیل ہے :-

لیو کے پوپ منتخب ہونے کے بعد ہی مسیحی کلیسا مین ایک سخت ترین جھگڑا پیدا ہوا۔ اناسطیسوس جو پوپ سرجیس کے زمانے مین کارڈنل کا درجہ حاصل کر چکا تھا لیو کا سخت ترین دشمن تھا۔ اور نہین چاہتا تھا کہ لیو پوپ منتخب ہو۔ مگر کثرت رائے سے جب لیو کا انتخاب ہوگیا تو ہر طرح سے اُسے تکلیف پہونچانا اور پریشان کرنا شروع کردیا۔ لیو نے باغی کارڈنل کو اُس کے عہدے سے معزول کر کے مسیحیت سے خارج کردیا۔ اناسطیسوس رومہ سے چلا گیا اور مقام اکلجہ مین جا کے بیٹھ رہا۔ وہان کچھ ایسی حرکتین کرنے لگا جس سے پوپ کو اُس کی جانب سے خوف پیدا ہوا اور اُسے حکم دیا گیا کہ خاص رومۃ الکبریٰ مین آکے رہے۔ اناسطیسوس نے اس سے انکار کیا اور پوپ کے خط نے جواب مین باغیانہ اور حقارت آمیز کلمات لکھ بھیجے۔ یہ دیکھ کے پوپ لیو کے غصے کی کوئی انتہا نہ تھی۔ اُس نے حکم دیا کہ پینتالیس کارڈنل۔ ایک سو تینتالیس پادری۔ اور پانچ سو اٹھاون راہب جمع ہون۔ اور اناسطیسوس پر جو الزام لگائے گئے ہین اُنکی تحقیقات کرین۔ بحیثیت سکرٹری آف اسٹیٹ کے جون کا یہ کام تھا کہ پوپ کی جانب سے جو الزام لگائے گئے تھے اُنکو اس مجلس کے سامنے بیان کرے۔ اس کام کو جون نے ایسی فصاحت اور خوبی کے ساتھ انجام دیا کہ ساری مجلس حیرت کرنے لگی۔ بلا اختلاف رائے مجلس نے یہ فیصلہ کیا کہ اناسطیسوس اپنے عہدے سے معزول کردیا جائے۔ اسی مجلس مین پوپ لیو کی سفارش پر اناسطیسوس کی جگہ پر جون کارڈنل منتخب ہوئی اور کسی قدر پس و پیش کے بعد عقلمند عورت نے اس معزز عہدے کو قبول کرلیا۔

(۲)

پوپ لیو رابع زیادہ دنوں تخت پاپائی پر نہین قائم رہ سکا۔ اُس کی صحت

پہلے ہی خراب تھی اب ساری مسیحی دنیا کی فکروں نے اُسے بہت جلد قبر کے اندر پہونچا دیا - لیو رابع کا انتقال ہوگیا - اور مقتدایان دین مسیحی دوسرے پوپ کے انتخاب کے لیے جمع ہوے - رومۃ الکبریٰ مین اسوقت بہت سی پارٹیان تھین اور بہت سے لوگ جو روپئے کے اثر سے یا خون بہا کے زبردستی سینٹ پٹر کے گرجے کی کنجیان اپنے قبضے میں رکھنے کے آرزومند تھے - آپس مین سازشین ہونے لگیں - پارٹیون نے اپنے اپنے طرفدارون کو اکٹھا کرلیا اور ہر شخص یہی چاہتا تھا کہ جس طرح ممکن ہو دوسرے امیدوار کو زک دیکے سینٹ پٹر کا تاج و تخت حاصل کرلون - مقتدایان مسیحیت نے یہ حالت دیکھی تو اُنھین خوف پیدا ہوا کہ اگر ان امیدوارون مین سے کوئی شخص منتخب کیا گیا تو ضرور خونریزی ہوگی - کیونکہ اُس کے مخالفین فتنہ و فساد برپا کردین گے اور اُسے بھی اپنی جگہ پر قائم رہنے کے لیے اسی قسم کی زیادتیون سے کام لینا پڑے گا - لہذا ان سب خرابیون کو رفع کرنے کے لیے یہ قرار پایا کہ ایک ایسا شخص پوپ منتخب کیا جائے جو کسی جماعت مین نہ ہو اور کسی سے کوئی واسطہ نہ رکھتا ہو - صرف یہ دیکھ لیا جائے کہ علم و فضل اور زہد و اتقاء مین اس اعلیٰ رتبے کا مستحق ہے - ایسے انتخاب پر یقین تھا کہ رومۃ الکبریٰ کے سب لوگ متفق ہوجائین گے - اب غور کیا جانے لگا کہ ایسا شخص کون ہوسکتا ہے؟ زیادہ غور و فکر کی ضرورت نہ تھی کیونکہ ان صفتون کا ایک شخص اُنکے پاس موجود تھا - غرض اس مذہبی جماعت کے انتخاب کنندگان نے انگریز جان یعنی جون کو تخت پاپائی پر بٹھا کے اُسکے سر پر تہرا تاج رکھ دیا - اس طرح جون پوپ منتخب ہوئی اور اُسکا نام پوپ جان ہشتم رکھا گیا -

جون کے انتخاب مین کارڈنلون نے ایک اور بات دیکھ لی تھی - چند روز سے شہر رومۃ الکبریٰ کے عام باشندے اُس کی بڑی قدر و منزلت کرنے لگے تھے - لہذا اگر انتخاب کے بعد کوئی شخص یا کوئی جماعت سرتابی پر آمادہ ہوگی تو عام لوگ خود ہی اُسے اطاعت گزاری پر مجبور کردین گے - اسکے علاوہ چند واقعات بھی ایسے پیش آئے تھے جن سے نظر آتا تھا کہ اگر جون نہ منتخب ہوئی تو سارے ملک مین بدامنی پیدا ہوجائے گی - جیسے ہی لیو کی موت کی خبر شہر مین مشہور ہوئی

لوگ خود بخود یہ نعرے بلند کرنے لگے کہ "لیو کی جگہ سکریٹری آف اسٹیٹ کو پوپ منتخب کرو" یہ نعرے بلند کرتے ہوئے وہ پوپ کے محل کے سامنے جمع ہونے لگے۔ اور اُن کی تعداد لاکھوں سے زیادہ ہوگئی۔ اب سب یہی غل مچا رہے تھے کہ "پوپ جان ہشتم کی عمر دراز ہو" لیو کے ماتمی جلوس میں جب جون بھی چلی تو شہر والے اُس پر پھول برسانے لگے۔ اور سڑک پر اُسکے آگے مخمل اور کارچوب کا فرش بچھاتے جاتے تھے۔ پھر پُرجوش نوجوانوں نے اُسے اپنے کندھوں پر اُٹھا لیا۔ اور اس عظیم الشان شہر کی سڑکوں پر پھرایا۔ ان باتوں کو دیکھ کے انتخاب کرنے والے خوفزدہ ہوگئے کہ اگر کسی اور کا انتخاب کیا گیا تو ایسا نہ ہو کہ شہر میں بلوہ ہو جائے۔ چند لوگ دل میں اب بھی اُس کے انتخاب کے خلاف تھے مگر زبان سے کچھ نہ کہہ سکے۔ اور اُنھیں بھی مصلحت اسی میں نظر آئی کہ عام لوگوں کے نعروں کے مطابق رائے دیں۔ نویں صدی عیسوی میں جب عام لوگ کسی معاملے کے لیے نعرے بلند کرنے لگتے تو پھر ممکن نہ تھا کہ کوئی انکی رائے کے خلاف عمل کرے۔ لازمی طور پر اُنکی خواہشیں پوری کردی جاتیں ورنہ وہ لوگ جو کارکن ہوتے اُن کی خیریت نہ ہوتی۔ یہی حال اُسوقت ہوا۔ جو کارڈنل مخالف تھے اُنھیں بھی مجبوراً اپنی رائے کے خلاف جون کی موافقت میں رائے دینی پڑی۔ اور کوئی اس کی جرأت نہ کرسکا کہ عام لوگوں کی رائے کے خلاف ایک لفظ بھی اپنی زبان سے نکالے۔

عورتوں نے جون سے پہلے اور اسکے بعد بھی وسیع سلطنتوں اور بڑی بڑی قوموں کی قسمت کی باگ اپنے ہاتھ میں لی ہے۔ سمیرامیس۔ زنوبیہ کلیوپاٹرا اور انکے علاوہ بہت سی عورتوں نے تاج اپنے سر پر رکھا ہے اور عصائے سلطنت اپنے ہاتھ میں لیا ہے۔ مگر جون اس عظیم الشان حکومت کی مالک ہوئی جسے دینِ مسیحی کہتے ہیں۔ اور اُن لوگوں کے عقائد کے مطابق دوسری دنیا کی محافظ اور جنت و دوزخ کی بھی حاکم ہوئی

رومۃ الکبریٰ کے باشندوں نے اس انتخاب پر بڑی خوشی کا اظہار کیا۔ سارے شہر میں روشنی کی گئی۔ ہر جگہ باجا بج رہا تھا۔ اور سب ایک دوسرے کو مبارکباد

دے رہے تھے کہ دراصل یہ ایک ایسا شخص منتخب ہوا ہے جو واقعی اس کا مستحق تھا - اور اس زمانے مین اور کوئی اس سے زیادہ مستحق نہ تھا - جون نے نہایت ہی متانت - عقلمندی - اور ہوشیاری کے ساتھ حکومت شروع کی اور مسیحی دُنیا نے اس کی دانائی کی بدولت بہت سے فائدے حاصل کیے - بیشمار خرابیون کی اصلاح کی گئی - پوپ کے خزانے مین روپے کی آمدنی اور مصارف کا کوئی حساب نہ تھا - اسی کے زمانے سے ایک دفتر قائم ہوا اور آمد و خرچ کا حساب مرتب ہونے لگا - اس سے پہلے پوپون کی فضول خرچیون سے خزانہ ایک مدت سے خالی رہا کرتا تھا - اب اُس مین کثرت کے ساتھ روپیہ جمع ہونے اور باقی رہنے لگا -

اس زمانے مین بہت سے لوگ ایسے پیدا ہو گئے تھے - جو مسیحیت مین بدعقیدگیان پیدا کرکے اُس مین خرابیان ڈال رہے تھے - جون کے حکم سے وہ سب جلاوطن کر دیے گئے - اور اُن لوگون کے ساتھ اُس نے ایسی سختی کا برتاؤ کیا کہ پھر کسی کو سرتابی کی جرأت نہ ہوئی - دور دراز ممالک کے بہت سے ذی اقتدار فرمان روا رومتہ الکبریٰ مین حاضر ہوتے اور مہینون کے انتظار اور اُمیدواری کے بعد اُنھین اس کی اجازت دی جاتی کہ پوپ کے قدمون پر سر رکھ کے اور اُسکے جوتون کو بوسہ دے کے برکت حاصل کرین - کہا جاتا ہے کہ انگلستان کا بادشاہ بھی پوپ کی خدمت مین باریاب ہونے کے لیے رومتہ الکبریٰ مین آیا تھا اور اُس کا بیٹا بھی اُسکے ساتھ تھا - جو بعد مین انفرڈ اعظم کے نام سے انگلستان کا فرمانروا ہوا - روزانہ ہزارہا عقیدتمند لوگ پوپ کی زیارت کے لیے آتے تھے - کیا ان عظیم الشان بادشاہون - عالی مرتبہ سردارون - ذی فہم لوگون اور سب سے زیادہ اُس مقدس محل کے کارکنون نے بھی جو روزانہ جون کو دیکھا کرتے تھے یہ نہ پہچانا ہوگا کہ یہ مرد ہے یا عورت ؟ کیا کسی کو اُسکے عورت ہونے کا گمان نہین ہوا ؟ ممکن ہے کہ کسی کے دل مین کچھ خیال پیدا ہوا ہو مگر زبان سے کسی نے نہین نکالا -

اب جون رینی دنیوی قوت و اقتدار کے اعلیٰ ترین مرتبے پر پہونچ گئی

تھی - اور اُسے اپنی اُمید سے زیادہ کامیابی حاصل ہوگئی - وہی باتین جنکا کبھی خواب دیکھا کرتی تھی حقیقی ثابت ہوگئین - مگر یہ حالت بہت دنون تک نہین رہ سکی - جون کو پوپ منتخب ہوے دو تین سال سے زیادہ نہین گذرے تھے کہ دفعتہً اس کی طبیعت مین ایک قسم کا انقلاب پیدا ہوا - اب یہ بات اُس کے دل مین جم گئی کہ یہ سب شان و شوکت محض نمایشی اور بیکار ہے - اس سے حقیقی مسرت نہین حاصل ہو سکتی - بلند حوصلگی کے جذبات عورت کے دل مین مرد سے زیادہ جوش و خروش کے ساتھ پیدا ہوتے ہین - مگر مرد کے دل مین قائم رہ سکتے ہین - اور عورت کے دل مین زیادہ دیر تک نہین ٹھہر سکتے - ایک اعلیٰ ترین مرتبہ حاصل کر لینے کے بعد اور بادشاہون - شہزادون - امیرون - اور معزز سردارون کو اپنے قدمون پر گرتے دیکھ کر مرد کے دل مین پہلے سے زیادہ حوصلہ پیدا ہوتا ہے - مگر ساتھ ہی اُس مین کسی کی محبت نہین باقی رہتی - مگر عورتون کی حالت اس سے بالکل جداگانہ واقع ہوئی ہے - اور اگر بعض عورتین اس کے خلاف ہوئی ہین تو یہ سمجھنا چاہیے کہ وہ عورتین نہ تھین بلکہ قدرت نے اُن کے دلون کو خلافِ فطرت مردون کا سا بنا دیا تھا -

ہم اوپر بیان کر چکے ہین کہ اب جون کی طبیعت مین دفعتہً ایک انقلاب پیدا ہوا - اور اس دینی و دنیوی حکومت کی طرف سے اسکی طبیعت ہٹ گئی - اب اس کی طبیعت مین نسوانی جذبات نے زور کیا - سب لوگ اُسکے تابع فرمان تھے - اُسکے ادنیٰ اشارے پر دوڑ رہے تھے - اور جس کام کو وہ کہتی فوراً سر آنکھون سے انجام دیتے - اب اُس کے دل مین یہ ہوس پیدا ہوئی کہ کوئی مجھے دل سے چاہتا مجھ پر حکومت کرتا - اور مین اُس کی خدمت کرتی - اُسے اپنی نوجوانی کے وہ دن یاد آئے جب غربت اور کس مپرسی کی حالت مین اپنے دوست فولٹا کے پادری کے ساتھ پاپیادہ مختلف ممالک مین آزادی اور خوشی کے ساتھ عشق کے مزے لوٹتی ہوئی ایک سرزمین سے دوسری سرزمین مین پھرا کرتی تھی - آہ وہ زمانہ کیا پُر لطف تھا ! اُسوقت یہ بات وہم و گمان مین بھی نہ آتی تھی کہ ایک دن مین اس درجے تک پہونچ جاؤنگی ! اور اب جو یہ مرتبہ حاصل کر لیا اور مال و دولت

یا شان و شوکت میں کسی چیز کی کمی نہیں تو اکیلی اور پریشان ہے۔ کوئی اتنا بھی نہیں کہ دو گھڑی اُس کے پاس بیٹھ کے دلچسپی کی باتیں کرے۔ نہ وہ کسی سے اپنے دل کا حال کہہ سکتی ہے اور نہ کوئی اُس کی دلدہی کرنے والا ہے۔ یہ خیالی تکلیف اُسکے دل میں روز بروز بڑھتی گئی اور اب اس کی بیچینی کی یہ حالت تھی کہ کسی دم قرار نہ ملتا۔

جب وہ رومۃ الکبرےٰ میں پہونچی ہے اور غربت کی حالت میں بسر کر رہی تھی تو اُس نے نہایت پاک و صاف اور قابل تعریف زندگی بسر کی۔ رات دن اسے تحصیل علم کے سوا اور کسی چیز کا شوق نہ تھا۔ ہر وقت وہ اسی فکر میں مشغول رہتی کہ کس طرح اپنے معلومات کو وسیع کروں۔ پوپ منتخب ہونے کے بعد بھی چند روز وہ بہترین پوپوں کے نقش قدم پر چلتی رہی۔ اُسکے دل میں یہ بات جم گئی تھی کہ میں بہت بڑا گناہ کر رہی ہوں کہ اپنے عورت ہونے کو چھپا کے اور لوگوں کو دھوکا دے کے اس تخت پاپائی پر بیٹھ گئی ہوں۔ مسیحیت میں عورت کی اتنی وقعت نہیں کہ اُسے تخت پاپائی پر بیٹھنے کی اجازت دی جاتی۔ اُس نے تمام اختیارات سے جو اُسے بحیثیت پوپ ہونے کے حاصل تھے پورا کام لیا۔ اور اس گناہ کا یہی کفارہ سمجھ رہی تھی کہ اس دینی حکومت کو خوش انتظامی کے ساتھ چلاتی رہے۔ اُس نے بحرموں کو سزا دی۔ ساری مسیحی دنیا کے مقتداؤں اور پادریوں کو مقرر کیا اور جو لوگ اپنے عہدوں کے اہل نہیں ثابت ہوئے اُنھیں معزول کر دیا۔ جب کوئی جگہ خالی ہوتی تو وہ ہمیشہ ایسے شخص کو مقرر کرتی جو اُس کا سب سے زیادہ مستحق ہوتا۔ غرض وہ نہایت قابلیت کے ساتھ دین مسیحی پر حکومت کر رہی تھی۔ گرجوں میں نمازیں پڑھاتی۔ قربان گاہوں پر نذریں چڑھاتی اور اپنے متبرک پاؤں کو پھیلا دیتی تاکہ خوش عقیدہ لوگ اُسے بوسہ دے کے برکت حاصل کریں۔ پھر ان سب باتوں کے ساتھ وہ تحصیل علم کی طرف سے بھی غافل نہ تھی۔ اُس نے کچھ ایسا بھی وقت نکال لیا تھا کہ وہ خاموشی کے ساتھ بیٹھ کے مختلف علوم کی طرف توجہ کرتی اور نہایت پیچیدہ مسائل کو حل کیا کرتی۔

مگر یہ حالت زیادہ دنوں نہیں قائم رہ سکی۔ دفعۃً اسکے دل پر نفسانی

خواہشات کا غلبہ ہوا - اور ایسے جوش و خروش کے ساتھ کہ وہ انھین نہ دبا سکی - اُسکے گرد و پیش ایسے بہت سے لوگ موجود تھے جن مین سے وہ اپنا ایک دلی دوست منتخب کر سکتی تھی - مگر میرا مین یا دیگر بلند مرتبہ شہزادیون کی طرح وہ یہ نہین کر سکتی تھی کہ آزادی کے ساتھ عشق و محبت مین مبتلا ہونے کے بعد بھی اپنے کو سنبھالے رہتی - اس کی حالت بہت نازک تھی - اسے ایک ایسے شخص کی تلاش تھی جس پر کامل طور پر بھروسہ کیا جا سکتا - اگر ذرا بھی راز افشا ہوا تو پھر اس شان و شوکت سے محروم ہو جانے کے ساتھ ہی جان بچنے کی کوئی اُمید نہ تھی -

کئی بار اُسے اپنا پُرانا دوست فولڈا کا خوب صورت پادری یاد آیا - وہ زمانہ اُس کی آنکھون مین پھرنے لگا جب اٹینیہ مین دونون ایک دوسرے کی صحبت سے ہر قسم کی مسرتون کا لطف اُٹھایا کرتے تھے - آہ! وہ کیسے امن اور چین کے دن تھے! اُس وقت وہ ہر طرح خوش اور آزاد تھی - مگر اب باوجود اس ساری شان و شوکت کے ایک سخت ترین قید مین پھنسی ہوئی ہے - اور ایسی سخت پابندیان اور ذمہ داریان عائد ہو گئی ہین جو اس کی پُرجوش اور چُلبلی طبیعت کے بالکل مخالف ہین - وہ چاہتی تھی کہ آزادی کے ساتھ اُٹھے بیٹھے اور ہنسے بولے - مگر اس تخت پر بیٹھنے کے بعد اُس پر واجب تھا کہ عزو وقار قائم رکھنے کے لیے خاموش اور متین بنی رہے - لہذا اس طرز زندگی کو وہ زیادہ دنون نہ نباہ سکی - وہ بہت جلد اس سے تنگ آ گئی - ممکن ہے کہ وہ اپنے دل مین پچھتا رہی ہو - بہرحال وہ عورت تھی - اسکو وہ بخوبی سمجھ رہی تھی کہ میرے لیے مناسب نہ تھا کہ لوگون کو دھوکا دے کے اور اپنے عورت ہونے کو چھپا کے پوپ کے تاج و تخت کو حاصل کرتی - مگر اب جو کچھ ہونا تھا ہو چکا - اور نہایت سخت خطرے مین پھنس گئی ہون - کوئی علاج بھی سمجھ مین نہین آتا - ہر وقت جان جانے کا خوف ہے - لہذا ضرورت اسکی ہے کہ کوئی رازدار شخص تلاش کر لیا جائے جو وقت پڑے پر کام آ سکے - اور اگر ایسی ضرورت نہ پیش آئے تو بھی وہ دلدہی کر کے غمون کو کم کرتا رہے گا - ان لوگون مین جو ہر وقت اُسے گھیرے رہتے بہت سے نوجوان پادری تھے - کیا یہ ممکن نہین کہ انھین مین سے کسی کو منتخب کر کے

اپنا راز دار بنالیا جائے؟ یہ خیالات تھے جو اس وقت جون کے دل مین پیدا ہوے۔
پوپ کی ذاتی خدمتین انجام دینے کے لیے جو لوگ محل مین رہا کرتے تھے اُن
مین ایک نہایت حسین نوجوان تھا جس کا نام بال ڈیلو تھا۔ اُس کی خوش قسمتی تھی
کہ جون کی نظر انتخاب اُسی پر پڑی۔ اور اسکی وجہ یہ تھی کہ یہ شخص اتفاق سے فولڈا
کے پادری سے بہت مشابہ واقع ہوا تھا۔ بال ڈیلو شہر فلارنس کا رہنے والا تھا۔
جون اُس پر فریفتہ ہوگئی۔ اور اُس کے ساتھ خاص عنایت اور مہربانی سے پیش
آنے لگی۔ چند روز مین یہی شخص جون کے کل انتظامات خانگی کا داروغہ بن گیا۔
اور زیادہ زمانہ نہین گذرنے پایا تھا کہ یہ راز بھی اُس پر ظاہر ہوگیا کہ تخت پاپائی
پر مرد نہین بلکہ ایک عورت بیٹھی ہوئی ہے۔ اس کے بعد معلوم نہین کہ جون نے خود
اُس پر اپنا عشق ظاہر کرکے اُسے اپنی طرف مائل کیا یا اُس نے اتنا معلوم ہو جانے
کے بعد اپنے معلومات کے اثر سے کام لے کے جون پر پورا قبضہ حاصل کرلیا۔ مگر اب
یہ نوجوان بال ڈیلو پوپ جون کا عاشق تھا اور وہ اُس کی معشوقہ تھی۔
یہ روایت چلی آتی ہے کہ اُسی رات کو رومۃ الکبریٰ مین کنواری مریم کی ایک
مورت دفعۃً گر پڑی اور اُسکے ہزارہا ٹکڑے ہوگئے۔ سینٹ پٹر کی مورت خود بخود
سیاہ ہوگئی۔ اور چاند مین ایسا سخت گہن پڑا کہ اُس نے اپنا سارا نورانی چہرہ شرم
کی وجہ سے چھپالیا۔ اسی قسم کی اور بہت سی بدشگونیان ظاہر ہوئین۔ مگر جون نے
ان باتون کی کوئی پروا نہین کی۔ اب وہ اپنے کمرے سے بہت کم باہر نکلتی۔ عام
طور پر لوگ یہ سمجھ رہے تھے کہ پوپ صاحب ریاضت و عبادت مین مصروف ہین
اور دینی ترقی کے لیے چلہ کشی اختیار کیے ہوے ہین۔ مگر اصل واقعہ یہ تھا کہ جون
بال ڈیلو کے آغوش شوق مین بیٹھی ہوئی عشق و محبت کے مزے لوٹ رہی تھی۔
امور سلطنت اور مذہبی انتظامات وزرا کے سپرد کردیے گئے تھے جو جون
کے نام سے حکومت کر رہے تھے۔ مگر یہ حالت زیادہ دنون نہین قائم رہ سکی۔ قدرت
نے خود ہی انتقام لینا شروع کردیا۔ اب جون حاملہ تھی اور بہت ہی قریب زمانے مین
لڑکا پیدا ہونے والا تھا۔ بال ڈیلو سخت پریشان تھا کہ اس مصیبت کا کیا علاج
کرے۔ مگر جون کو ابھی زیادہ فکر نہ تھی۔ وہ نوین صدی عیسوی کے مسیحیون کی

ضعیف الاعتقادی کی وجہ سے مطمئن تھی۔ مسیحی دنیا پر اپنی ایک کرامت ظاہر کر دینا اور لوگون کا خوش اعتقادی کے، اُسے مان لینا زیادہ مشکل کام نہ تھا۔ اُسنے یہی ترکیب سوچ رکھی تھی کہ جب ضرورت ہوگی تو لوگون کو اپنی ایک کرامت دکھا دون گی اور سب اُسے تسلیم کر لین گے

(۳)

جون کے دل مین ایک خیال یہ بھی پیدا ہوا کہ اس طرح جو لڑکا پیدا ہوگا اُسے بہت ممکن ہے کہ لوگ اس تخت یا پاپائی کا وارث تسلیم کر لین۔ اور کیا یہ ممکن نہین کہ اسکے بعد اسکی اولاد ہی اس تخت کی مالک ہوتی رہے؟ اس نے اپنے دل مین خیال کیا کہ خلیفۂ بغداد بھی تو مسلمانون کے دینی مقتدا ہین۔ ایک خلیفہ کے بعد اُس کا بیٹا جانشین ہوتا ہے۔ پھر کیا مسیحیت مین یہ ناممکن ہے کہ مقتدائی موروثی کر دی جائے؟ مین عورت ہون۔ مگر عورتون کو سب نے اس قدر ذلیل کیون مان لیا ہے؟ کیا مجھ مین کوئی کمی ہے؟ کیا مین عمدگی کے ساتھ حکومت نہین کر سکتی کیا مین نے ان سب سرکش پادریون اور راہبون کو تابع فرمان نہین بنا لیا جو میرے پیش رو پوپون سے کسی طرح نہین دبتے تھے؟ کیا مین نے مسیحی کلیسا کا انتظام بہت سے مردون سے اچھا نہین کر دیا ہے؟ اور کیا مین نے دنیا پر یہ نہین ظاہر کر دیا کہ ایک عورت بھی اس تخت پر بیٹھنے کا ویسا ہی حق رکھتی ہے جیسا کہ مردون کو حاصل ہے؟ اس قسم کے خیالات تھے جو اسوقت پوپ جون کے دل مین پیدا ہوے۔ اب یہ باتین زیادہ اہم نہین معلوم ہوتی ہین۔ کیونکہ ہر جگہ عورتین تعلیم حاصل کر کے مردون کا مقابلہ کرنے لگی ہین۔ مگر اب سے بارہ سو برس پہلے جو شخص اس قسم کے خیالات خصوصاً یورپ مین ظاہر کرتا وہ دیوانہ یا پاگل خیال کیا جاتا۔ غرض یہ باتین تھین جو جون کے دل و دماغ مین اُسوقت چکر لگا رہی تھین۔ خود اُس مین ہر طرح کی ہمت اور پورا جوش موجود تھا۔ مگر کل اُمور پر غور کرنے کے بعد آخر مین اُسے یہی نظر آیا کہ دنیا مین اکیلی ہون۔ ساری دنیا مین کوئی میرا ہم خیال نہین۔ اگر یہ راز ذرا بھی کھل گیا تو پھر مین کہین کی نہ رہون گی۔ یہ سب لوگ جو میرے ادنیٰ اشارے پر دوڑتے ہین اُسوقت سخت ترین دشمن

ہونگے - اور میرے لیے موت یقینی ہوگی - لہذا اُس نے دل مین طے کر لیا کہ اس قسم کی دلیلون اور حجتون سے کام نہین نکل سکتا - بس ایک کرامت کے زور سے خواہ وہ اصلی ہو یا مصنوعی یہ مصیبت دفع کی جا سکتی ہے - اور صرف یہی ایک ذریعہ ہے جس سے میری اور میرے عاشق کی جان بچ سکتی ہے - وہ جانتی تھی کہ اس ضعیف الاعتقادی کے زمانے مین کسی اہم معاملے کی نسبت پیشین گوئی کر کے ہر شخص جو چاہے حاصل کر سکتا ہے - اور ساری دنیا قائل ہونے کو تیار ہو جائے گی مختلف مذاہب کے بانیون سے بہت سے معجزے ظاہر ہو چکے ہین اور دین کی سچائی ظاہر کرنے اور دشمنون کو زک دینے اور فتح کرنے کے لیے وہ خدا کی طرف سے عمل مین آئے تھے -

لیکن تعجب ہے کہ جوآن کی سی چالاک عورت جس نے ساری دنیا کو بیوقوف بنا لیا تھا اور سب اسکے فریب مین آ گئے تھے وہ خود اپنے عمل کو لوگون کی نظرون سے پوشیدہ نہ رکھ سکی - اصل یہ ہے کہ کبھی بڑے بڑے لوگ بھی بیوقوف بن جاتے ہین - اور یہی بات اُسوقت بھی [illegible] قدرت نے بھی انتقام لینا شروع کر دیا تھا -

اس زمانے مین جس شخص کے سر پر شیطانی خلل ہوتا اُسے کوئی بڑا پادری یا خود پوپ صاحب اپنی بابرکت دعاؤن کے زور سے اُتار دیا کرتے - ایک روز جوآن کسی مذہبی جلسے مین صدر نشین تھی کہ ایک شخص جس کے سر پر شیطان سوار تھا اُس کے سامنے لایا گیا تاکہ اُس کا خلل دور کر دیا جائے - جوآن نے اسکی طرف مخاطب ہو کے پوچھا "تم کون ہو اور اس غریب آدمی کو کیون پریشان کر رہے ہو اور کب اسکے جسم کو اس تکلیف سے نجات دوگے ؟" اُس نے جواب دیا کہ "اے مقدس باپ ! مین اس جسم کو اُسوقت چھوڑ دونگا جس وقت آپ مجھے ایک بے باپ کے بطن سے لڑکا پیدا ہوتے دکھا دینگے !"

جوآن کو فولڈا کے پادری کا ساتھ چھوڑے بارہ سال سے زیادہ گذر گئے تھے وہ اپنے دل مین سمجھ رہی تھی کہ یا تو وہ پادری مر گیا ورنہ ترکون کے ہاتھ مین گرفتار ہو کے کسی کی غلامی مین مبتلا ہوگا - مگر واقعہ یہ تھا کہ خود وہی پادری اس وقت رومۃ الکبریٰ مین پہونچا تھا - بارہ برس وہ تحصیل علم کے شوق مین دور و دراز

ممالک مین پھرتا اور معلومات بہم پہونچاتا رہا تھا - اُس نے بہت سے پیچیدہ علوم حاصل کر لیے تھے - اس سے فراغت حاصل کر لینے کے بعد اُسے دفعتہً پُرانی باتین یاد آئین خوبصورت جوآن کی تصویر آنکھون کے سامنے پھرنے لگی - اُس نے یاد کیا کہ جوآن نے روستہ الکبریٰ جانے کا ارادہ ظاہر کیا تھا - لہذا اسکی تلاش مین ارض مشرق سے اُسی جانب چل کھڑا ہوا - اس مقدس دار السلطنت مین پہونچ کے وہ ایک شخص کے یہان مہمان ہوا اور کپڑے اُتارتے ہی اپنے میزبان سے پوچھنے لگا آپ ایک شخص جآن نامی کو تو نہین جانتے ہین جو انگلستان کا باشندہ ہے؟ میزبان اس سوال پر متعجب ہو کے اُس کی صورت دیکھنے لگا کہ یہ کون شخص ہے جو اتنا نہین جانتا کہ وہی جآن جسے وہ دریافت کر رہا ہے تخت پایائی پر بیٹھا ہوا مسیحی دنیا پر حکومت کر رہا ہے - مگر یہ زیادہ حیرت کی بات نہ تھی - اُس قدیم زمانے مین خبرین آج کل کی طرح دُور و دراز ممالک مین فوری طور پر نہین پہونچ سکتی تھین - اور یہ شخص ارض مشرق سے آ رہا تھا - لہذا ممکن ہے کہ وہان والون کو یہ خبر نہ پہونچی ہو - مختصر یہ کہ میزبان نے اُس کے سامنے انگریز جآن کے وہ کُل واقعات بیان کر دیے جو عام طور پر روستہ الکبریٰ والون کو معلوم تھے کہ بارہ سال گذرے یہ انگریز جآن اس عظیم الشان شہر مین آیا - درجہ بدرجہ ترقی اور نمود حاصل کرتا رہا - یہان تک کہ لیو رابع کے انتقال کے بعد وہی پوپ منتخب ہوا ہے - آخر مین اُس میزبان نے یہ بھی کہہ دیا کہ چند سال تک تو لوگ اس عقلمند اور مہربان پوپ کی ہر وقت تعریف کرتے رہتے تھے - اور کوئی بات ایسی پیش نہین آئی جس سے کسی کو شکایت ہوتی - مگر افسوس اب زمانہ بدل گیا ہے - اب تو پوپ کا مقدس چہرہ بھی ہم لوگون کو شاذ و نادر ہی نظر آتا ہے - کُل انتظامات ایک ایسے داروغہ کے ذریعے سے انجام پاتے ہین جو پوپ صاحب کی نظرون مین بہت عزیز ہے - اور لوگون کو شبہہ ہے کہ اُسکا بھانجا یا بھتیجا ہے - ان پوپ صاحب کے متعلق اور بھی بہت سی عجیب و غریب روایتین مشہور ہین - بعض لوگ انھین کسی نہایت ذلیل اور گمنام خاندان سے بتاتے ہین - اور بعض لوگ کہتے ہین کہ نہین یہ بڑے گھرانے سے تعلق رکھتے ہین - کوئی انھین شاہ انگلستان کا چھوٹا بھائی بتاتا ہے اور کوئی کہتا ہے کہ شہنشاہ آئزلیٹم کے چچازاد بھائی ہین -

یہ باتین سُن کے فولڈا کا پادری دل مین نہایت متعجب ہوا۔ اُسے ابھی تک یقین نہین آتا تھا کہ اس چالاک عورت نے اتنی جرأت کی ہوگی کہ لوگون کو دھوکا دے کے پوپ بن گئی ہو۔ اس نے دل مین کہا کہ مین خود پوپ سے مل کے اصلیت دریافت کرلون گا۔ وہ ساری رات اُس نے نہایت بیقراری مین بسر کی اور صبح سویرے ہی پوپ کے دروازے پر جا کے اطلاع کرائی کہ ایک انگریز کسی فوری ضرورت سے آپ سے ملنا چاہتا ہے۔ جون مین ایک کمزوری یہ بھی تھی کہ جہان کسی انگریز کا نام لیا جاتا نہایت ہی شوق کے ساتھ اُسی وقت اُس سے ملتی تاکہ اسکی ضرورت پوری کردے۔ پادری کی اطلاع ہوتے ہی اُس نے اندر بُلا لیا۔ باوجود اتنی مدت گذر جانے کے پادری نے دیکھتے ہی پہچان لیا کہ یہ وہی جون ہے جو میرے ساتھ رہا کرتی تھی اور اٹیلیہ مین جدا ہوگئی تھی۔ اور اس وقت تخت پاپائی پر بیٹھی ہوئی ہے۔ تھوڑی دیر مین جون نے بھی پادری کو پہچانا اور اُسے نہایت تفصیل کے ساتھ بتایا کہ مین کس طرح اس اعلیٰ درجے تک پہونچی ہون۔ پھر جون نے اُس پادری سے کہا کہ اب تم یہین رومتہ الکبریٰ مین ٹھہر جاؤ۔ اور مین ہر طرح تمھاری مدد کرتی رہونگی۔ امید ہے کہ بہت جلد تم ایک اعلیٰ مرتبہ حاصل کرکے اپنے آخری ایام اطمینان کے ساتھ بسر کروگے۔ مگر پادری کے دل مین رقابت کا جوش بھرا ہوا تھا۔ اُس نے جواب دیا کہ "نہین۔ مین تمھاری مہربانی نہین چاہتا۔ تم نے دغابازی کی بھی حد کردی۔ ساری دنیا کو ایک فریب مین مبتلا کر رکھا ہے۔ تم نے خدا کے گرجے اور حضرت مسیح کے پاک دین کی تحقیر کی۔ ساری مسیحی دنیا تمھاری پرستش کر رہی ہے اور تمھاری وجہ سے سارے پادری بدکار ہوگئے ہین۔ اور مین بتائے دیتا ہون کہ اب انتقام کا وقت قریب آگیا ہے۔"

یہ کہہ کے جون کا پُرانا دوست اس مکان سے نکل گیا۔ اور جون اُسکے الفاظ اور صورتِ واقعات پر غور کرنے لگی۔ اب وہ نہایت پریشان تھی۔ اور اُس مین وہ ہمت بھی نہین باقی رہی تھی جس سے اُس نے اب تک کام لیا تھا۔ اُسکے دل مین نہایت پریشان کُن خیالات پیدا ہونے لگے۔ وہ اسی حال مین بیٹھی تھی کہ بال ڈیلو آگیا۔ وہ ہر طرح اپنی معشوقہ کا اطمینان دلانے لگا۔ مگر افسوس کہ اُسے ایک دم

کے لیے بھی اب چین نہ ملتا - اور اب وہ خاموشی کے ساتھ خدا کے فیصلے اور اپنی قسمت کا انتظار کرنے لگی - دولت اور اقتدار نے بھی اب اُس پر پردہ ڈال دیا تھا - یہ بھی اُسے کسی طرح گوارا نہ ہوا کہ تخت پایائی کو چھوڑ دیتی اور رات کی تاریکی مین اپنے عاشق کے ساتھ رومۃ الکبرےٰ سے نکل کے کسی خاموش اور ویران مقام مین چلی جاتی - جس وقت اُس کا دماغ ٹھیک ہوتا وہ اسی پر غور کرنے لگتی کہ مین کس طرح اس مصیبت سے نجات پا سکتی ہون - ممکن تھا کہ کوئی صورت نکل آتی - مگر اس زمانے مین بعض نہایت عجیب و غریب واقعات دفعۃً پیش آئے - جن سے لوگ بہت پریشان ہو گئے - اور اُنھین نظر آنے لگا کہ ہم خداوند تعالےٰ کے عذاب مین مبتلا ہین -

دریاے طیبر مین طغیانی آئی اور ساری زمینین تہ آب ہو گئین - بہت سے گرجے اور عالیشان عمارتین منہدم ہو گئین - بیشمار انسان اور حیوان پانی مین ڈوب کے مر گئے - اسی زمانے مین ٹڈیان بھی ملک مین پھیل گئین اور کسی طرح اُن کا سلسلہ ختم نہ ہوتا - ان مصائب سے لوگ عاجز ہو گئے - اب اُن مین صبر کی طاقت باقی نہ رہی تھی - لہذا شور مچانے لگے کہ "پوپ جنکی حکومت [illegible] بھی مسلم ہے ان مصائب کو کیون نہین دور کرتے ہین اُنکے ایک ادنیٰ اشارے سے ہماری سب تکلیفین رفع ہو سکتی ہین" مگر پوپ صاحب خاموش بیٹھے تھے - اُن مین اتنی جرأت نہ تھی کہ ان غیر معمولی قوتون کا مقابلہ کرتے - جن سے انسانون کو دھوکا دے سکتے تھے کہ قدرتی امور اسکے اختیار سے باہر تھے - مگر عوام کو اصل حال کیا معلوم تھا وہ تو یہ سمجھ رہے تھے کہ پوپ صاحب کے ایک اشارے سے یہ ساری خرابیان رفع ہو سکتی ہین - ایک روز رومۃ الکبرےٰ کے باشندے پوپ صاحب کے محل کے سامنے جمع ہوے - اور زور و شور کے ساتھ کہنے لگے کہ ہم سخت ترین مصائب مین مبتلا ہین مگر پوپ پر اس کا کچھ اثر ہی نہین - اُنکی ایک اُنگلی کے اشارے سے یہ طوفان خیز دریا ایک دم مین خشک ہو سکتا ہے - یہ حالت دیکھ کے پالی ڈلو بہت پریشان ہوا - وہ کانپتا ہوا جون کے پاس آیا اور کہا "معلوم ہوتا ہے اب ہمارا آخری وقت قریب آگیا ہے - سارے شہر مین ہنگامہ ہو گیا ہے - اور لوگ یہ چاہتے ہین کہ آپ روحانی

قوت سے اُنکی مصیبت کو رفع کردین - اب اسکے سوا کوئی چارہ نہین کہ آپ خود باہر نکل کے لوگون کو سمجھا بجھا کے خاموش کرکے رخصت کردین - جون برآمدے پر آئی اور لوگون کی طرف اپنا بابرکت ہاتھ اُٹھا کے پہلے کچھ دعائین مانگین پھر وعدہ کیا کہ کل میں پورے مذہبی جلوس کے ساتھ آؤن گا اور تمھاری ساری مصیبتین رفع کردون گی -

دوسری صبح سے سارے شہر مین بڑا جوش تھا - سب لوگ اس دینی جلوس کے دیکھنے کو اپنے گھرون سے نکل آئے تھے - اور ہر شخص اسکا منتظر تھا کہ کب پوپ صاحب آکے ہماری پریشانیون کو رفع کردیتے ہین - روما الکبرے کے کل گرجون کے گھنٹے خوشی سے بج رہے تھے - شہر اور اُسکے قرب وجوار کے کل پادری راہب اور نین پوپ کے محل کے سامنے جمع ہوگئین -

جون کے دل پر اس وقت ایک خاص اثر تھا - بال ڈلہ نے اُسکی یہ حالت دیکھکر اُس سے کہا کہ آپ نہ جائیے - مگر جون وعدہ خلافی کی جرأت نہ کرسکی - غرض جون اس مذہبی جلوس کے آگے چلی - تھوڑی ہی دور جانے پائی ہوگی کہ اُس کا چہرہ متغیر ہونے لگا - اور اُس کے خاص طبیب نے اسے محسوس کیا کہ اس کی حالت اچھی نہین ہے - اُس نے کچھ مفرح دوائین پلائین - جلوس دریا کے کنارے تک پہونچ گیا - پوپ نے لوگون کی خواہش کے مطابق پانی کو اُتر جانے کا حکم دیا - اور کھیتون کی طرف ہاتھ اُٹھا کے برکت کی دعائین پڑھین -

اب جلوس ختم ہوگیا - اور جون اپنے خچر پر بیٹھی تاکہ محل مین واپس آئے - مگر افسوس وہان تک پہونچنا اُس کی قسمت مین نہین لکھا تھا - دن کی گرمی، تکان، اور پریشانی کو وہ برداشت نہ کرسکی - اور وضع حمل کا زمانہ بھی آ گیا تھا - دفعتہً صلیب اُس کے ہاتھ سے گر پڑی اور وہ بیہوش ہوگئی - لوگون کو خیال ہوا کہ کسی شیطان نے پوپ پر غلبہ پالیا ہے - فوراً ایک بہت بڑے پادری بلائے گئے جو بھوت اُتارنے مین بڑی مہارت رکھتے تھے - لوگ چارون طرف حلقہ کیے ہوئے اس بھوت اُتارے جانے کے عمل کو غور سے دیکھ رہے تھے کہ عجیب وغریب واقعہ پیش آیا - پوپ جون کے ایک بچہ پیدا ہوا! اب لوگون کے جوش وخروش کی کوئی انتہا نہ تھی - جون اور